ردا ڈائجسٹ

MARCH
2015

ماڈل: سدرا
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

ردا ڈائجسٹ



چیف ایڈیٹر
صالحہ محمود
ایڈیٹرز
سعدی محمود جعفری،
فراز جعفری
عقیل جعفری









مارچ 2015ء
جلد نمبر 20 شمارہ نمبر 3
قیمت 60 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
720 روپے



پبلشر وایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔ 2۔ پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

مستقل سلسلے





دل خواہشوں کا ایسا گھر ہے جو نت نئے اسرار و رموز کے پردے میں چھپے ہوئے احساسات کو عیاں کر دیتا ہے۔عیاں وہ بات ہوتی ہے جو ہمارے دل میں ہو۔

دل میں بسنے والی پہلی چیز محبت، اطاعت ہے۔اللہ سے قرب کا ذریعہ محبت کا پہلا سبق ہے لیکن انسان بندہ بشر ہے کہیں کہیں لوگ اس بات کو بھول چکے ہیں۔بھولنے والے کبھی انسان نہیں ہوتے۔شیطان پل دو پل کے لیے آتا ہے اور پھر اپنا رخ پھیر کر کسی اور جانب بدی کے رستے پر مڑ جاتا ہے۔ایسے ہی بھیڑیا نما انسان جگہ جگہ انسانیت کو رسوا کر رہے ہیں۔بم دھماکے ان کی خصلت کا ایک حصہ بن چکے ہیں۔آپ اور ہم یہ بات جانتے ہیں کہ ہم آج زوال اخلاق کی آہنی گرفت میں ہیں۔اس لیے ہم قرآن و سنت سے دور ہو چکے ہیں۔قرآن و سنت کے معانی اور مفہوم سے بھی نا آشنا ہو چکے ہیں۔جس ملت اور اس کے افراد پر یہ سخت وقت پڑ جائے تو ایسے شدید حالات میں حقائق کو اس کے دل میں اتار دینا بڑا سخت مرحلہ ہے۔تنگ و تاریک گلیوں سے گزرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔مسلمان ہونے کی بنا پر ہم اس بات کے پابند ہیں کہ اللہ سے محبت کا مفہوم متعین کرنے کے لیے قرآن و سنت کی طرف رجوع کریں اور اپنے اعمال پر ایک بار غور ضرور کر لیں۔یہ ہر فرد پر لازم ہے یہ کوئی اجتماعی طریقہ کار نہیں ہے۔بنیادی بات یہ ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہم کچھ بھی نہ سہی پھر بھی سانس لیتے ہیں۔زندگی رواں دواں ہے۔ آنے والے کل کا مستقبل ہماری نوجوان نسل کے ہاتھوں میں لکھا ہے۔آپ اپنے بچوں کی آبیاری کریئے تا کہ آگے جا کر یہ تناور اور خوب صورت پھول بن جائیں پھول کی بات نکلی تو موسم بہار یاد آ گیا شہر موسم کا حال کیا کہیے

پھول کھلے ہیں پات ہرے ہیں کم کم باد و باراں ہے
چلتے ہو تو چمن کو چلیے کہتے ہیں کہ بہاراں ہے

پھولوں اور محبت کا سفر ردا کے ساتھ ساتھ رہے گا۔سندیسہ ضرور لکھیے گا آپ کی آراء بہت اہم ہے۔ہماری رہنمائی کا ذریعہ ردا کی پہچان ہے۔ہم نے ردا میں تھوڑی سی تبدیلی کی ہے۔ایک چھوٹی سی کوشش کہ تمام رائٹرز کو یکجا کیا جائے۔مختصر افسانہ لکھنا بڑا آرٹ کہلاتا ہے۔طویل کہانیاں اتنی دیر پا ذہن میں نہیں رہتیں۔آپ اپنی تحریر کو مختصر کیجیے با مقصد بنایئے۔لکھتے وقت بنیادی طور پر یہ ذہن میں رکھیے۔اخلاق، محبت، روایات، مشرقی تہذیب ذہن میں رکھیے۔خودکشی قتل جیسے موضوعات سے دور رہیے۔دعاؤں میں یاد رکھیے۔

آپی



پسندیدہ کلمات

حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ افضل و پسندیدہ چار کلمات ہیں۔

سبحان اللہ والحمدللہ و لا الہ الا اللہ واللہ اکبر

ان کلمات میں سے جو کلمہ بھی پہلے پڑھو مضائقہ نہیں۔

عورتوں کے لباس کا بیان

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوزخیوں کی دو قسمیں میرے دیکھنے میں آئیں جنھیں میں نے پہلے نہ دیکھا تھا۔ میں نے ایک گروہ کو دیکھا کہ ان کے ہاتھوں میں گاؤدم وضع کے کوڑے ہیں جن سے وہ لوگوں کو مار رہے ہیں۔ دوسرے ایسی عورتوں کو دیکھا جو عریاں لباس والی تھیں دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور خود دوسروں کی طرف مائل ہونے والی تھیں اور ان کے سر کے بالوں کے جوڑے اونٹوں کے کوہان کی طرح اوپر کو ابھرے ہوئے تھے۔ یہ سب نہ جنت میں داخل ہوں گی نہ ہی جنت کی بو تک سونگھ سکیں گی۔ حالانکہ دوسروں کو جنت کی مہک بہت دور سے آئے گی۔

دوسرے کے مکان کے اندر داخلہ کی اجازت لینے کا حکم

حضرت ابو بردہؓ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ حضرت عمرؓ بن خطاب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مکان کے باہر کھڑے رہ کر عرض کیا السلام علیکم عبداللہ بن قیس حاضر ہے مگر ان کو اندر بلانے کی آواز نہ آئی۔ انہوں نے دوبارہ عرض کیا السلام علیکم اشعری حاضر ہے۔ یہ آواز دیں اور واپس جانے لگے تب حضرت عمرؓ نے حاضرین سے فرمایا، انہیں واپس بلاؤ، انہیں واپس بلاؤ۔ حضرت ابو موسیٰ واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اے ابو موسیٰ تم کیوں واپس ہو گئے میں کام میں مشغول تھا اس لیے جواب نہ دے سکا۔ عرض کیا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نو وارد شخص کو مکان کے اندر آنے کی تین مرتبہ اجازت طلب کرنی چاہیے اگر اجازت ملے تو بہتر ہے ورنہ واپس چلے جانا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت پر گواہ پیش کرو ورنہ میں تم سے سختی سے پیش آؤں گا۔ یہ سن کر ابو موسیٰؓ واپس چلے گئے بعد میں حضرت عمرؓ نے حاضرین سے فرمایا اگر انہیں گواہ مل گیا تو تم انہیں رات کو منبر کے پاس دیکھو گے ورنہ یہاں نہ دیکھو گے۔ جب رات ہوئی تو لوگوں نے انہیں موجود پایا۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا اے ابو موسیٰ اب کیا کہتے ہو کیا تمہیں گواہ مل گئے۔ عرض کیا۔ ہاں! حضرت ابی بن کعبؓ گواہ موجود ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بے شک یہ معتبر گواہ ہیں پھر حضرت ابی بن کعبؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا اے ابو طفیل یہ ابو موسیٰ کیا کہتے ہیں؟ عرض کیا اے ابنِ خطاب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی فرماتے ہوئے سنا ہے پس آپ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تشدد نہ فرمایا

کریں۔ فرمایا سبحان اللہ میرا تو صرف یہ مقصد تھا کہ میں نے جو ایک نئی بات سنی تھی اس کی تصدیق و تحقیق کرلوں۔

دوسروں کے گھروں میں جھانکنے کے حرام ہونے کا بیان

حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ کے ایک سوراخ سے اندر جھانک رہا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک میں کنگھی فرما رہے تھے کہ یکا یک آپ کی نظر اس شخص پر پڑ گئی تو اس سے فرمایا اگر مجھے خبر ہوتی کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو تو میں اسی کنگھی کو تمہاری آنکھوں میں چبھو دیتا۔ نیز فرمایا اسی نگاہ کی وجہ سے تو اندر آنے کے لیے اجازت لینے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص لوگوں کے گھروں میں ان کی اجازت و اطلاع کے بغیر جھانکتا ہوا پایا جائے تو انہیں اس کی آنکھیں پھوڑ دینے کا حق ہے۔

غیر عورت کے پاس تنہائی میں قیام اور اس کے گھر آمدورفت کی ممانعت

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کو کسی بیوہ عورت کے گھر پر ہرگز رات نہیں گزارنی چاہیے بجز اس کے کہ اس کا اس سے نکاح ہو گیا ہو یا وہ اس کی محرم ہو۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم غیر عورتوں کے گھروں میں آمدورفت سے اجتناب رکھو۔ ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ دیور کے متعلق کیا فرماتے ہیں، فرمایا دیور تو موت ہے۔

امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ دیور کا لفظ شوہر کے حقیقی بھائی نیز اس کے چچا زاد، تایا زاد اور علاتی برادر وغیرہ سب پر بولا جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ خبردار آج کے بعد کوئی شخص تنہا کسی ایسی عورت کے پاس ہرگز نہ جائے جس کا شوہر گھر پر موجود نہ ہو الا یہ کہ اس کے ہمراہ دو آدمی اور ہوں۔

بدشگونی اور فال نیک کا بیان

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام میں مرض بدفالی صفر (زمانہ جاہلیت کے عربوں کا عقیدہ تھا کہ ہر انسان کے پیٹ میں ایک سانپ ہوتا ہے جب اسے بھوک لگتی ہے تو وہ اسے ڈس لیتا ہے اسے صفر کہتے ہیں) اور ہامہ (نیز ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جس مقتول کے خون کا بدلہ نہ لیا گیا ہو اس کی روح الو بن کر اپنی قبر پر بیٹھ کر کہتی ہے مجھے پانی پلاؤ۔ مجھے پانی پلاؤ جب قاتل سے اس کا بدلہ لے لیا جاتا ہے تب وہ الو وہاں سے غائب ہو جاتا ہے اسے ہامہ کہتے ہیں) کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ اس پر ایک دیہاتی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹ کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں جو ریگستان میں صحت مند ہرن کی طرح دوڑتا پھرتا ہے پھر ایک خارشتی اونٹ وہاں آتا ہے جس کے ساتھ رہنے سے اس تندرست اونٹ کو بھی خارش لگ جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایسا ہے تو اس سے پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی ہوگی؟

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نحوست اور بدشگونی ممکنہ طور پر مکان، عورت اور گھوڑے میں ہو سکتی ہے۔

......☆......


freedom to live happily!
Freedom
STICK ON
Safe Soft and Comfortable
Freedom®
A-17/8, S.I.T.E Karachi-75700, Pakistan. Ph 2560911-13, Fax # (92-21) 2562570-2560911. e-mail freedomhhpi@yahoo.com

شازیہ مصطفیٰ عمران

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر ۱۶

تجھ سے مانگوں میں تجھ کو

ان تینوں کی آمد سے گھر میں بھونچال ہی آ گیا تھا' کیونکہ یوں اچانک سے مرتضیٰ علی کو خوشی بھی ہوئی اور حیرانگی بھی ہوئی تھی نزہت نے حسب معمول ان سے سلام دعا نہیں کیا' شاہدہ ہی میزبانی نبھا رہی تھیں ہشم



اتفاق سے کچھ ہی دیر پہلے آ گیا آج ویسے بھی وہ اور خوشنما اشعر کی طرف ڈنر پر انوائٹ تھے۔

''آپی! آپ تو اپنا سیل تک وہیں چھوڑ آئیں کوئی خیر خبر ہی نہیں مل رہی تھی اس لیے آنا پڑا۔'' رمشا نے ساتھ ہی وضاحت بھی دی۔

''اوہ سوری خوشنما کو سیل میں نے ہی اب تک نہیں دلایا پتہ نہیں کیسے بھول گیا۔'' ہیشم کو اپنی لاپروائی پر غصہ آیا۔

خوشنما نے اپنا چہرہ سپاٹ ہی بنایا ہوا تھا۔

رمشا اور ایمن ہیشم کا بدلا ہوا اور شوخ انداز دیکھ کر حیران ہوئی تھیں

''ارے بھئی آپ لوگ یہ سب تو لیں۔'' شاہدہ نے ان کے آگے پلیٹیں رکھیں۔

''اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔'' ثمینہ گویا ہوئیں۔

''پہلی دفعہ آئی ہیں ہمیں تو بہت خوشی ہو رہی ہے اتنا سب کچھ تو چلے گا۔'' ہیشم نے ان کی پلیٹ میں لوازمات رکھے۔



مرتضیٰ علی بھی آ گئے تھے جو اہم میزبان تھے سب نے ہی آ کے سلام دعا کی تھی نہیں کی تو نزہت نے پتہ نہیں جلن اور حسد ان کے دل میں تھا یا شرمندگی تھی ہیشم نے تو ان سے بات کرنی ہی بند کر دی تھی'

"تم یہاں خوش تو ہو مطلب کوئی کچھ کہتا تو نہیں اور ہیشم اس کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟" ثمینہ ماں تھیں انہیں اپنی اولادوں کی ہر وقت فکر رہتی تھی۔

"اب خوش ہونا کیا معنی رکھتا ہے اور ہیشم مجھے خوش رکھ بھی رہے ہیں تو کیا فائدہ اس وقت تو میری بے عزتی کر دی۔" اس کے دل میں غم اور افسردگی تھی وہ تضحیک اور توہین بھی نہیں بھولی تھی اور نزہت مامی کی نگاہوں میں ابھی بھی اسے توہین ہی لگتی تھی وہ اسے ایسا سمجھتی تھیں جیسے وہ بہت گرے ہوئے خاندان سے زبردستی آ گئی ہو۔

مرتضیٰ علی اور سب ان ماں بیٹی کو بات کرنے کا موقع دے کر اٹھ گئے تھے۔

"آپی اتنی بھی ناشکری نہیں بنیں ہیشم بھائی دیکھیں کتنا خوش ہو رہے ہیں ہمارے آنے سے اور آپ کا بھی بہت خیال رکھتے ہوں گے ہمیں اندازہ ہو گیا ہے۔" رمنا آہستگی سے گویا ہوئی۔

"اس شخص نے میری عزت دو کوڑی کی کر دی اور اب چاہتا ہے سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔" وہ دانت پیسنے لگی۔

"خوشنما فضول کوئی حرکت نہیں کرنا گزری باتوں کو بھلا کے ہیشم کے ساتھ خوشی خوشی رہو۔" ثمینہ ذرا ڈپٹ کر اسے سرزنش کرنے لگیں۔

ایمن خوبصورت سے جدید طرز پر بنے ہوئے ڈرائنگ روم کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھی۔

"آپ کو تو بس یہی چاہیے اس انسان کو سر پر بٹھالوں۔" وہ غصے میں آ گئی۔

"ایکسیوزمی اندر آ سکتا ہوں؟" ہیشم ایزی سے شلوار سوٹ میں ملبوس نکھرا نکھرا فریش چلا آیا۔

"آپ کو اپنے ہی گھر میں اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔" رمنا نے مسکرا کے ہی کہا۔

خوشنما کا چہرہ ایسے ہی تنا ہوا تھا آج اشعر کی طرف وہ دونوں بھی انوائٹ تھے۔

"ہم بھی اب چلتے ہیں۔" ثمینہ کو وقت کا احساس ہوا پھر خوشنما نے انہیں باتوں میں بتا دیا کہ وہ تو اشعر کی طرف بھی جائیں گے۔

"ارے آنٹی یہ کیا کھانا کھا کے جایئے"۔

"نہیں بیٹا چلیں گے ان کے ابو انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"یہ کیا بات کی آپ نے کھانا کھائے بغیر بالکل نہیں۔" وہ بضد تھا۔

"تم لوگ جانے کی تیاری کرو بُری بات ہے کوئی انتظار کر رہا ہو گا۔"

"کس کی بات کر رہی ہیں؟" وہ سمجھا نہیں۔

"میں نے امی کو بتا دیا ہے کہ ہم اشعر بھائی کی طرف انوائٹ ہیں۔" خوشنما نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا اتنے میں شاہدہ، مرتضیٰ علی اور باقی لوگ بھی آ گئے۔

"مجھے خوشنما کی فکر تھی اس لیے آ گئے ہم لوگ تو......"

"ارے آپ لوگوں کا گھر ہے جب دل چاہے آیئے اور خوشنما ہماری بیٹی ہے اس کی فکر نہیں کریں۔" مرتضیٰ علی نے اطمینان دلایا۔

"نانا جان تو صرف اپنی آپ کی بیٹی کو پوچھتے ہیں مجھے تو پوچھنا ہی چھوڑ دیا ہے۔" ہیشم نے مضحکہ خیز لہجے میں کہا۔

''خوشی میری بیٹی ہے میں تو رکھوں گا اس کا خیال تم نالائق اس قابل ہی کہاں ہو۔'' وہ خوشی کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر کہنے لگے۔
رمشا اور ایمن کو اپنی بہن کی زندگی پر رشک آنے لگا سب کچھ اتنی جلدی سب ٹھیک ہو گیا تھا کتنا اچھا لگ رہا تھا۔

☆......☆

سات بجنے والے تھے وہ نہا کے نکلی تھی کپڑے تو اس کی سمجھ نہیں آ رہے تھے وارڈ روب میں اس کے سارے سوٹ شاپرز میں ہینگر کیے لٹکے تھے اس کی بری کے سارے ہی جوڑے خوبصورت اور قیمتی تھے سات ماہ کے عرصے میں بھی اس میں ایسا فرق نہیں پڑا تھا کہ یہ تمام کپڑے اس کے نہیں آتے۔
''ایسا کرتی ہوں شاہدہ مامی سے پوچھتی ہوں۔'' گیلے بالوں کو سمیٹ کر اس نے وارڈ روب بند کی۔
اسی وقت ہیشم بیڈ روم میں آیا نگاہوں کے تصادم میں وہ اکثر نگاہ پھیر لیتی تھی۔
''یہ سوٹ تم پہننا۔'' ہیشم نے اپنی وارڈ روب میں سے ایک ڈبہ نکال کر بیڈ پر ڈالا۔
''اتنے کپڑے پہلے ہی لٹکے ہوئے ہیں ان میں سے پہن لوں گی۔'' وہ جیسے ہیشم کی پسند کو کوئی اہمیت نہیں دینا چاہتی تھی۔
''مگر میں چاہتا ہوں تم یہ پہنو۔'' اس نے ڈبے میں خوبصورت فیروزی کلر کا اسٹائلش کامدانی سوٹ نکالا' میچنگ جیولری بھی تھی۔
''اس کی ضرورت کیا تھی' آپ نے سوچا ہوگا میں بیک ورڈ سی پتہ نہیں اپنی مرضی سے تیار ہو کر آپ کی ناک ہی نہ کٹوا دوں۔'' اس نے طنز میں ڈوبا تیر ناگواری سے پھینکا۔ ''نہیں ایسی کوئی بات نہیں بس میرا دل چاہ رہا ہے میری مرضی کا تیار ہو آج ہم پہلی دفعہ کہیں ساتھ جا رہے ہیں۔'' وہ مسکرا کے گویا ہوا۔
''سوچ لیں کہیں آپ کو میرا ساتھ مہنگا نہیں پڑے۔'' وہ کپڑوں کا جائزہ لینے لگی۔
''تم کیا ساری زندگی مجھ پر ایسے ہی طنز کرتی رہو گی'' وہ تھوڑا کھسیایا بھی۔
''کیوں اکتا گئے؟'' وہ تمسخرانہ ہنسی کے ساتھ گویا ہوئی۔
''نہیں ایسی کوئی بات نہیں پلیز جلدی سے تیار ہو اشعر کی کال آ چکی ہے وہ سمجھا کہ ہم نے کینسل کر دیا ہے۔ راستے میں تمہاری امی اور بہنیں مل جائیں گی اسے۔''
''اچھا امی نے تو نہیں بتایا۔'' ڈریسنگ ٹیبل پر جیولری کا ڈبہ رکھا۔
''انہوں نے ضروری نہیں سمجھا ہوگا۔'' ہیشم بھی اپنے کپڑوں کے انتخاب میں لگ گیا۔
خوشنما تیار ہو کے بہت دلکش اور منفرد لگ رہی تھی۔ نزہت مامی کے تو دل پر جیسے سانپ ہی لوٹ گئے۔
''بہت پیاری لگ رہی ہو آج ہیشم کی خیر نہیں۔'' شاہدہ مامی نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔
''فرش سے عرش پر آ گئی ہو ظاہر ہے اچھی اور قیمتی چیزیں پہن کے بندہ پیارا ہی لگتا ہے۔'' نزہت مامی نے اس کی بے عزتی کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔
ہیشم نے سن لیا وہ جز بز ہو کے اندر بڑھ گئیں شاہدہ مامی تاسف سے سر ہلا کے رہ گئیں۔
''جانے کیوں مامی کو مجھ سے بیر کیوں ہو گیا۔'' یہ وہ دکھ و افسوس سے گویا ہوا۔
''تم لوگ جاؤ ان باتوں کو نہیں سوچو۔'' شاہدہ نے ہی بات کو پلٹ دیا۔
وہ دونوں مرتضیٰ علی کو بتا کے جانے کے لئے نکل گئے تھے خوشنما کو یہ لمحے لمحے کی تضحیک برداشت نہیں ہو رہی تھی اور

وہ ابھی تک خاموش تھی اس لئے کہ وہ ان کی عزت جو کرتی تھی۔
''چلنے کا ارادہ ہے یا نہیں۔'' ضمران نے تنہائی پا کے اسے مخاطب کیا وہ گلابی قمیض اور ٹراؤزر میں بڑے سے دوپٹے میں بہت حسین لگ رہی تھی۔
''آپ کی دادی جان نہیں آئیں۔'' اس نے پوچھا۔
''وہ کل رات ہی گئی ہیں۔'' ضمران نے بتایا۔
''اور ضمران کیسی چل رہی ہے آپ کی جاب۔'' بینا چائے بنا کے لے آئی تھیں۔
حسنیٰ بھی جانے کی تیاریوں میں لگی تھی رفعت نے ڈرائیور کو بھیج دیا تھا۔
''بہت اچھی۔'' وہ مسکرا کے گویا ہو۔
''اگر اجازت ہو تو میں حباب کو لے جاؤں۔''
''لو اس میں اجازت کی کیا بات ہے تمہاری امانت ہے جب دل کرے لے جاؤ۔''
حباب کلس کے رہ گئی اس کا جانے کا موڈ نہیں تھا۔
''امی میں ابھی کچھ دن اور رکوں گی۔'' وہ جھٹ بولی۔
''آنٹی میری امی کا ان کا بغیر دل نہیں لگ رہا ہے۔ وہ بول رہی تھیں ساتھ لے کے آؤں۔''
''امی سے کہئے آپ وہ یہاں روز آجایا کریں برابر میں ہی تو گھر ہے۔'' حباب نے جیسے مسئلہ حل کیا۔
''حباب یہ تم کیسی بات کر رہی ہو امی تم سے بڑی ہیں وہ کیوں ملنے آئیں تم گھر نہیں چل سکتی کیا اتنے دن تو رہ لی ہو۔'' ضمران کو اس کی بات پسند نہیں آئی تھی۔
''حباب یہ تم کس طرح کی بات کر رہی ہو۔ بینا سمجھ گئی تھیں ضمران کو برا لگا ہے۔
''سوری اگر آپ کو برا لگا تو۔''
''حباب میں تو چلی۔'' حسنیٰ اپنا بیگ تیار کر کے چلی آئی۔
''بھابھی آپ بھی جا رہی ہیں۔'' ضمران حسنیٰ کو بھابھی کہنے لگا تھا جب سے شہریار سے نکاح ہوا تھا۔
''تین دن بہت ہوتے ہیں مما کال پر کال کر رہی ہیں گھر آجاؤ۔''
''آپ دونوں کا یہاں مشترکہ پروگرام تھا رہنے کا۔'' ضمران نے شرارتی لہجے میں کہا۔
''میں نے ہی کہا جو بھی دل چاہ رہا ہے جہاں رہنے کا دل ہے شادی سے پہلے مزے کر لو بعد میں شہریار تمہیں موقع نہیں دے گا۔'' بینا نے بھی ہنس کے بتایا۔
حسنیٰ جھینپ گئی ضمران سے اب ایسی بھی بے تکلفی نہیں تھی کہ ایسی باتیں کرتے۔
''بینا باجی اسے بھی بھیج دیجیے گا کیونکہ یہ کہہ رہی ہے میں اور رکوں گی۔'' حسنیٰ نے حباب کا ارادہ بتایا۔
کل سے اب تک وہ مسلسل حباب کو سمجھا ہی رہی تھی وہ بھی شہریار کی ہدایتوں کے مطابق، ورنہ تو حسنیٰ کو خود ان باتوں کا کوئی آئیڈیا نہیں تھا۔
ضمران ہنسنے لگا حباب جبکہ دانت پیس رہی تھی حسنیٰ کو ڈرائیور لینے آ گیا تھا وہ چلی گئی تھی رومہ حباب کا بیگ تیار کر کے لے آئی تھی۔
''تمہیں بھگانے کی بڑی جلدی ہے۔'' وہ غصے سے گویا ہوئی۔

''ارے میں تو خیال کر کے لائی ہوں تم خود ہی کھوئی اتنا بھی نہیں کر سکتی کہ میرا ایگ بیک کر دو۔'' ارومہ اس کے غصے کی وجہ سمجھ رہی تھی کیونکہ اس کے جانے کا جو موڈ نہیں تھا۔

گھر آئی تو سب کچھ نیا نیا لگ رہا تھا مگر اپنا اپنا بھی جب سے شادی ہوئی تھی سیکہ اپنا گھر لگتا ہی نہیں تھا ان دو بول کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ سب کچھ پرایا لگنے لگتا ہے۔

بیڈ روم کی حالت ضمران نے خاصی بگاڑی ہوئی تھی حالانکہ وہ عام دنوں میں ایسا کرتا نہیں تھا کیا امی نے بھی بیڈ روم کا جائزہ نہیں لیا۔

''تم اپنے ذہن میں کوئی غلط فہمی نہیں لانا امی روز کمرا ٹھیک کرتی تھیں میں ہی بگاڑ دیتا تھا غصے میں کیونکہ مجھے تمہاری عادت ہو گئی ہے۔'' اس نے مخمور لہجے میں کہتے ہوئے حباب کا بازو پکڑ کے خود پر گرا لیا۔

''کیا وحشت ہے۔'' وہ چیخی۔

''یار تھوڑا تو خیال کرو غصہ کسی اور وقت کے لئے رکھ لو مجھے تمہارے پیار کی ضرورت ہے۔'' وہ بہت تھکا تھکا ہو رہا تھا۔

حباب نے خود کو اس کے حصار سے نکالا اور سیدھی ہو گئی۔

''کمرا پورا اصطبل ہو رہا ہے۔''

''کیا کروں پھر تم نے مجھے تھوڑا ہی سمجھا ہوا ہے جو گھاس نہیں ڈالتی ہو پتہ نہیں میرا قصور کیا ہے۔'' وہ جھنجلا کے گویا ہوا۔

''مجھے پہلے کمرا صاف کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے کرتی رہو۔'' وہ تکیہ اٹھا کے کمرے سے نکل گیا' حباب نے لب بھینچ کے اسے جاتے ہوئے دیکھا وہ روز بروز چڑچڑی ہو رہی تھی اور اس کا شکار ضمران ہو رہا تھا۔

☆......☆

''آنٹی آپ بھی اشعر کی شادی کر ہی دیں کب تک اکیلی رہیں گی۔'' ڈنر سے فارغ ہو کے وہ لوگ ڈائننگ روم میں آ گئے تھے۔

''میں باز آیا شادی سے بعد میں پھر آنے والی مجھے بھی لے گئی تو کیا ہو گا جیسے اصغر بھائی چلے گئے۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کے منع کیا خوشنما نے غور سے اس کی بات سنی۔

''یہ مانتا ہی نہیں ہے۔'' مسز ارشد گویا ہوئیں۔

''یار اشعر ضروری نہیں ہے ہر لڑکی ایسی ہو۔'' ہیثم نے اسے سمجھایا۔

''نیلو بھابھی بھی ایسی نہیں تھیں انہیں بس یہ اختلاف تھا انہیں غلط فہمی تھی ڈیڈی کا سارا بزنس میرے نام ہے۔ پھر خود ہی ان کا حصہ دے کر الگ کر دیا کیونکہ یہ ڈیڈی کی وصیت تھی۔'' اشعر نے بتایا۔

''خوشنما بیٹا آپ کے جاننے والوں میں کوئی اچھی لڑکی ہو تو بتانا۔''

''اچھی لڑکی۔'' اشعر کے ذہن میں رمنا آ گئی جانے کیوں وہ اسے دو ملاقاتوں میں اچھی لگنے لگی تھی مگر وہ اپنی خواہش اور پسند کا اظہار کر کے غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیا پتہ وہ بھی نیلو بھابھی کی طرح نکلی تو کیا ہو گا۔''

''آنٹی لڑکی تو ہے پر اشعر مانے بھی تو۔'' ہیثم کے ذہن میں جو ہم آ گئی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نزہت مامی کی جلن اور حسد ایسے ہی ختم ہو۔

''بس یار رہنے دے۔''

''انسان کو خود پر جب تک بھروسہ نہیں ہو کوئی بھی اسے الگ نہیں کرسکتا آپ خود میں حوصلہ رکھیے کیسے کوئی لڑکی آپ کو یہاں سے لے جائے گی۔'' خوشنما نے اچانک ہی اتنی گہری بات کی وہ تینوں ہی حیرانگی سے ہنسنے لگے۔

''بات بالکل ٹھیک کہی ہے خوشنما نے۔'' مسز ارشد نے تائیدی سر ہلایا۔

''آپ کی بھابھی ایسے کیسے لے گئیں آپ کے بھائی کو پھر مضبوط ارادے نہیں ہوں گے۔''

''ہوں بھابھی آپ نے یہ بات ٹھیک کہی بھائی جان بھی کچھ کچے کانوں کے ہو گئے تھے جوان کی بیوی کہتی تھیں وہی کرتے تھے۔''

''اگر آپ ایسے نہیں ہیں تو آپ کی بیوی آپ کو ہلا نہیں سکتی۔'' وہ بولی۔

''لو جی اب تو ٹھیک ہے لڑکی دیکھی جائے۔'' ہیثم نے ہنس کر پوچھا۔

''ہاں اگر کوئی نظر میں ہے تو بتاؤ۔''

''ابھی نظر میں تو ہے بات کرلوں پھر آپ کو بتاؤں گا۔'' ہیثم نے قدرے توقف کے بعد سوچ کے جواب دیا۔

''کاش رمنا کی شادی اشعر سے ہو جائے۔'' خوشنما کے دل میں خیال آیا مگر وہ رمنا کو جانتی تھی امیر لوگوں سے وہ بہت خائف تھی جب سے اس کی اور ہیثم کی شادی ہوئی تھی۔

''تمہیں مجھے کنوارہ دیکھ کر کھلتا ہے جلن ہو رہی ہے۔'' اشعر نے مکہ تان کے کہا۔

ہلکی پھلکی گفتگو ہوتی رہی گیارہ بجے ان دونوں کی واپسی ہوئی تھی سوسما کو ہیثم کی ہمراہی میں چلنا بہت اچھا لگ رہا تھا مگر وہ اپنے جذبے کسی پر عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''تمہارا جوہم کے بارے میں کیا خیال ہے۔'' چینج کر کے بستر پر آکر لیٹا۔

''کیا......'' وہ ڈریسنگ کے آگے کھڑی تھی اور کلینزنگ سے اپنا میک اپ اُتار رہی تھی'

''جوہم اچھی لگے گی اشعر کے ساتھ۔''

''آپ بہتر سمجھتے ہیں میں کیا کہہ سکتی ہوں اور امیروں کی لڑکیاں امیروں میں جائیں تو اچھا ہے۔ کیونکہ برابر والوں میں رشتے کرنا ٹھیک رہتا ہے۔'' اس کے کانوں میں نزہت کی بات گونج رہی تھی۔

''ضروری نہیں ہے۔'' ہیثم لاجواب ہو گیا تھا۔

''ضروری ہے کیونکہ آپ کا اور میرا کوئی جوڑ نہیں ہے شادی تو آپ کو اپنے جیسے لوگوں میں کرنی چاہیے تھی۔'' وہ بہت زیادہ تلخ اور زہر میں بجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

ہیثم جز بز ہو کے لب بھینچ کے رہ گیا وہ جلدی جلدی کلینزنگ کر کے واش روم میں چلی گئی۔

''یہ تو دن بادن زہر بنتی جا رہی ہے اس کا موڈ آخر کیسے ٹھیک ہوگا۔''

''لائٹ آف کر رہی ہوں مجھے نیند آ رہی ہے۔'' وہ تکیہ اُٹھا کے اپنے بستر پر نیچے رکھ چکی تھی۔

''خوشنما تم میرے ساتھ ایسی باتیں کیوں کرتی ہو۔''

''میں تو ایسے ہی کروں گی نہیں برداشت تو چھوڑ دیں اور کرلیں کسی الٹرا ماڈرن لڑکی سے۔'' وہ چادر تان کر لیٹ چکی تھی۔

ہیثم نے اس وقت بھی تحمل مزاجی کا ہی مظاہرہ کیا تھا اسے پتہ تھا وہ اس سے گن گن کے بدلے لے رہی ہے۔

''تم کتنا دور ہو جاؤ مگر خود آؤ گی میرے پاس۔'' ہیثم نے زور سے ہانک لگائی جو خوشنما نے سُن لیا تھا۔

''اور کیا بات ہوئی اس سے؟'' شہریار اتنا فکر مند اور سنجیدہ ہو رہا تھا۔

☆......☆

''اس نے اتنا ہی بتایا ہے ضمران کی دادی اسے بچے نہ ہونے کا طعنہ دے رہی ہیں۔'' حسنیٰ کو شہریار سے ایسی بات کرنے پر حیاء آ رہی تھی۔

''تم نے اور نہیں پوچھا اس کے اور ضمران کے درمیان کیسے تعلقات ہیں۔''

''جی ٹھیک ہی ہیں میں اور کیا گہرائی سے پوچھتی۔'' وہ چڑنے لگی تھی شہریار کی ایسی باز پرس پر۔

''ویسے تو بہت زبان چلتی ہے فضول کاموں میں۔'' وہ حسنیٰ کو سنانے میں ذرا لحاظ نہیں کرتا تھا

''دیکھیے آپ میرے شوق پر کوئی طنز نہیں کر سکتے۔'' وہ سمجھ گئی تھی شہریار کا اشارہ کس طرف ہے۔

''کیوں تم آرٹس کونسل ابھی تک جا رہی ہو۔''

''آپ بات کیا کر رہے ہوتے ہیں اور دوسری طرف نکال لیتے ہیں۔'' وہ چڑ گئی۔

''تمہارا دماغ تو میں ٹھیک کروں گا۔ بہت سر پر چڑھ گئی ہو۔''

''اونہہ......'' وہ ہنکارنے لگی۔

''سنو ساری بات کا پتہ لگاؤ آخر ضمران کے ساتھ اس کی کیسی نبھ رہی ہے۔''

''ضمران آپ کا دوست ہے خود پوچھ لیں۔'' تپ کے جواب دیا۔

''اچھا نہیں لگتا بھانجی کا شوہر داماد ہوا کچھ لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔''

''ہاں اپنوں کے ساتھ لحاظ کریں یہ رعایت میرے ساتھ نہیں ہوگی۔'' وہ بہت جل اور کلس رہی تھی۔

''بکواس نہیں کرو۔'' وہ چیخا۔

''آپ مجھ سے کبھی بھی ٹھیک لہجے میں بات کیوں نہیں کرتے ہیں۔'' وہ کچھ افسردہ ہو گئی۔

''جب موقع آئے گا تب بات کروں گا۔'' وہ ذومعنی ہو گیا۔

''مطلب...... وہ کچھ سمجھی نہیں۔

''مطلب تو میں سمجھایا نہیں کرتا عمل کر کے بتاتا ہوں۔'' وہ ہنسا۔

''چند دن ہیں عیش کر لو پھر تمہیں اندازہ ہوگا تم کس کے چنگل میں آئی ہو۔'' شہریار کو اپنی پچھلی تضحیک کب بھولتی تھی اس نے تو کہہ کر اس کا رشتہ ریجیکٹ کیا تھا وہ کینیڈا سے آیا تو نسرین کو لالچ ہو گیا وہ اپنی ماں اور نسرین کی لالچ کو خوب سمجھتا تھا۔

''ایک کام کہا تھا وہ بھی ڈھنگ سے نہیں کیا۔''

''خود کر لیں مجھے کیوں تنگ کیا اتنی گہری نیند سو رہی تھی اُٹھا دیا۔'' وہ اپنی نیند خراب ہونے پر پہلے ہی غصہ تھی رات کے دو بجے شہریار نے کال کر لی تھی آج ہی وہ آف کرنا بھول گئی تھی۔

''میں ہی کروں گا کیونکہ تم ہو ہی نکمی۔''

''جتنا دل چاہے میری بے عزتی کریں مگر یاد رکھیے یہ آپ کو مہنگی پڑے گی۔'' وہ بھی بھنا گئی۔

''اچھا دیکھتے ہیں حسنیٰ بیگم۔'' وہ تمسخر ہی اُڑانے لگا۔

''ایک بات یاد رکھنا آئندہ آنے والی زندگی میں مجھ سے توقع نہیں رکھنا میں تمہارا خیال کروں گا۔''

''آئندہ کیا آپ اب کونسا رکھتے ہیں۔'' وہ ترکی بہ ترکی بولی۔

شہریار شاید اسے زچ کر کے دلی تسکین حاصل کرتا تھا' حسنیٰ کو شہریار سے چڑ ہونے لگی تھی ایک تو گھر کے کاموں کی وجہ سے اسے آرام کا موقع نہیں ملتا تھا رات شہریار کی کالز۔

''اچھا مجھے سونے دیں۔''

''اوکے۔'' یہ کہہ کر شہریار نے کال کاٹ دی'

''پتہ نہیں بعد میں میرے ساتھ کیا کریں گے۔'' اس کی نیند اُڑ گئی تھی اس کا بھی دل چاہتا تھا کہ شہریار اس سے پیار بھری باتیں کرے مگر وہ تو ہر وقت چراغ پا ہی رہتا تھا حسین بیگم کو بھی وہ جانتی تھی کیسی ہیں سکھ سے وہ اسے بھی نہیں رہنے دیں گی۔

''کاش میری شادی اس شخص سے نہیں ہوتی۔'' وہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ اگر شادی نہیں ہوتی تو مما کبھی اس کی شادی کرنے کا نام نہیں لیتیں ابھی بھی وہ کونسا خوش تھیں۔

دوبارہ کال آ گئی وہ روہانسی ہو کے رہ گئی۔

''آخر آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں''

''تم اتنی حسین نہیں ہو۔'' وہ بولا

''خیر حسین تو ہوں گوری چٹی ہوں۔'' وہ کچھ اترا کے بولی۔

''مگر گوری چٹی کے ساتھ ساتھ چوڑی بھی تو ہو خاندان بھر میں تم سے کوئی کرتا کب شادی میرا احسان مانو جو تم سے شادی کر رہا ہوں۔'' اس نے حسنیٰ کی خوش فہمی نکالی۔

اور وہ کلس کے رہ گئی

''آپ انتہا سے زیادہ بے حس ہیں''۔

''بالکل ٹھیک کہا بے حس ہی تو ہوں جو تم سے شادی کر رہا ہوں۔'' اس نے ذو معنی لہجے میں گہری بات کی۔

''اچھا سُنو حباب سے رابطے میں رہا کرو جو بھی بات ہوا کرے مجھے بتایا کرو۔''

''اچھا جو حکم۔'' وہ بدمزہ تو پہلے ہی ہو گئی تھی'

''گڈ۔'' وہ ہنسا۔

''یہ بتاؤ تم کچھ کم بھی ہوئیں یا اسی طرح بوری کی طرح ہو۔''

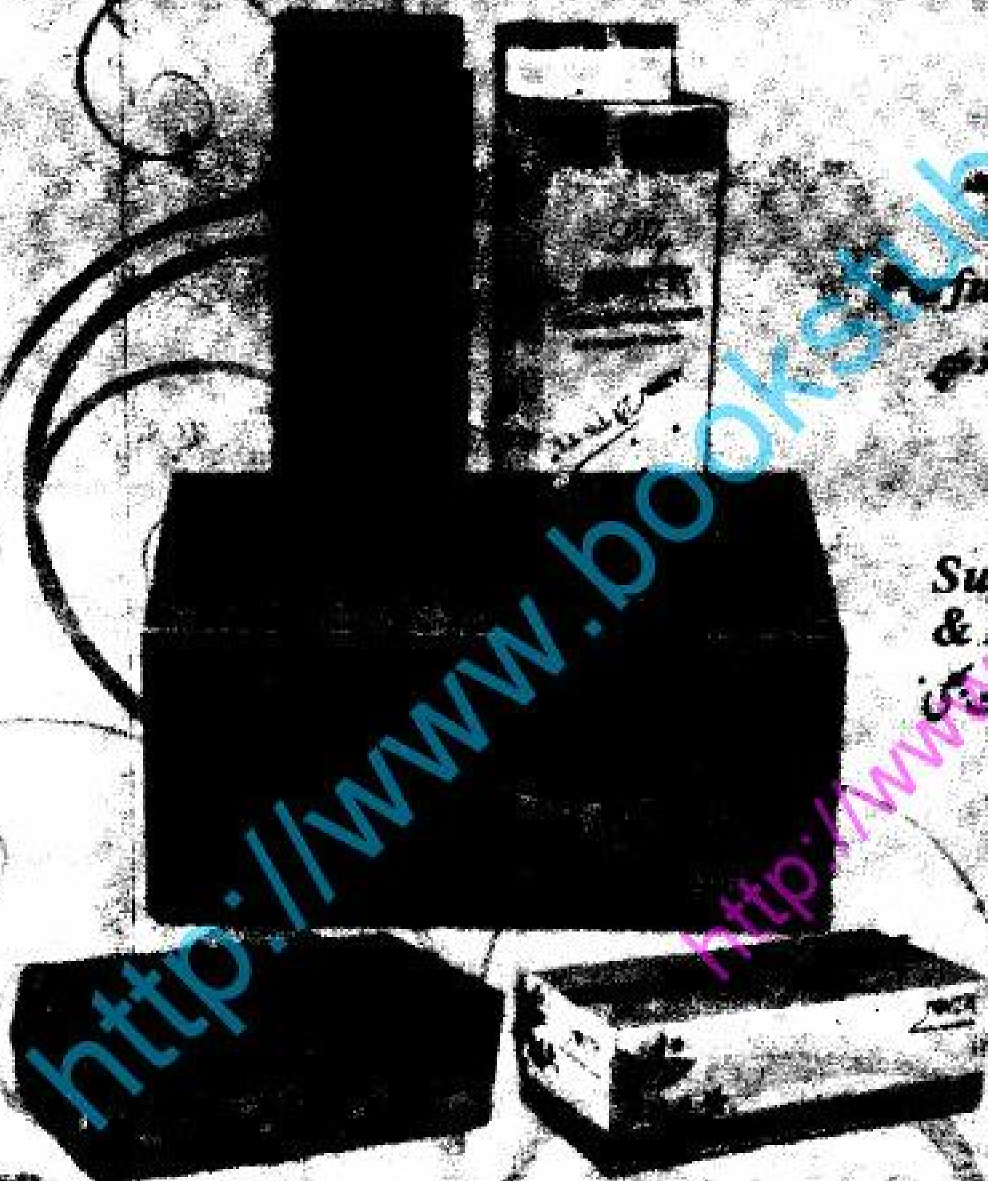
''شٹ اپ۔'' سلگ کے رہ گئی۔

''آخر یہ انسان کیوں ایسی باتیں کرتا ہے اتنی تو دبلی ہو گئی ہوں کیوں اسے یقین نہیں آتا۔'' وہ مغموم سی ہو گئی۔

''کونسا دن ہو گا جب تم مجھ سے پیار محبت کی باتیں کرو گے ضمران کیسے حباب کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا' مجھے تو رشک آ رہا تھا۔'' وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''کاش شہریار آپ کو میرا احساس ہو جائے میری اتنی بھی تضحیک نہیں کریں۔'' وہ بیڈ سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئی تھی اور شہریار کو ہی سوچے جا رہی تھی شادی میں صرف دو ماہ تھے اسے ایسا لگ رہا تھا دن پر لگا کر اُڑ رہے ہوں ادھر نسرین فراج کی بھی ساتھ ساتھ شادی کی تیاری کر رہی تھیں حسنیٰ کی تو حالت خراب تھی کیونکہ گھر کے کاموں کی ذمہ داری بھی بڑھ گئی تھی پر رات کو چیزوں کی پیکنگ بھی کرنی پڑتی تھی۔

(جاری ہے)



طاہرہ حسن

مکمل ناول

(دوسرا حصہ)

تمہیں مجھ سے محبت ہے

اس کے جانے کے بعد اس نے علیشاء کو دیکھا وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھی' شاید وہ عدنان ہی تھا 'اس نے اپنے کیبن میں بلایا علیشاء نے ایمرجنسی میں عدی کو بائے کہا اور اسفند کے کیبن میں چلی آئی۔



''جی سر!''

''علیشاہ آپ کو اس آفس کو جوائن کیے ایک مہینے سے اوپر ہو گیا ہے تو کیوں ناں آج آپ کی پروگریس چیک کی جائے۔''

علیشاہ اس قدر چونکی تھی جیسے کوئی انوکھی بات سن لی ہو۔

''جی ہاں آفٹر آل مجھے بھی تو پتہ ہونا چاہیے کہ کون سب سے گڈ ورک کر رہا ہے اس سے آپ کی پروموشن کرنے میں آسانی رہتی ہے جایئے اور جا کر ساری فائلیں لے کر آیئے۔'' تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد علیشاہ واپس آئی۔

''مس علیشاہ کیا میں نے آپ کو پروجیکٹ تیار کر کے لانے کو کہا تھا' جو آپ اتنی دیر بعد واپس آئی ہیں۔''



''سر وہ فائلز......''

''رہنے دیں ایکسکیوز بعد میں دیجیے گا اور دکھائیں مجھے یہ فائلز۔''علیشاہ نے ہاتھ میں پکڑی تمام فائلز اس کی ٹیبل پر رکھ دیں اسفند کافی دلچسپی سے فائل کے ایک ایک پیج کو پڑھنے لگا'علیشاہ بار بار گھڑی پر نگاہ ڈال رہی تھی اسفند پندرہ منٹ لگا کر ایک فائل پڑھ رہا تھا علیشاہ بے زاری سے ادھر اُدھر ڈولنے لگی کھڑے کھڑے وہ تھک گئی تھی اسفند نے جب یہ نوٹ کیا تو اسے بیٹھنے کو کہا تو وہ فوراً بیٹھ گئی آخر چار بج گئے اور پھر پانچ بھی علیشاہ غصے سے اسفند کو دیکھنے لگی' اچانک اس کا سیل رنگ ہوا فون عدی کا ہی تھا اس لیے فوراً ریسیو کرتی ہوئی سائڈ پر چلی آئی ہے۔

''کمال کرتی ہو علیشاہ! میں کب سے کھڑا ہوا تمہارا انتظار کر رہا ہوں' اور تم ہو کہ تمہارا کوئی اتا پتہ ہی نہیں۔''

''آئی ایم سوری عدی! وہ کچھ ضروری کام آ گیا تھا اس لیے فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔''

''لیکن علیشاہ!''

''پلیز عدی! ہم بعد میں بات کرتے ہیں۔''اسفند نے جب عدی کا نام سُنا تو نظریں اُٹھا کر اسے دیکھا جو عدنان سے باتیں کرنے میں مگن تھی اور پھر سوری کہہ کر فون بند کر دیا جیسے ہی مُڑی اسفند نے اس کے مُڑنے سے پہلے ہی فائل میں ایسا گم ہو یا دکھائی دیا جیسے اس نے ان کی باتیں سنی ہی نہ ہو'علیشاہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پا رہی تھی علیشاہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ نجانے اب عدنان کیسا ری ایکٹ کرے گا آفس ٹائم اوور ہوتے ہی باہر آئی دیکھا تو عدنان موجود نہیں تھا کچھ دیر میں اسفند بھی چلا آیا۔

''کیا ہوا علیشاہ آپ ابھی تک کھڑی ہیں۔''اسفند نے جب اتنی دیر علیشاہ کو کھڑے دیکھا تو پوچھ بیٹھا۔

''سر وہ میں اپنے کزن کا ویٹ کر رہی ہوں۔''علیشاہ نے سرسری سی نگاہ ڈال کر جواب دیا۔

''وہ ابھی آتے ہی ہوں گے۔''اسفند اسے یوں اکیلا چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا جبھی بولا۔

''دیکھیں علیشاہ ابھی کچھ دیر میں آفس بند ہو جائے گا آپ کب تک اس طرح کھڑی رہیں گی میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔''اسفند یہ کہہ کر گاڑی کی طرف بڑھ گیا اور گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر علیشاہ کا منتظر رہا اسفند نے ہارن دے کر اس کی محویت کو توڑا تو وہ چلتی ہوئی گاڑی کے قریب آ گئی۔

''سر میں خود چلی جاؤں گی۔''

''مس علیشاہ! اگر انہیں آنا ہوتا تو اب تک آ چکے ہوتے پھر بھی اگر تمہیں انتظار کرنا ہے تو ایز یو وش۔''اسفند نے روڈ لہجے میں کہا تو وہ آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''او کے چلیں۔''علیشاہ کو لگا اب زیادہ عدی کا انتظار کرنا بیکار ہے اس لیے گاڑی میں آ بیٹھی۔

اسفند گاڑی اسٹارٹ کر کے نکلنے ہی والا تھا عدنان کی گاڑی گیٹ سے ٹرن ہوتی دکھائی دی اس سے پہلے کہ علیشاہ کی نظریں اس پر پڑتیں اس نے جلدی سے گاڑی دوسرے گیٹ کی طرف موڑی۔

''سر آپ گاڑی اس گیٹ سے کیوں نکال رہے ہیں مین سے کیوں نہیں؟''علیشاہ نے جب دیکھا تو پوچھ بیٹھی۔

''وہ یہاں سے کلوز تھا تو میں نے سوچا یہیں سے نکال لوں کیوں کوئی پرابلم ہے؟''

''نو سرائس اوکے۔'' اسفند نارمل انداز میں بات چھپا گیا تو علیشاہ مزید کچھ نہ بولی عدنان گاڑی سے اُتر کر علیشاہ کو ادھر اُدھر ڈھونڈنے لگا۔
''سر آپ کسی کو ڈھونڈ رہے ہیں؟'' واچ مین اس کو دیکھ کر اس کے پاس چلا آیا۔
''جی ہاں وہ یہاں مس علیشاہ ہوں گی؟''
''جی سب تو چلے گئے۔''
''لیکن علیشاہ میڈم تو ہوں گی آپ ذرا دیکھیں۔''
''ارے صاحب میں کہہ تو رہا ہوں اب یہاں کوئی نہیں ہے سوائے میرے ہاں ایک لڑکی تھی جو یہاں کھڑی تھی لیکن وہ بھی ہمارے صاحب کے ساتھ چلی گئی۔''
''آپ کے سر کے ساتھ؟''
''کیا وہ مس علیشاہ تھیں۔''
''صاحب نام تو مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے سوچ کر جواب دیا' یہ سُن کر عدی کے چہرے کے رنگ ہی بدل گئے اور غصے سے گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔
''علیشاہ آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کو کونسی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟'' اسفند نے دوسری بار اپنا سوال دہرایا تھا علیشاہ جو خاموش بیٹھی تھی اس کے چہرے پر نظر ڈال کر خاموش ہو گئی کیونکہ اس کے چہرے پر ایسا کچھ نہیں تھا جسے وہ پڑھ سکے اس لیے تھوڑے توقف کے بعد بولی۔
''ماں کے ہاتھ کا کھانا۔'' اسفند کو شاید اس جواب کی توقع نہیں تھی اس لیے کافی حیرت سے اسے تکنے لگا۔
''جی سر کیا آپ کو اپنی مما کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں۔'' اچانک ایک جھٹکے سے گاڑی رُک گئی۔
''کیا ہوا سر؟ میں نے کچھ غلط کہا۔''
''نہیں بالکل بھی نہیں وہ مجھے میری مما یاد آ گئیں۔'' اسفند کے پیچھے درد نمایاں تھا۔
''کیوں کیا آپ کی مما آپ کے ساتھ نہیں۔'' علیشاہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔
''میری مما کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔'' اسفند اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو چھپانے کی ناکام کوشش کرنے لگا' گاڑی میں ایکدم خاموشی چھا گئی۔
''ڈیڈ ہیں لیکن مما کے بارے میں کچھ زیادہ ہی پوزیسو ہوں۔'' اسفند نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کر دی اسفی اس وقت اسے سب سے منفرد لگا کیونکہ وہ اپنی ماں اپنی جنت کو یاد کر کے آنسو بہا رہا تھا' پھر وہ اسے اس کے گھر ڈراپ کر کے اپنے گھر پہنچ گیا علیشاہ چاہ کر بھی اسے دلاسہ نہ دے سکی۔
''اوہ گاڈ یہ مجھے کیا ہو گیا تھا کیوں میں اپنے جذبات پہ قابو نہ رکھ پایا۔'' وہ اپنے کمرے میں بیٹھا اپنی حرکت پر غصہ ہو رہا تھا' اسفند دُرانی نے آج تک اپنا دُکھ کسی سے شیئر نہیں کیا تھا' مگر وہ اس لڑکی کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کر آیا ہے' کیوں اسے یہ دکھا آیا ہے اسفند درانی اندر سے کتنا ٹوٹا ہوا اور بکھرا انسان ہے کیوں؟ غصے میں آ کر کمرے کی ہر چیز بکھیرنے لگا۔
''علیشاہ آج تمہارے ساتھ کون تھا؟'' علیشاہ کھانا کھا رہی تھی تو مما نے پوچھا۔
''وہ مما میرے باس تھے۔''

’’تو تم نے انہیں اندر کیوں نہیں بلایا۔‘‘ آپی جو ساتھ ہی چیئر پر بیٹھی تھیں پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے بولیں۔

’’نہیں وہ اندر نہیں آنے والے تھے۔‘‘

’’کیوں بھئی۔‘‘

’’وہ ان کی طبعیت ٹھیک نہیں تھی۔‘‘ نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

’’تم نے تو عدنان کو فون تو کر لیا ہوگا۔‘‘

’’فون وہ مجھے یاد نہیں رہا۔‘‘

’’تم نے اُسے فون بھی نہیں کیا حد ہوتی ہے علیشاہ لاپروائی کی بھی۔‘‘

’’کیا ہوا اب کر دیتی ہوں‘‘۔ علیشاہ اُٹھ کر موبائل لے آئی تو آپی نے منع کر دیا۔

’’ارے بیٹا کر لو اور یہ بھی پوچھ لینا کہ وہ تمہیں لینے کیوں نہیں آیا۔‘‘ مما کے کہنے پر علیشاء نے عدنان کا نمبر ملایا لیکن آف جا رہا تھا پھر اس نے گھر کے نمبر پر فون کیا فون عدنان نے ہی اُٹھایا۔

’’ہیلو!‘‘ علیشاہ نے صرف اتنا ہی کہا تھا وہاں سے لائن کاٹ دی گئی اس نے دوبارہ ٹرائی کیا۔

’’مجھے عدنان سے بات کرنی ہے۔‘‘

’’لیکن مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔‘‘ عدنان نے روڈ لہجے میں کہا اور فون پٹخ دیا۔

’’یہ عدنان کو کیا ہوا؟ ایک تو مجھے لینے نہیں آیا اور اب اس طرح بی ہیو کر رہا ہے۔‘‘

’’کیا ہوا علیشاہ کیا کہا اس نے؟‘‘ علیشاہ جو ابھی تک موبائل تھامے سوچوں میں گم تھی آپی کے پکارنے پر متوجہ ہوئی۔

’’پتہ نہیں آپی کیا ہوا اسے۔‘‘

’’کچھ تو ہوا ہوگا یاد کرو۔‘‘

’’نہیں آپی ایسی کوئی بات نہیں ہوئی جس سے اس کا موڈ آف ہو جائے۔‘‘ وہ سوچنے لگی اچانک ہی اسے یاد آیا تو کہنے لگی۔

’’اوہاں یاد آیا عدی نے مجھے آج ڈنر پر چلنے کو کہا تھا مگر کام کی وجہ سے جلدی نہیں نکل پائی۔‘‘

’’شاید وہ اسی وجہ سے ناراض ہو تم سے۔‘‘

’’تو اب میں کیا کروں؟‘‘

’’ارے میں کیا بتاؤں تم نے ناراض کیا ہے تم ہی مناؤ۔‘‘

’’مگر کیسے؟‘‘ آپی اُٹھ کر جانے لگیں تو ان کا ہاتھ تھام کر بولی۔

’’مائی ڈیئر اب یہ تم خود سوچو میں چلتی ہوں۔‘‘ آپی زین کو اُٹھا کر کمرے سے گئیں تو علیشاہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی کافی سوچنے کے بعد اس نے عدنان کو میسج کیا اس کے بعد خود بھی کافی ریلیکس فیل کر رہی تھی پھر بستر پر آ کر لیٹ گئی۔

☆......☆

’’اوکے مسٹر رضا! اب واپسی کی تیاری بھی کر لیجیے۔‘‘ بریک فاسٹ کرتے ہوئے تانیہ نے کہا۔

’’ارادے تو نیک ہیں آپ کے ویل مجھے کوئی اعتراض بھی نہیں۔‘‘ رضا کے لہجے میں شوخی نمایاں تھی۔

''جسٹ شٹ اپ' میرا ہرگز وہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ اس کی بات پر چڑ کر بولی۔ تانیہ بھی اب کچھ حد تک اس کے مزاج سے واقف ہو چکی تھی اور اب تو ان میں بہت انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی اس لیے تو ساتھ بیٹھ کر بریک فاسٹ کر رہے تھے۔

''مس تانیہ یہ اسفند سر شروع سے ہی ایسے ہیں آپ کیا انہیں بچپن سے ہی جانتی ہیں' کزن ہیں پھر تو آپ جانتی ہی ہوں گی ان کی نیچر کو۔''

''رضا تم مجھے ڈائریکٹ تانیہ کہہ سکتے ہو رہی بات اسفند کی تو وہ بالکل ایسا نہیں ہے میں نے تمہیں بتایا تو ہے آنٹی کے بارے میں بس اس حادثے کے بعد وہ تو جیسے ہنسنا بھول ہی گیا ہے' وہ اپنی مما سے بہت اٹیچ تھا اپنا زیادہ تر وقت انہی کے ساتھ گزارتا تھا' جب سے انکل آنٹی کی کار ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوئی تب سے اسفند نے خود کو سب سے الگ کر لیا ہے' انکل نے بہت کوشش کی اس کو اس صدمے سے باہر نکالنے کی اسے بزنس میں انوالو کیا تاکہ وہ کام میں بزی رہے اور اس حادثے کو بھول جائے اور ایسا ہی ہوا اس میں کافی چینج آیا۔''

''اگر ایسا ہے تو آپ سر کی شادی کیوں نہیں کر دیتے۔''

''شادی اسفند تو شادی کے نام سے ہی چڑ جاتا ہے' انکل کتنی بار کوشش کر چکے ہیں مگر اسفی ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹال جاتا ہے۔''

''آپ کیوں نہیں سر سے شادی کر لیتیں؟''

''واٹ'' کافی کا مگ ٹیبل پر رکھ کر وہ بولی۔

''میرا اور اسفند کا میچ امپوسیبل ہے ہم دونوں کی سوچ میں بہت ڈیفرنس ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسفند جیسے خاموش طبعیت پرسن کے ساتھ لائف گزارنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے بلکہ یوں سمجھو ایک چیلنج ہے۔'' رضا حقیقتاً تانیہ کے اندر کی فیلنگز جاننا چاہتا تھا کہ وہ اسفند کے بارے میں کیا سوچتی ہے تانیہ نے جب اسے اپنی سوچ کے بارے میں آگاہ کیا تو وہ ریلیکس ہو گیا۔

''ویسے اگر اسفی نے مجھے شادی کے لیے پرپوز کیا تو میں شاید انکار نہ کر پاؤں۔'' رضا کو ایسا لگا جیسے پل میں کسی نے اس کے سپنوں کا محل توڑ دیا۔

''کیا ہوا تم کیوں اس طرح چونک گئے؟''

''کچھ نہیں بس میں جانے کی تیاری کرتا ہوں۔''

☆......☆

علیشاہ بار بار کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی' آپی نے جب اسے بیقرار دیکھا تو پوچھ ہی لیا۔

''کیا بات ہے کسے دیکھ رہی ہو؟''

''عدی کو اور کسے دیکھیں ساڑھے آٹھ بج رہے ہیں اور وہ ابھی تک نہیں آئے''

''علیشاہ! کیا تم نے اسے منا لیا؟''

''ہاں میسج کیا تو تھا۔''

''اس نے ریپلائے کیا؟''

''نہیں۔'' وہ بے دلی سے بولی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے وہ مان گیا ہوگا؟''
''آپی اب اتنی بڑی بات بھی نہیں ہوئی تھی جو وہ نہ مانتا۔''
''اگر ایسا ہے تو اب تک آ چکا ہوتا۔''
''آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟''
''ابھی تمہیں دیر ہو رہی ہے تم جاؤ۔''

☆......☆

آج آفس میں میٹنگ تھی۔ اسفند نے انیتا کے کیبن میں کال کی مگر کوئی رسپونس نہ ملنے پر ندا کو اندر بلایا۔

''انیتا کہاں ہے اسے بلایئے اور وہ فون کیوں نہیں اُٹھا رہی؟'' اسفند نے ایک ساتھ اتنے سوال کر دیئے کہ وہ جھکتے ہوئے بولی۔

''سر وہ آج انیتا آفس نہیں آئیں۔''

''واٹ؟'' اسفند کرسی سے ایسے اچھلا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو یکدم وہ گھبرا گئی۔

''ہاؤ کین شی ڈو دز؟'' اسفند نے چلا کر کہا باہر سب نے ہی اس کی گرج دار آواز سُنی تھی سب فوراً اپنے اپنے کام میں لگ گئے ندا بھی اس کی آواز پر سہم گئی۔

''جایئے اسے کال کیجیے اور جلد سے جلد آفس آنے کا کہیے۔'' انیتا نے فون کیا تو پتہ چلا کہ وہ بیمار ہے اور آفس نہیں آسکتی اس نے کہا وہ اس کی جگہ کسی اور کو ڈیوٹی دے دیں ندا نے جب اسفند کو یہ بتایا تو وہ مزید ہائی پر ہو گیا۔

''یہاں کسی کو اپنی ذمے داری کا احساس نہیں' جبکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ میٹنگ کتنی امپورٹنٹ ہے۔''

''سر وہ واقعی بیمار ہے۔'' ندا نے اس کی سائڈ لینی چاہی تو وہ مزید بھڑک گیا۔

''لیکن اب یہ میٹنگ تو گئی ناں۔'' اسفند لاچارگی سے بولا۔

''مے آئی کم ان سر؟'' علیشاء نے دروازے پر نوک کیا۔

''سر یہ فائل انیتا نے آپ کو دینے کو کہا تھا۔''

''اوکے رکھ دیجیے۔'' اسفی نے بنا نظریں اٹھائے لاپروائی سے کہا۔ علیشاء نے فائل ٹیبل پر رکھی اور جانے کے لیے مڑی تھی تبھی اسفند نے کہا۔

''واٹ انیتا نے دی تھی۔'' اسفند نے چونک کر جلدی سے فائل اٹھائی علیشاء بھی جاتے جاتے رُک گئی اسفند فائل کھول کر سارے پیپر زالٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

''تھینک گاڈ فائل کمپلیٹ ہے۔'' اسفند کے چہرے پر یکدم طمانیت چھا گئی یہ دیکھ کر علیشاء جانے کے لیے مڑی تھی کہ اسفند نے اسے روک لیا۔

''جسٹ آ منٹ مس علیشاء!''

''یہ فائل آپ اچھی طرح سے اسٹڈی کر لیں میٹنگ میں آپ اسے پریزینٹ کریں گی۔'' علیشاء نے اتنی حیرت سے اسے دیکھا کہ اسفند اسے دیکھے بنا نہ رہ سکا اس کے چہرے کی رنگت یکدم بدل گئی۔

''دیکھیں علیشاء زیادہ مشکل کام نہیں صرف کانفیڈنس کی ضرورت ہے اینڈ آئی ایم شور آپ یہ کر سکتی ہیں۔'' علیشاء ابھی تک اسی سچویشن میں تھی۔

''کیا ہوا علیشاء آپ اتنی نروس کیوں ہو رہی ہیں پلیز بی کانفیڈنٹ۔''

''آئی ایم سوری سر مجھ سے یہ نہیں ہوگا۔'' علیشاء کے چہرے پر گھبراہٹ واضح تھی۔

''سر مجھے اس کا ایکسپیرینس نہیں آئی ایم سوری میں نہیں کر پاؤں گی۔''

''بس یہی پرابلم ہے تم جیسی لڑکیوں کی خود پر بالکل بھروسہ نہیں رکھتی اور اسی وجہ سے آپ آگے نہیں بڑھ پاتیں وہی سیکنڈ کی سیکنڈ رہ جاتی ہیں جسٹ گیٹ آؤٹ۔'' اس کی بات پر وہ تپ گیا علیشاء کیبن سے باہر چلی آئی ذرا دیر بعد اسے ندا نے آ کر انفارم کیا۔

''مسٹر ہمدانی کا فون آیا تھا وہ لوگ میٹنگ کے لیے آ رہے ہیں۔''

''تم جانتی ہو پریزینٹیشن کے لیے کوئی بھی نہیں ہے تو پھر تم نے انکار کیوں نہیں کیا۔''

''سر میں وہ منع کرنے ہی والی تھی علیشاء نے مجھے روک دیا۔''

''علیشاء نے؟''

''جی سر!''

''لیکن کیوں؟''

''سر وہ پریزینٹیشن کے لیے تیار ہیں۔''

''او کے آپ میٹنگ کی تیاری کریں میں آتا ہوں۔'' مسٹر ہمدانی کے ہمراہ ان کے دو اسسٹنٹ بھی تھے۔

انٹروڈکشن کے بعد اب سب کی نظریں علیشاء پر مرکوز تھیں' اسفند نے اسے پریزینٹیشن شروع کرنے کو کہا علیشاء نروس ہوتے ہوئے اپنی جگہ سے اُٹھی اس نے ہلکے گلابی رنگ کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا بڑا سا دوپٹہ شولڈر پر لٹک رہا تھا اسے درست کرتے آگے بڑھی ایک نظر اسفی کے چہرے پر ڈالی جو پُر اُمید نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا' علیشاء نے دل ہی دل میں دعا مانگ کے پریزینٹیشن شروع کی' شروع میں کافی نروس ہو رہی تھی لیکن جیسے جیسے آگے بولتی جا رہی تھی اس کی آواز کے ساتھ ساتھ باڈی لینگویج میں بھی کانفیڈنس آنے لگا' اسفند کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ کچھ دیر پہلے والی علیشاء ہے جو یہاں آنے سے بھی گھبرا رہی تھی' اچانک ہی تالیوں کی آوازیں گونجنے لگیں تالیوں کی آواز پر اسفند اپنے خیال سے باہر آیا' پریزینٹیشن ختم ہو چکی تھی اور تالیاں اس بات کی گواہی دے رہی تھیں کہ پریزینٹیشن کامیاب رہی' مسٹر ہمدانی نے پُرجوش انداز میں کھڑے ہو کر اسفند سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''مسٹر اسفند! آپ نے کہا تھا کہ یہ فرسٹ ٹائم پریزینٹ کر رہی ہیں لیکن ہمیں ایک پل کے لیے بھی ایسا نہیں لگا شی از ویری ٹیلینٹڈ آئی ایم امپریس۔''

''تھینک یو سر۔'' اسفند کے کچھ کہنے سے پہلے ہی علیشاء اپنی تعریف سُن کر خوش ہوتے ہوئے بولی' یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ اس وقت اسفند سے بات کر رہے ہیں اسفند نے نظریں اُٹھا کر اس کی جانب دیکھا اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا اسفند دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ واپس ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''سر میں یہ سمجھوں کہ میٹنگ اِز سکسیس فُل۔''

''لیس آف کورس ہمیں بہت خوشی ہے ہم یہ کنٹریکٹ آپ کے ساتھ کر رہے ہیں۔'' اسفند یہ کنٹریکٹ پا کر بہت خوش ہوا تھا علیشاء فائل اُٹھا کر باہر کی جانب بڑھی۔

''گڈ جاب۔'' اسفند اس کے پاس آ کر کہا۔

''تھینک یو سر!'' علیشاء نے مسکراتے ہوئے کہا' اسفند اس پر سرسری نگاہ ڈال کر باہر چلا گیا۔

شام کو جب گھر واپس لوٹی تو اس کی پہلی نگاہ عدنان پر پڑی پہلے تو یقین نہیں ہوا کہ یہ عدنان ہی ہے عدنان جو اس کی آمد پر اسے دیکھنے میں مصروف تھا' تو وہ اسے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سلام کر کے اندر چلی آئی' آپی زین کو کھلا رہی تھیں۔

''یہ عدنان کب آیا؟''

''وہ کب سے آیا بیٹھا ہے تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔''

''علیشاء مجھے تم سے بات کرنی ہے یہ بتاؤ کہ بھلا کوئی اتنی دیر تک ناراض رہتا ہے کیا؟''

''میں کہاں عدی ہی مجھ سے ناراض تھے۔''

''دیکھو علیشاء! ابھی تم لوگوں کا رشتہ اس نازک موڑ پر ہے جہاں کوئی چھوٹی سی غلط فہمی اس رشتے کو توڑ سکتی ہے۔''

''آپی ایسا کچھ نہیں ہے جیسا آپ سوچ رہی ہیں۔''

''جانتی ہوں میں لیکن تمہیں آئندہ کے لیے وارن کر رہی ہوں' آئی ہوپ تم سمجھ رہی ہو میں تمہیں کیا کہنا چاہتی ہوں۔'' آپی نے کہا۔

''ڈونٹ وری آپی میں خیال رکھوں گی۔''

''اچھا اب جاؤ اور جا کر تیار ہو جاؤ وہ تمہیں لے جانے آیا ہے۔''

''تم ان کی فکر نہ کرو میں نے مما سے بات کر لی ہے چلو شاباش اٹھو اور تیار ہو جاؤ۔''

''آپی مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا میں نہیں جانا چاہتی اس کے ساتھ۔'' علیشاء دوٹوک لہجے میں بولی۔

''منگیتر ہے وہ تمہارا اس کے ساتھ نہیں جاؤ گی تو کس کے ساتھ جاؤ گی۔''

''کچھ بھی ہو میں نہیں جانا چاہتی۔'' علیشاء ضد پر آ گئی۔

''اب اگر وہ ناراض ہو گیا تو خود ہی منانا میں کوئی ہیلپ نہیں کروں گی۔''

''مطلب آپ نے اسے......'' تحریم کے انکشاف پر اسے حیرت ہوئی۔

''کافی ناراض تھا کہہ رہا تھا تم دو منٹ اس کا انتظار نہیں کر سکتی تھیں۔''

''کیا دو منٹ میں نے بیس پچیس منٹ اس کا انتظار کیا تھا۔''

''جانتی ہوں میں میں نے اسے یہی کہا' پھر کہنے لگا اسے اپنے باس کے ساتھ جانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''کیا عدنان نے ایسا کہا؟''

''ہاں میں تمہیں یہ بتانا نہیں چاہتی تھی مگر میری جان یہی وقت ہے ایک دوسرے کو سمجھنے کا ایک دوسرے کو جاننے کا اگر اسے یہ بات بُری لگی ہے تو ہو سکتا ہے اسے تمہارا کام کرنا بھی اچھا نہ لگتا ہو۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اس نے مجھ سے کہا تھا کہ یہی کام رہ گیا ہے کرنے کو تب میں اس کا مطلب

نہیں کبھی تھی اگر اسے میرا کام کرنا پسند نہیں تو پہلے کہہ دیتا۔''
''اگر وہ کہہ دیتا تو تم جاب چھوڑ دیتیں؟''
''شاید ہاں لیکن اب نہیں آپی! آپ جانتی ہیں مجھے یہ عادت بہت بری لگتی ہے اگر آپ کو کسی کا کوئی کام یا عادت پسند نہیں تو آپ اسے بتا دیں یوں اندر ہی اندر رکھنے کا کیا فائدہ مجھے تو ایسا لگتا ہے اسے مجھ پر بھروسہ ہی نہیں۔''
''ارے نہیں علیشاء! ایسی کوئی بات نہیں ہے تم بھی بات کو کہاں سے کہاں لے جا رہی ہو۔'' آپی نے اسے سمجھاتے ہوئے بات کو ہی ختم کرنا چاہا لیکن شاید علیشاء کو یہ بات دل پر چبھی تھی۔
''عدنان کے رویئے کو دیکھ کر کبھی آپ کو ایسا نہیں لگتا کہ رشتے کی بنیاد بھروسے پر قائم کی جاتی ہے مگر مجھے ایسا لگتا ہے ہمارے رشتے میں ایسی چیز ہے ہی نہیں۔''
''علیشاء جذباتی مت بنو ایسا کچھ نہیں ہے۔''
''آپی رشتے میں کچھ ہو نہ ہو اعتماد کا ہونا بہت ضروری ہے ورنہ ایک ساتھ چلنا ساتھ زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا ہے میں نے صرف اتنا ہی چاہا تھا اتنی ہی تمنا کی تھی جس سے میری شادی ہو وہ مجھ پر مکمل بھروسہ کرتا ہو یہ نہیں کہ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور ہی موجود ہو اگر پیار نہ ملے تو انسان جی سکتا ہے مگر اگر بھروسہ ہی نہ ملے تو ساتھ چلنا بے کار ہے۔''
''اوہو علیشاء! اب بس بھی کرو اگر اس نے کچھ سُن لیا تو خواہ مخواہ ناراض ہو جائے گا۔''
''سُن لے مجھے پرواہ نہیں آپی آپ کی علیشاء کو کچھ ملے نہ ملے لیکن سچا بھروسے مند اور عمر بھر ساتھ نبھانے والا جیون ساتھی چاہیے جس کی سوچ اس قدر چھوٹی اور تنگ نہ ہو مجھ پر نہیں تو ہمارے رشتے پر تو اعتبار کیا ہوتا' کیا سوچ کر انہوں نے یہ بات کی اگر وہ میرے بارے میں ایسی رائے رکھتا ہے تو میں ابھی کہ ابھی اس رشتے کو توڑتی ہوں۔''
''علیشاء! ہوش میں تو ہو کیا بکواس کر رہی ہو کم از کم کہنے سے پہلے سوچ تو لو چلو ختم کرو اس بات کو''
''ٹھیک ہے لیکن میں نہیں جا رہی اس کے ساتھ کسی ڈنر وزر پر۔'' یہ کہہ کر جیسے ہی مڑی تو پیچھے عدنان کھڑا تھا جو ابھی اندر آیا تھا' تحریم زین کو اٹھا کر باہر چلی گئی۔
''کیا بات ہے اتنی خفا کیوں ہو ایک تو غلطی بھی خود کرتی ہو اور ناراض بھی خود ہوتی ہو۔'' اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا آنکھوں میں شکوہ چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ وہ بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا تو وہ نظریں جھکا گئی'
''میں نے آپ کا بہت انتظار کیا پورا اسٹاف جا چکا تھا' اس وقت میں نے آٹو یا ٹیکسی کرنا مناسب نہیں سمجھا' مما کافی بار فون کر چکی تھیں اس لیے میں.......''
''میں نے تم سے کوئی صفائی نہیں مانگی پھر تم کیوں؟''
''جانتی ہوں لیکن پھر بھی میں نے بتانا ضروری سمجھا۔''
''اوکے چھوڑو ان سب باتوں کو تم یہ بتاؤ ڈنر پر کیوں نہیں جا رہیں۔'' وہ اسے لیے صوفے پر بیٹھا'
''میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔'' وہ بہانہ بنا کر بولی۔
''اوکے نو پرابلم' ہم گھر پر ہی ڈنر کر لیتے ہیں' کیوں اب تو کوئی اعتراض نہیں ہے ناں۔''

''ٹھیک ہے میں چینج کر کے آتی ہوں۔''
''علیشاہ سُنو!'' وہ جانے لگی تو آواز دی وہ مُڑ کر دیکھنے لگی وہ کچھ لمحے اسے یونہی دیکھتا رہا علیشاہ کا حلیہ کافی بے ترتیب ہو چکا تھا' بال جو کچھ دیر پہلے کیچر میں تھے آزادانہ اس کے رخسار کو چھو رہے تھے' تھکن کے باوجود بھی چہرہ فریش لگ رہا تھا' دوپٹہ اس کے بازو پر اور آدھا زمین کو چھو رہا تھا گلابی سوٹ میں اس کی من موہنی صورت اور بھی پیاری لگ رہی تھی۔
''کیا بات ہے عدی؟'' جب اسے لگا عدی کھو سا گیا ہے تو اس کی محویت توڑتے ہوئے کہا۔
''کچھ نہیں میں چلتا ہوں کل تمہیں لینے آؤں گا۔''
''لیکن ڈنر؟''
''پھر بھی جب تمہاری طبیعت ٹھیک ہو گی۔'' وہ ایک طرح سے طنز کرتے ہوئے بولا۔
''آئی ایم اوکے آپ بیٹھیں۔''
''رہنے دو میں چلتا ہوں پھر کبھی۔'' یہ کہہ کر وہ رُکا نہیں اور تیزی سے باہر نکل گیا تحریم اس کے جاتے ہی اندر چلی آئی۔
''اب کیا ہوا کیا کہا اس نے؟''
''کچھ نہیں۔''
''اور ڈنر؟''
''وہ اس نے خود ہی کینسل کر دیا کہہ گیا کہ مجھے کل لینے آئے گا۔'' علیشاہ یہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆

گاڑی کے ہارن کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں علیشاہ جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹ کر نیچے چلی آئی دیکھا تو عدنان نہیں تھا اس بلیک کار میں کوئی اور ہی موجود تھا' اس سے پہلے کہ علیشاہ آگے بڑھ کر دیکھتی' گاڑی کا دروازہ کھلا گاڑی سے وائٹ ڈریس میں ایک شخص نکلا' غور کیا تو اسفند کا ڈرائیور تھا جو آج پھر علیشاہ کو لینے آیا تھا۔
''آپ آج پھر سے کیوں آئے ہیں؟''
''وہ سر نے مجھے بھیجا ہے انہوں نے کہا آج آپ انکار نہیں کریں گی۔''
''آئی ایم سوری آپ جائیں میں آ رہی ہوں۔''
''لیکن میڈم!''
''میں نے کہا ناں میں سر سے بات کر لوں گی۔'' وہ گاڑی لے کر چلا گیا' کچھ دیر میں عدنان بھی آ گیا' علیشاہ گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔
''سوری یار! میں لیٹ ہو گیا۔''
''اٹس اوکے۔''
علیشا نے مختصر سا جواب دیا۔
''انکل ابھی گئے ہیں کیا؟''

''نہیں تو۔''
''پھر یہ گاڑی کس کی تھی؟''
''وہ سر نے بھیجی تھی۔'' علیشا نے بلا جھجک کہا تو وہ خاموش ہو گیا۔
''ایکچوئلی کل میں آٹو میں احسن بھائی کے ساتھ آفس گئی تھی۔ شاید اس لیے سر نے ڈرائیور بھیجا ہو۔''
''اوہ ایم سوری، میری وجہ سے تمہیں......''
''اٹس اوکے۔ آپ تو جانتے ہیں گھر پر ایک ہی گاڑی ہے جو بابا آفس لے جاتے ہیں۔''
''میں بہت شرمندہ ہوں۔''
''عدی پلیز! میں نے اس لیے نہیں کہا کہ میرا ارادہ آپ کو شرمندہ کرنے کا تھا۔ میں تو بس یہ کہنا چاہتی تھی کہ بابا آفس کے لیے جلدی نکل گئے ورنہ میں ان کے ساتھ چلی جاتی۔''
علیشا نے بات کو ختم کیا۔ دونوں خاموش ہو گئے۔ پھر اچانک عدنان نے غیر متوقع طور پر یہ سوال کر کے علیشا کو پزل کیا۔
''ڈو یو لومی؟''
''آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔''
''میں بس ایک بار تمہاری زبان سے اقرار سننا چاہتا ہوں۔''
''کیا اس کی ضرورت ہے؟''
''ہاں، بہت ضرورت ہے۔''
''لیکن مجھے نہیں لگتا۔''
''اوکے لیکن کہنے میں کیا حرج ہے لو میں کہتا ہوں۔ آئی لو یو۔'' وہ اس کے قریب ہوتے ہوئے بولا۔ تو وہ مزید سمٹ گئی۔
''لگتا ہے کہ آج آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔''
''ارے بھئی بالکل ہوش وحواس میں بیٹھے ہیں۔ آپ سے ذرا اقرار کیا مانگا آپ کو ہماری دماغی حالت پر شک ہونے لگا۔''
''نہیں میرا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا۔''
''اچھا تو پھر کہہ بھی دو۔''
''دیکھیے ڈرائیونگ پر دھیان دیں کہیں الٹی سیدھی گھما دی تو چالان ہو جائے گا۔''
''مجھے اس کی پرواہ نہیں۔'' وہ شوخی سے بولا۔
''لیکن مجھے ہے، میں آفس سے لیٹ ہو جاؤں گی۔'' اس کی بات پر وہ بے اختیار ہنس دیا۔ ''کم آن علیشاء! تم تو بات کو یوں گھما رہی ہو جیسے میں نے تم سے نجانے کیا مانگ لیا ہو۔'' تو وہ سیریس ہوتے بولا۔
''عدی! یہ رنگ میں نے یوں ہی نہیں پہنی اور ویسے بھی مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔ میں چلتی ہوں۔''
''کہاں؟''
''مسٹر عدنان! ہم آفس پہنچ چکے ہیں۔''

''مگر میں تمہیں ایسے نہیں جانے دوں گا۔'' گاڑی روک کر کہا۔
''جب تک تم کہو گی نہیں میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔''
''عدنان پھر کبھی۔''
''نہیں ابھی اسی وقت۔''
''پلیز جانے دیں ناں، ورنہ ڈانٹ کھانی پڑے گی۔''
''آئی ڈونٹ کیئر۔''
''کیا؟ مجھے ڈانٹ پڑے گی تو آپ کو فکر نہیں۔''
''ارے نہیں میرا وہ مطلب نہیں تھا۔''
''بس بس اب رہنے دیں۔''
''علیشاء سنو تو۔'' علیشاء گاڑی سے اتر کے اندر کی طرف چلی آئی اور وہ آوازیں دیتا رہ گیا۔ علیشاء اپنے کیبن میں پہنچی ہی تھی کہ سیل رینگ کرنے لگا۔ ریسیو کیا تو دوسری جانب عدنان تھا۔
''دیکھو علیشاء اگر تم نے نہیں کہا ناں تو میں تم سے بات نہیں کروں گا۔''
''ہیلو آواز نہیں آرہی۔'' علیشاء نے جان چھڑانے کے لیے کال کاٹ دی۔
''او گاڈ! کیا مصیبت ہے پتہ نہیں آج انہیں کیا ہو گیا ہے۔'' موبائل ٹیبل پر رکھ کر چیئر پر بیٹھ گئی۔
''اچھا تو میری آواز سنائی نہیں دے رہی۔ کوئی بات نہیں میں بھی چھوڑنے والا نہیں۔'' عدنان آج ہر حال میں اس سے کہلوانا چاہتا تھا۔ اس لیے اسے میسج کیا۔ علیشاء نے ابھی کمپیوٹر آن کیا ہی تھا کہ میسج ٹون پر موبائل کی جانب متوجہ ہوئی۔ پڑھا تو عدی کا ہی تھا۔ وہی بات وہی سوال وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ بار بار اس کا موبائل بجنے لگا۔ علیشاء بھی اگنور کرتے جا رہی تھی۔ اسفند نے اسے اپنے کیبن میں بلایا۔ اسفند چیئر سے سر لگائے کافی پی رہا تھا اس کے آنے کے بعد بھی اسی پوزیشن میں بیٹھا رہا۔
''علیشاء مسٹر ہمدانی نے ہمیں ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے اور ہم آفس کے بعد جا رہے ہیں۔''
''جی سر!'' یہ کہ کر وہ جلدی سے باہر چلی آئی کیوں کہ اس دوران اس کا موبائل کافی بار رنگ کر چکا تھا۔ اس لیے بنا کسی انکار کے بنا کسی سوال کے ہاں کہہ کر چلی آئی تھی۔ اسفند کو بھی اس کی ہاں پر کافی حیرت ہوئی تھی۔ علیشاء نے جب کام ختم کر کے ریسٹ کے لیے سر چیئر سے لگایا ہی تھا کہ اسفند کی باتوں کا خیال آیا تو فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔
''او گاڈ! میں نے تو گھر پہ بتایا ہی نہیں اور سر سے ہاں بھی کر دیا۔'' چھ بجنے ہی والے تھے۔ اس نے جلدی سے تحریم کو فون کیا اور اجازت لے لی۔
''ٹھیک ہے دس بجے تک آجانا۔'' یہ بوجھ کچھ کم ہوا تو عدی کی ٹینشن ہونے لگی۔
''او...... میں نے عدی سے کہا ہی نہیں کہ میں سر کے ساتھ ڈنر پر جا رہی ہوں۔ کیا کروں؟ بتا دیتی ہوں یہ ناں ہو کہ کہیں پھر سے ناراض نہ ہو جائے۔'' موبائل اٹھایا تو دیکھا عدنان کے اتنے سارے میسجز تھے۔
''میں نے تو ایک بھی نہیں پڑھا اگر پوچھیں گے تو کیا جواب دوں گی۔'' سارے میسج میں ایک ہی بات موجود تھی۔ اس نے فون ملایا۔ پہلے کہا کے آج وہ ڈنر پر جا رہی ہے میٹنگ کے سلسلے میں اس لیے وہ اسے لینے مت آئے۔ یہ سن کر اس کا موڈ آف ہو گیا لیکن ظاہر نہیں کیا۔

''ویسے آپ کے سارے میسج اچھے تھے۔ آئی ریئلی لائیک۔''

''میں نے لائیک کرنے کے لیے نہیں جواب مانگنے کے لیے کیے تھے۔'' عدنان نے خفا ہوتے ہوئے کہا۔

''ویسے میں نے جواب دینے کے لیے ہی فون کیا تھا'' اچانک ہی عدنان کی آواز میں کھنک پیدا ہوئی۔

''او کے تو کہونا۔''

''آئی......''

''علیشاہ! جلدی کریں سات بجے ہمیں وہاں پہنچنا ہے۔'' اچانک اسفند کی آمد پر اس کی بولتی بند ہوگئی اور موبائل ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

''کیا ہوا علیشاہ! آر یو او کے؟'' علیشاہ کے اس طرح سے ایکشن پر اسفند نے حیرانگی سے پوچھا۔

''جی جی سر! وہ میں مما سے نہیں آپی سے بات کر رہی تھیں۔''

''تو کیجیے میں نے کہاں منع کیا ہے۔'' وہ جانے لگا تو واپس مڑا علیشاہ کانپتے ہاتھوں سے موبائل اٹھا رہی تھی۔ اسفند مسکراتے ہوئے بولا۔

''ریلیکس علیشاہ! آپ اتنی نروس کیوں ہو رہی ہیں۔''

''سر وہ میں!''

''آپ بات کیجیے میں گاڑی میں آپ کا ویٹ کر رہا ہوں۔ بات کرنے کے بعد آجایئے گا۔'' وہ چلا گیا تو اس نے موبائل دیکھا وہ گرنے کی وجہ سے آف ہو چکا تھا۔ اس لیے اس نے دوبارہ نہیں ملایا۔ تمام چیزیں سمیٹ کر باہر چلی آئی گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔

''سر! باقی سب کہاں ہیں؟''

''کس کی بات کر رہی ہیں آپ؟''

''سر! اسٹاف ممبرز، ان کے ساتھ ہی جا رہے ہیں ناں۔''

''اسٹاف ممبرز؟'' علیشاہ کو لگا وہ اسٹاف ممبرز کے ساتھ جا رہے ہیں۔

''سر آپ کیا سوچنے لگے؟''

''وہ سب آپ کو وہیں ملیں گے۔'' جس اسفند کو جھوٹ سے نفرت تھی آج نجانے کیوں جھوٹ بول گیا۔ علیشاہ یہ سن کر مطمئن ہوگئی۔ ان کی گاڑی شاندار ریسٹورنٹ پر آکر رکی۔ اسفند نے گاڑی سے اتر کر چابی واچ مین کو دی اور علیشاہ کے ہمراہ اندر چلا آیا۔ اندر آتے ہی علیشاہ نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن اسے آفس کا کوئی بھی پرسن نظر نہیں آیا۔

''سر! سب کہاں ہیں؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ پائی۔

''دیکھیں مس علیشاہ! انہوں نے صرف ہمیں ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے نہ کہ پورے اسٹاف کو۔'' اسفند جانتا تھا کہ وہ یہاں آکر واپس نہیں جائے گی اس لیے پر اطمینان لہجے میں بول کر آگے بڑھ گیا۔ علیشاہ کو یہ سن کر کافی غصہ آیا۔ اسفند نے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا چہرے پر خفگی نمایاں تھی۔ مسٹر ہمدانی نے ان کا بھرپور استقبال کیا۔ مسٹر ہمدانی نے شیمپین کھولنے کے لیے اسفند سے کہا۔ اسفند اپنی چیئر سے اٹھ کر کھڑا

ہو گیا تو باقی سب بھی کھڑے ہو گئے تو مجبوراً علیشاء کو بھی کھڑا ہونا پڑا۔ اسفند نے بوتل ہاتھ میں لے کر بھرپور جوش کے ساتھ ایک ہی جھٹکے میں بوتل کھول دی جیسے بچپن سے اس کا ایکسپرئینس ہو۔ اسفند نے سب کو صرف کیا اور بے دھیانی میں علیشاء کے گلاس میں بھی ڈال گیا۔ علیشاء نے گھبرا کر اسے دیکھا کم از کم وہ اس سے اس بات کی توقع نہیں رکھتی تھی۔ اسفند بالکل اس سے غافل تھا۔

''ارے آپ نے ابھی تک گلاس نہیں اٹھایا۔'' مسٹر ہمدانی کی نظر پڑی تو کہا۔ علیشاء جو خاموش بیٹھی تھی یکدم گھبرا گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ انہیں منع کیسے کرے۔ اسفند بھی کافی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جانتا تھا اسے یہ سب پسند نہیں نجانے کیوں وہ اس کے منہ سے انکار سننا چاہتا تھا۔ آخر علیشاء ہمت کر کے بولی۔

''آئی ڈونٹ لائیک ڈرنک۔''

''او ایم سوری۔ آپ سوفٹ ڈرنک تو لیں گی ناں۔''

''جی۔'' انہوں نے ویٹر سے کہہ کر علیشاء کے لیے سوفٹ ڈرنک منگوائی۔ اسفند کو اس کا یہ کانفیڈنس بہت اچھا لگا۔ علیشاء کے موبائل پر رنگ ہوئی سب کی نظریں اس پر لگی تھیں۔ تو ایکسکیوز کرتی ہوئی اٹھ کر سائیڈ پر چلی آئی۔

''علیشاء! مجھے لگا کہ تم ڈرنک لے لو گی۔ بٹ تھینک گاڈ، میرا شک غلط ثابت ہوا۔

''عدی! آپ یہاں؟'' وہ حیران سی ہو کر بولی۔

''ہاں میں ہی ہوں بالکل تمہارے سامنے۔'' علیشاء نے یہاں وہاں نظریں گھمائیں تو وہ سامنے ٹیبل پر نظر آیا۔

''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

''کیا کروں تم مجھے اکیلا چھوڑ کر چلی آئیں۔ اس لیے میں بھی چلا آیا۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''عدی! ایک بات پوچھوں؟ کیا آپ کو لگا کہ میں ڈرنک لے لوں گی؟''

''ہاں۔'' بنا ڈرے کے بول گیا تو وہ خاموش ہو گئی۔

''کیا ہوا چپ کیوں ہو گئیں؟''

''کچھ نہیں۔ میں بعد میں بات کرتی ہوں۔''

موبائل آف کر کے پژمردہ چہرے کے ساتھ وہ واپس آ کر بیٹھ گئی۔ اسفند نے اس کا رویہ نوٹ کیا۔ ڈنر کے بعد ریسٹورنٹ سے جب وہ نکلے۔ علیشاء بالکل خاموش تھی۔ اسفند نے گاڑی میں بیٹھ کر فرنٹ ڈور کھول دیا۔ اس سے پہلے علیشاء اندر آ کر بیٹھتی سامنے سے آتی ہوئی کاران کی گاڑی کے بالکل سامنے آ کر رکی اور اس سے باہر نکلنے والا شخص کوئی اور نہیں عدنان تھا۔ وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا علیشاء کے پاس آیا۔

''چلو علیشاء!''

''تھینکس فور یور ڈنر سر!'' اسفند کی جانب دیکھ کر سر کے لفظ پر کافی زور دے کر بولی۔

''چلیں عدی!'' گاڑی کا دروازہ بند کر کے عدنان کے ساتھ چل دی۔ علیشاء کے بی ہیو کو دیکھ کر اسے یہ احساس ہوا کہ اسے یہ سب اچھا نہیں لگا۔ عدنان کی گاڑی تیزی سے اسفند کی گاڑی کے آگے سے

گزری۔ اسفند علیشاہ کو جو کہنا چاہتا تھا وہ کہہ نہیں پایا۔ دوسرے دن صبح عدنان علیشاہ کو لینے آیا۔

''اوہو! یہ عدنان کو آج کیا ہو گیا ہے۔ ہارن پہ ہاتھ رکھ کر بھول گئے ہیں۔'' علیشاہ جلدی سے چیزیں سمیٹ کر چلی آئی۔

''تم......'' علیشاہ اسے دیکھ کر چونک گئی۔

''جی ہاں، آپ کا خادم پھر سے حاضر ہے۔''

''میں بھی کہوں کہ آج عدی کو کیا ہو گیا ہے۔ بھول گئی تھی کہ تم بھی ابھی اس دنیا میں موجود ہے۔'' آگے بڑھ کر اس کی پھیلی بانہوں کو نیچے کرتے ہوئے بولی۔

''کیا یار ملو گی نہیں تم؟''

''آج صبح ہی۔''

''کیا آج آئے اور آفس بھی چل پڑے۔''

''ہاں یار گھر پر دل کہاں لگنا تھا۔''

''کیوں بھئی، کہاں دل چھوڑ آئے ہو۔''

''علیشاہ! تمہیں یاد ہو گا میں نے جانے سے پہلے تم سے کیا کہا تھا؟''

''کیا؟''

''یار! تم اتنی جلدی بھول گئیں۔ حد ہے کمال کی یادداشت ہے تمہاری۔''

''ارے ہاں یاد آیا تانیہ والی بات۔''

''شکر ہے میڈم یاد آ گیا۔''

''اچھا بتاؤ کیا بنا تمہاری دال گلی یا نہیں؟''

''بتاتا ہوں پہلے آ کر بیٹھو تو سہی۔ یہ نہ ہو کہ آفس سے لیٹ ہو جائیں۔''

''اوکے چلو ارے یار عدنان نہیں آئے ابھی تک۔''

''کیوں تمہاری بات ہوئی ہے کیا۔''

''ہاں اور میں نے ہی اسے منع کیا ہے۔ وہ جناب تو تیار کھڑے تھے آنے کے لیے۔ میں نے کہا اگر تم اسی طرح روز روز جاؤ گے تو تمہاری امیج کم ہو جائے گی۔ لہٰذا خود پر کنٹرول رکھے۔''

''رضا! تم ایک نمبر کے بدتمیز انسان ہو۔'' رضا تمام راستے اپنی اور تانیہ کی باتیں سناتا رہا۔

☆......☆

''ارے تانیہ! تم آج ہی آئی ہو اور آج ہی آفس چلی آئی ہو۔ تھوڑا ریسٹ کر لیتیں۔''

''اسفی! ریسٹ کر کے ہی آئی ہوں اور ویسے بھی تم سے ملنا بھی تو تھا۔ وہ مسکراتا ہوا اس کے پاس صوفے پر آ بیٹھا۔

''یو نو واٹ اسفی! میٹنگ میں جو پوائنٹ میں مس کر گئی تھی وہ رضا نے اس خوب صورتی کے ساتھ پیش کیے کہ میں خود حیران رہ گئی۔''

''رضا نے۔''

''ہاں، صورت سے ڈفر لگتا ہے مگر ہے نہیں۔'' تانیہ نے سنجیدگی سے کہا تو اسفند کو بے اختیار ہنسی

آ گئی۔

''سیریسلی اس نے میری بہت ہیلپ کی ہے۔ ہی از ویری ٹیلینٹڈ۔''

''اسٹرینج تانیہ احمد کسی کی تعریف کر رہی ہے۔''

''اوہو اسفی! اب بس بھی کرو میری ٹانگ کھینچنا۔ تم بتاؤ تمہاری میٹنگ کیسی رہی؟'' وہ اٹھ کر کھڑکی میں آ کھڑا ہوا اور دھیرے دھیرے سب کہہ سنایا۔ اکثر بیچ میں رک جاتا اور کبھی جلدی سے بول جاتا۔

''اسفی اس کا مطلب ہے تمہاری کامیابی کے پیچھے علیشاء ہے۔''

''ہاں کہہ سکتے ہیں۔ ایکچوئلی مجھے خود ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ اس نے اپنی پہلی میٹنگ اتنے اچھے طریقے سے ہینڈل کی ہے۔ حالانکہ وہ جانے سے بھی گھبرا رہی تھی۔''

''اوکے تو اسفند کیا خیال ہے پارٹی ہو جائے؟''

''ویسے آئیڈیا برا تو نہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ تم پارٹی دے دو۔''

''مطلب؟ تم ہمارے ساتھ نہیں ہو گے؟''

''وہ ایکچوئلی آج میں فام ہاؤس جا رہا ہوں مما سے ملنے۔''

''واٹ؟ نہیں اسفی آج نہیں پھر کبھی چلے جانا۔'' تانیہ نے اسے روکنا چاہا وہ جانتی تھی کہ وہاں جا کر وہ پھر سے پرانی یادوں میں کھو جائے گا لیکن وہ بضد تھا۔

''ٹھیک ہے تو ہم تمہارے ساتھ چلیں گے۔''

''واٹ!''

''ہاں اب اس میں اتنا حیران ہونے والی کون سی بات ہے۔''

''لیکن وہ نہیں مانے گی۔''

''کون؟''

''علیشاء۔'' وہ جلدی سے بولا تو وہ گھورنے لگی۔

''آئی مین رضا اور وہ۔''

''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ بس یہ بتاؤ کہ تمہیں کوئی پرابلم تو نہیں؟''

''نو وے۔''

''اوکے تو پھر ٹھیک ہے۔''

☆......☆

سب کے تصورات سے بھی بڑھ کر حسین تھا یہ فارم ہاؤس۔ گیٹ سے اندر آتے ہی سب سے پہلی نظر سامنے موجود اس خوب صورت اور دلکش جھیل پر گئی۔ جہاں پرندے چہک رہے تھے اور اس مصنوعی جھیل کا پانی اتنا شفاف اور نیلا تھا جو قدرتی مناظر کا عکس پیش کر رہی تھی۔ سب ہی اس جھیل کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ علیشاء اس میں اپنا عکس دیکھ کر کہیں کھو سی گئی تھی۔

''ارے بھئی یہاں صرف یہی جگہ دیکھنے لائق نہیں اور بھی بہت سی جگہیں ہیں۔'' تانیہ کی آواز پر سب اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

''ایک اور بات آپ سب وہ کمرا چھوڑ کر جہاں جانا چاہیں جا سکتے ہیں۔'' تبھی اسفند نے آ کر سب کو انفارم کیا۔ تمام فارم ہاؤس کا جائزہ لینے کے بعد اب سب پلے ایریا میں موجود تھے کرکٹ کھیلنے کے لیے۔ رضا اپنی ٹیم کا کپتان بنا تھا۔ ثانیہ اسی کی ٹیم میں تھی اور دوسری طرف علیشاء نے سب کے کہنے کے باوجود یہ ذمے داری نہیں لی تھی۔ رضا کی ٹیم نے پہلے بیٹنگ شروع کی مگر زیادہ رنز نہ بنا سکی۔ ثانیہ تو دوسری بال پر ہی آؤٹ ہو گئی۔ رضا کا شاید اس کے بغیر دل نہیں لگا وہ بھی پندرہ اسکور کر کے واپس ہو لیا۔ اب علیشاء کی ٹیم کی باری تھی جو شروع سے ہی کچھ اچھا نہیں کھیل رہی تھی۔ علیشاء نے لاسٹ پر اپنا نمبر رکھا تھا اور وہ جلد ہی آ گیا۔ اب ان کی ٹیم کو چھ بالز پر آٹھ رنز چاہیے تھے۔ علیشاء کی ساتھی ندا تھی اور باؤلر رضا۔ جیسے تیسے کر کے انہوں نے تین رنز بنا لیے۔ رضا کی آخری بال تھی اور انہیں پانچ رنز درکار تھے جو امپاسبل تھے کیوں کہ ان کے سامنے ڈرتی کانپتی علیشاء تھی۔ رضا دوبار بال پھینکنے کے لیے آیا مگر اس کی حالت دیکھ کر ہنستا ہوا وہیں رک جاتا۔ پھر سب نے اسے ڈانٹا وہ علیشاء کو اور نروس کر رہا تھا۔ فائنلی اس نے بال پھینکی۔ علیشاء نے پاور کے ساتھ بیٹ گھمایا۔ بیٹ تو اس کے ہاتھ سے چھوٹا ہی تھا مگر بال بھی کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا۔

''وہ رہا بال۔'' اچانک ندا کو جب بال نظر آئی تو کہا۔ جو اڑتا ہوا اسفند کے کمرے کی کھڑکی سے ٹکرانے ہی والا تھا سب جلدی سے سب کچھ وہیں چھوڑ کر گارڈن کی طرف بھاگے۔ اچانک زور سے شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی۔ سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اس سے پہلے کہ کوئی کمنٹس پاس کرتا۔ اسفند ہاتھ میں بال لیے ان کے پاس چلا آیا۔

''کون سپر مین کی اولاد ہے جس کو شارٹ کے لیے ایریا بھی کم پڑ گیا۔'' سب کی نظریں علیشاء پر اٹھیں تبھی ثانیہ آگے بڑھ کر بولی۔

''ایکچوئلی اسفی! علیشاء کی ٹیم وکٹری کے نزدیک تھی لاسٹ بال پر سکس چاہیے تھا۔ اس لیے علیشاء نے بال گھما دی۔''

''رئیلی؟''

''ہاں!''

''تو اس کا مطلب علیشاء کی ٹیم جیت گئی۔ کیوں مس علیشاء؟''

''جی سر۔'' وہ بمشکل اتنا ہی کہہ پائی۔ ثانیہ نے اس کے رویے کو خاص نوٹ کیا۔

''علیشاء اپنی کامیابی پر ہمیں کچھ کھلائیں گی نہیں۔'' اسفند نے مسکراہٹ بھرے لہجے میں کہا۔ تو سب کی رکی سانسیں بحال ہوئیں۔

''کیوں نہیں سر۔'' ندا فوراً آگے بڑھ کر بولی۔

''ہم آپ کو وہ کھلاتے ہیں جو علیشاء لے کر آئی ہے۔ اوکے پہلے آپ لوگ فریش ہو جائیے۔ جب کھانا لگ جائے تو میرے کمرے میں بھیج دیجیے گا۔''

''اوکے سر!'' کچھ دیر میں جب سب فریش ہو کر آئے تو انہوں نے وہیں گارڈن میں دسترخوان بچھا کر تمام ڈیشز سجا دیں جو سب الگ الگ بنا کر لائے تھے۔ جب کھانا لگا تو علیشاء کو فوراً اسفند کا خیال آیا۔

''ارے پہلے سر کو تو دے آؤ۔''

''او ہاں جلدی کرو، پہلے سر کو علیشاء کی بریانی تو ٹیسٹ کروایئے اور ہاں فروٹ سیلٹ بھی ساتھ رکھنا۔'' کھانے سے فارغ ہوئے تو سب ہی علیشاء کی لائی ہوئی بریانی کی تعریف کرنے لگے تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''بریانی میں نے نہیں مما نے بنائی تھی۔''

''واہ یار! تمہاری مما تو بہت اچھا کھانا بناتی ہیں۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ان کے ہاتھ میں جادو ہے۔''

''او گاڈ! کیا ہوا تانیہ؟''

''میں تو بھول گئی اسفند اتنا تیکھا کھاتے نہیں اور بریانی تو تیز مصالحے والی تھی۔'' علیشاء ایک دم گھبرا گئی۔

''ہاں وہ ایکچوئلی اسفند کو تیکھا بالکل سوٹ نہیں کرتا۔'' تانیہ اس کے روم کی جانب بڑھ گئی۔

''علیشاء! یہ کھیر لے جاؤ سر کے لیے۔'' تانیہ کے جانے کے بعد ندا کو سویٹ ڈش کا خیال آیا تو فوراً سے علیشاء کو تھماتے ہوئے کہا۔

''اسفی! ٹیسٹ کر کے پتہ تو چل گیا تھا کہ یہ کتنی تیکھی ہے تو پھر اتنی کھانے کی کیا ضرورت تھی۔'' تانیہ نے ٹیبل پر رکھی پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ جو آدھی سے زیادہ خالی تھی اور وہ خود سوسو کرتا ہوا کمرے کے چکر کاٹ رہا تھا۔

''اٹس او کے تانیہ!''

''واٹ او کے! حالت دیکھو اپنی پورا چہرہ سرخ ہو رہا ہے تمہارا۔ آنکھوں میں پانی ایسے تیر رہا ہے کہ اب برسا۔''

''سر! یہ کھیر کھا لیجیے۔'' علیشاء نے اندر آتے ہوئے کہا اور کھیر کی پلیٹ اس کی جانب بڑھائی تو اسفند نے فوراً پکڑ لی اور کھانے لگا۔ اسفند کی حالت دیکھ کر علیشاء کافی ندامت محسوس کر رہی تھی۔

''ایم ریئلی سوری سر!'' اسفند کی حالت کچھ بہتر ہوئی تو کہا۔

''اٹس او کے علیشاء!''

''سر! مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ آپ لائٹ کھاتے ہیں۔'' وہ شرمندہ سی ہو رہی تھی۔

''نو علیشاء!'' اس میں آپ کی کوئی غلطی نہیں۔ میں نے ہی شاید کچھ زیادہ کھا لیا۔ جب کہ مجھے نہیں کھانا چاہیے تھا۔ وہ آپ لائی تھیں تو سو اس لیے میں......'' وہ اپنے جملے کو ادھورا چھوڑ گیا۔ جب کہ تانیہ کچھ کچھ سمجھنے لگی تھی۔

''علیشاء! جلدی سے باہر آؤ۔'' رضا کے پکارنے پر وہ فوراً باہر آئی دیکھا تو سب درخت کے نیچے کھڑے نشانہ لگا کر سیب گرانے کی کوشش کر رہے تھے اور کچھ تو کامیاب بھی ہو رہے تھے۔ اسفند بھی ان کے پیچھے چلا آیا تھا مگر یہ دیکھ کر واپس چلا گیا۔ جب کہ تانیہ ان میں شامل ہو گئی۔

(باقی آئندہ ماہ)

گل مہر

ناولٹ

بے اعتبار محبت

مسز جنید بیڈروم کا دروازہ کھول کر اندر آئیں تو انہوں نے اپنی بیٹی ملائکہ کو حسب معمول روتے ہوئے دیکھا ان کا دل دکھ سے بھر گیا ان کی پھول جیسی بیٹی ایک سال میں مرجھا کر رہ گئی تھی اس کی.





صحت بے انتہا خراب ہوگئی تھی۔ انہوں نے ڈپٹنے کے انداز میں ملائکہ سے کہا۔

''کب تک ماتم کرتی رہوگی اس کا؟ جانے والا تو گیا تمہارے ماتم کرنے سے وہ واپس نہیں آجائے گا۔''

پھر ان کی نظر اس خط پر پڑی جسے پڑھ کر ملائکہ روتی رہتی تھی انہوں نے ملائکہ سے خط چھیننا چاہا تو اس نے ہاتھ پیچھے کرلیا مسز جنید نے غصے سے کہا۔

''اس خط کو پڑھ پڑھ کر تم نے اپنا حال تباہ کررہی ہو آج میں اسے نذر آتش کر کے رہوں گی۔''

ملائکہ نے روتے ہوئے انہیں ایسا کرنے سے سختی سے منع کیا اور بولی۔

''امی! مجھے اس خط سے انشال کے لمس کی خوشبو آتی ہے' میں جب تک زندہ ہوں اس خط کو پڑھتی رہوں گی' آپ کو نہیں پتہ وہ مجھے سزا دے کر گیا ہے اس خط کی شکل میں۔ اس خط کے الفاظ مجھے نشتر کی طرح اپنے دل میں چبھتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں' یہ اس کی آخری نشانی ہے' میں اس خط کو ہمیشہ سنبھال کر رکھوں گی تاکہ یہ مجھے میری ہٹ دھرمی' سنگ دلی اور بے حسی کی یاد دلاتا رہے۔''

مسز جنید نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''میں امجد صاحب کی طرف جارہی ہوں تم بھی ساتھ چلو۔''

ملائکہ نے جانے سے صاف انکار کردیا اور بولی۔

''میں اپنے آپ کو انکل امجد کا سامنا کرنے کے قابل نہیں سمجھتی۔''

مسز جنید نے کہا۔ ''جو کچھ ہوا وہ انشال کے نصیب میں لکھا تھا اس کی زندگی ہی اتنی تھی' اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔''

لیکن ملائکہ نے کہا۔ ''میں نہیں جاؤں گی۔''

اس کی والدہ نے کہا۔ ''اور میں تمہیں لے کر جاؤں گی' اس وقت گھر میں کوئی نہیں ہے' میں چلی جاؤں گی تو تم گھر میں اکیلی رہ جاؤ گی' تمہارا کیا بھروسہ پیچھے سے کچھ کر بیٹھو۔''

ملائکہ بولی۔ ''اگر آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں اپنی زندگی کا خاتمہ کرلوں گی تو یہ آپ کی بھول ہے' میں ایسا کچھ نہیں کروں گی' میں اب زندہ رہنا چاہتی ہوں اور اس زندگی کو سزا سمجھ کر گزارنا چاہتی ہوں میں اسی قابل ہوں۔''

مسز جنید نے بے بسی سے بیٹی کو دیکھا اور بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے چلی گئیں۔ ملائکہ نے دوبارہ سے انشال کا خط اٹھالیا' اس کی آنکھیں بے تحاشہ برسنے لگیں۔ ماضی کی خوشگوار اور تلخ یادیں آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگیں۔

☆......☆

یہ آج سے گیارہ سال پہلے کی بات تھی اس وقت ملائکہ کی عمر دس سال تھی' وہ اپنے والدین کے ساتھ ''کاشانہ منزل'' میں رہتی تھی ملائکہ کے والد کا نام جنید احمد تھا' وہ پی ٹی سی ایل کے محکمے میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ ان کے دو بڑے بھائی اور تھے' مجیب احمد اور منیب احمد دونوں پرائیویٹ جاب کرتے تھے' تینوں بھائیوں میں بے انتہا پیار تھا۔ یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ تینوں کو بیویاں بھی بڑی سلجھی ہوئی ملیں' تینوں بڑے پیار سے رہتی تھیں۔

''کاشانہ منزل'' وسیع رقبے پر بنا ہوا تھا' جنید احمد گراؤنڈ فلور پر رہتے تھے' ان کے بڑے بھائی مجیب احمد فرسٹ فلور پر اور ان سے چھوٹے منیب احمد سیکنڈ فلور پر رہتے تھے' تھرڈ فلور ابھی خالی تھا' ایک دن آفس سے آتے ہوئے مجیب احمد کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ان کی دونوں ٹانگیں مفلوج ہوگئیں اور وہ عمر بھر کے لیے وہیل چیئر پر آگئے۔ ان کی مجبوری کو دیکھتے ہوئے جنید احمد نے گراؤنڈ فلور خالی کردیا اور فرسٹ فلور پر شفٹ ہوگئے۔ پھر دونوں بھائیوں یعنی جنید احمد اور مجیب احمد نے طے کیا کہ

بھائی اب کام کرنے کے قابل نہیں رہے اس لیے تھرڈ فلور کو کرائے پر اٹھا دیا جائے تاکہ انہیں اور ان کی فیملی کو مالی مسئلہ نہ ہو' جنید احمد اور منیب احمد اپنے طور پر بھی بھائی کی مالی مدد کر دیا کرتے تھے۔ مجیب احمد کی دو بیٹیاں تھیں ماہین اور شاہین' جبکہ منیب احمد کے دو جڑواں بیٹے تھے عمیر اور سمیر' جنید احمد کی ایک ہی بیٹی تھی ملائکہ' گھر بھر کی لاڈلی بچپن سے بے انتہا ضدی' سرکش میں نہ مانوں والی ہٹ دھرمی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ملائکہ تھی بھی بے انتہا خوبصورت' دونوں میاں بیوی کی جان تھی اس میں۔

☆......☆

کافی چھان پھٹک کے بعد تھرڈ فلور کرائے پر دے دیا گیا اور یہاں امجد بیگ اپنی بیوی اور اکلوتے بیٹے انشال کے ساتھ رہنے لگے' دونوں میاں بیوی بہت مہذب اور سلجھے ہوئے تھے' اس لیے جلد ہی گھر والوں کے ساتھ گھل مل گئے' خاص پر ملائکہ نے انشال سے فوراً دوستی کر لی' سرخ و سفید رنگت اور نیلی آنکھوں والا انشال اسے اچھا لگا تھا۔ ورنہ اپنے تایا زاد' بہن بھائیوں کو زیادہ لفٹ نہیں کراتی تھی لیکن جب انشال کے ساتھ دوستی ہوئی تو وہ تھرڈ فلور پر جانے لگی' اب وہ انشال کے ساتھ کھانا کھاتی' کھیلتی اور ہوم ورک کرتی تھی۔ انشال کی ممی نسیم بیگم بھی ملائکہ کو بہت پیار کرتی تھیں' پھر دیکھتے ہی دیکھتے دس سال گزر گئے اور سب تعلیم مکمل کر کے فارغ ہو گئے۔ ملائکہ' ماہین اور شاہین بی اے آنرز کر کے گھر بیٹھ گئیں۔ جبکہ عمیر اور سمیر مکینیکل انجینئرنگ کی ڈگری لے کر اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو چکے تھے۔ اب رہ گیا تھا انشال' تو وہ بھی ٹیلی کمیونیکیشن انجینئر بن چکا تھا لیکن باوجود کوشش کے ابھی تک نوکری حاصل نہیں کر سکا تھا۔ ملائکہ اور انشال کی دوستی وقت کے ساتھ چاہت میں بدل چکی تھی' ان دونوں کو پتہ ہی نہ چلا کہ کب دونوں ایک دوسرے کو شدت سے چاہنے لگے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے بغیر ایک منٹ نہیں رہ پاتے تھے۔ گھر والے بھی اس بات سے اچھی طرح واقف تھے' یہی وجہ تھی جب نسیم بیگم نے اپنے بیٹے کی پسند کو دیکھتے ہوئے ملائکہ کی والدہ سے رشتے کی بات کی تو انہوں نے حامی بھر لی۔ انشال ان کا دیکھا بھالا تھا اس کا سارا بچپن ان کی آنکھوں کے سامنے گزرا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے اچھا تھا ان کے پاس انکار کا کوئی جواز ہی نہیں تھا' پھر وہ یہ بھی اچھی طرح جانتی تھیں کہ ملائکہ بھی انشال کو ٹوٹ کر چاہتی ہے۔ رشتہ قبول کرتے کے ساتھ انہوں نے کہہ دیا تھا کہ جب انشال نوکری پر لگ جائے گا شادی کی تاریخ وہ جب دیں گی' ورنہ نسیم بیگم تو انشال کے سر پر سہرا سجانے کے لیے بے تاب تھیں۔ چونکہ ملائکہ کا انشال سے رشتہ طے ہو چکا تھا' اس لیے وہ انشال سے شرمانے لگی' اس نے اوپر جانا بھی کم کر دیا تھا۔

☆......☆

اب جب بھی دونوں کا سامنا ہوتا تو انشال کی بے باک نگاہیں اس کا احاطہ کیے رہتیں۔ کتنی بار ملائکہ نے اسے ٹوکا۔

"ایسے کیوں دیکھتے ہو کیا میرے سینگ نکل آئے ہیں؟"

تو انشال فوراً جواب دیتا۔ "بی بی! تمہارے سینگ نہیں نکلے بلکہ میرے پر نکل آئے ہیں' جب سے تم سے رشتہ ہوا ہے خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کرتا ہوں۔"

جواب میں ملائکہ انشال کو چھیڑتی۔ "زیادہ اونچے نہ اڑ جانا' کبھی حوریں تمہیں بالوں سے پکڑ کر کھینچ لیں۔"

اس بات پر دونوں قہقہہ مار کر ہنستے تھے۔

انشال بے حد خوش تھا' اس وقت اسے دوہری

خوشی ملی تھی‘ ایک تو ملائکہ سے رشتہ ہو گیا تھا‘ دوسری ملائکہ کی برتھ ڈے آ رہی تھی۔ انشال اس بار اس برتھ ڈے کو شاندار طریقے سے منانا چاہتا تھا۔ اس نے ملائکہ سے کہا وہ دونوں کسی اچھے سے ہوٹل میں جا کر کیک کاٹیں گے۔

لیکن ملائکہ نے یہ کہہ کر منع کر دیا۔ ’’سالگرہ گھر پر ہی منائی جائے تاکہ سب شریک ہو سکیں۔‘‘

انشال نے اس سے پوچھا۔ ’’وہ گفٹ میں کیا لے گی؟‘‘

تو ملائکہ نے کہا۔ ’’گولڈ کی چین اور لاکٹ۔‘‘

انشال نے اس کی پسند کا گفٹ خرید کر رکھ لیا تھا۔

☆.............☆

آج ملائکہ کی برتھ ڈے تھی۔ انشال شام کو کیک اور ریفریشمنٹ کا سامان لینے چلا گیا۔ وہ سامان لے کر واپس گھر آ رہا تھا کہ ایک لڑکے نے اس کی بائیک ہاتھ دکھا کر روک لی۔

انشال نے پوچھا۔ ’’کیا مسئلہ ہے؟‘‘

تو اس نے خنجر نکال کر انشال کی گردن پر لگا دیا اور بولا۔ ’’اپنا والٹ اور موبائل میرے حوالے کر دو۔‘‘

انشال نے والٹ تو فوراً دے دیا لیکن موبائل دینے سے صاف انکار کر دیا کیونکہ اس میں ملائکہ کی بے شمار تصاویر اور ویڈیوز تھیں۔ انشال کے انکار نے اس لڑکے کو مشتعل کر دیا اور اس نے انشال کے منہ پر تھپڑ جڑ دیا‘ بس پھر کیا تھا‘ دونوں میں زبردست ہاتھا پائی ہونے لگی‘ اس لڑکے کی پوری کوشش تھی کہ وہ انشال کا قیمتی موبائل جلد از جلد ہتھیا لے لیکن وہ اپنی کوشش میں ناکام ہو رہا تھا‘ لمبا چوڑا انشال اس پر بھاری پڑ رہا تھا۔ جب انشال اس کے قابو میں نہیں آیا تو اچانک اس نے اپنا خنجر انشال کی کلائی میں اُتار دیا۔ تکلیف سے انشال کی چیخ نکل گئی اور موبائل والا ہاتھ کھل گیا‘ موبائل گرا اور وہ لڑکا موبائل لے کر رفو چکر ہو گیا۔ انشال کی شرٹ خون میں تر ہو گئی‘ بڑی مشکل سے وہ بائیک چلاتا کلینک گیا‘ وہاں بینڈیج کرائی‘ اس کی کلائی پر سات ٹانکے لگے تھے پھر وہ واپس آ گیا۔ اس کی حالت دیکھ کر سب پریشان ہو گئے۔ انشال نے انہیں سارا واقعہ سنایا سب نے افسوس کا اظہار کیا اور ساتھ ہی اس کی جان بچنے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

ملائکہ کی بے چینی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی انشال کو خون میں لت پت دیکھ کر وہ پاگل ہو گئی تھی۔ اس نے سب کے سامنے انشال کو خوب لتاڑا اور بولی۔

’’موبائل تمہاری جان سے زیادہ قیمتی تو نہیں تھا منہ پر مارتے اس کے۔‘‘

انشال بولا۔ ’’موبائل تو واقعی مجھ سے زیادہ قیمتی نہیں تھا لیکن اس میں میری جان قید تھی۔‘‘

ملائکہ اس کی بات سمجھ گئی اور بولی۔ ’’تمہاری جان موبائل میں قید تھی اور میری جان تمہارے اندر قید ہے اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میرے جسم سے جان نکل جاتی۔‘‘

پھر ملائکہ نے کیک کاٹنے سے انکار کر دیا لیکن انشال کے بے حد اصرار پر تیار ہو گئی۔ کچھ دیر بعد اس کیک کاٹا سب نے اسے وش کیا اور گفٹس دیئے‘ کچھ دیر ہلا گلا کر کے سب اپنے کمروں میں چلے گئے‘ ملائکہ کا گفٹ ابھی تک انشال کے پاس تھا‘ وہ ہمیشہ سب سے آخر میں گفٹ دیتا تھا۔ آج اس نے سوچا خاص طریقے سے ملائکہ کو وش کرے گا‘ اس نے اپنے ڈیڈی کے موبائل سے ملائکہ کو میسج کیا۔

’’میں گفٹ لے کر آ رہا ہوں کمرے سے باہر آؤ۔‘‘

ملائکہ نے reply کیا۔ ’’آ رہی ہوں۔‘‘

پھر انشال فرسٹ فلور پر جیولری بکس لے کر آ گیا وہ موجود تھی اس نے بلیک کلر کا میرون کڑھائی والا سوٹ پہن رکھا تھا اور ابھی تک میک اپ میں تھی۔

انشال نے کیک کٹتے وقت غور نہیں کیا تھا اس وقت وہ اپنی تکلیف میں لگا ہوا تھا۔ اب انشال نے اسے قریب سے دیکھا تو مبہوت ہو گیا۔ اس نے گہری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اس حسین نقش و سراپے کو اپنی نگاہوں میں جذب کیا' وہ جانتا تھا کہ وہ خاص طور پر اس کے لیے تیار ہوئی تھی۔ انشال مبہوت ہو کر اس حسن و دلکشی کے پیکر کو دیکھنے لگا' جو سیاہ سوٹ میں چاند کی مانند چمک رہی تھی۔ انشال کو لگا تاج محل زندہ ہو کر سانس لینے لگا ہو اس نے تاج محل کو سراہنے کی اجازت مانگی۔ ملائکہ اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ گئی اور گھبرا کر جانے کے لیے مڑی تو انشال نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لیا وہ اس کے سینے سے آ لگی۔ انشال بغیر اجازت حسن اور عشق کے تاج محل کو خراج تحسین پیش کرتا گیا۔ اس نے تاج محل کے خدوخال کو سراہا' جب ہونٹوں تک پہنچا تو تاج محل میں جنبش ہوئی' ملائکہ نے اسے پرے دھکیلا لیکن انشال دور ہوتے ہوئے بھی اس کے لبوں کو سراہنا نہ بھولا۔

دور ہوتے ہوئے اس کے دل نے دہائی دی کہ کاش وقت یہیں تھم جاتا۔

ملائکہ کو چند لمحے لگے اپنی سانسوں پر قابو پانے میں اس نے حیا سے سرخ ہوتے چہرے اور برہم نگاہوں سے انشال کو گھورا اور بولی۔

''شرم نہیں آتی ایسی حرکتیں کرتے ہوئے؟''

انشال نے اس کے ہاتھ میں گفٹ پکڑایا اور سالگرہ کی مبارکباد دی۔

ملائکہ گفٹ لے کر جلدی سے اپنے کمرے میں گھس گئی' اب وہ دروازے سے لگی کھڑی تھی اور انشال کی جرأت اور بے باکی پر دنگ ہو رہی تھی۔ آج سے پہلے اس نے کبھی نہیں چھوا تھا اب رشتہ ہو جانے پر اپنا حق جتایا تھا اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔ ابھی چند لمحے بھی نہیں گزرے تھے بیٹھے ہوئے موبائل کی میسج ٹون ابھری ملائکہ سمجھ گئی کہ انشال کا میسج ہے۔

انشال نے اپنے کمرے میں جا کر میسج کیا تھا۔

''وش کرنا کیسا لگا؟''

وہ سمجھی کہ انشال گفٹ کے بارے میں پوچھ رہا ہے اس نے ابھی تک گفٹ کھول کر نہیں دیکھا تھا اس لیے بس یہ ریپلائی کر دیا۔

''اچھا ہے۔''

ایک منٹ کے بعد انشال کی کال آ گئی۔ ملائکہ جھنجھلا گئی۔

''اب کیا ہے؟''

انشال نے کہا۔ ''دروازے پر آؤ میں تمہیں پھر وش کروں گا۔''

''دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا؟'' ملائکہ نے اسے جھاڑا۔

انشال بولا۔ ''بنو مت ابھی تو لکھ کر بھیجا ہے وش کرنا اچھا لگا۔''

''کیا؟'' ملائکہ حیران ہو کر بولی۔

''میں نے وش کے لیے نہیں گفٹ کے لیے کہا تھا احمق۔''

''کیا؟'' انشال نے یہ سن کر منہ [illegible] آواز نکالی۔

ملائکہ بولی۔ ''موبائل بند کرو مجھے سکون سے سونے دو۔''

انشال بولا۔ ''ایک بات لکھ کر رکھ لو' تم آج رات تو کیا آنے والی کسی رات سکون سے نہیں سو سکو گی۔''

''بکواس بند کرو۔'' ملائکہ دہاڑی۔

انشال کا بھرپور قہقہہ اسے سنائی دیا اور ساتھ ہی موبائل سے زوردار بوسے کی آواز ابھری۔ ملائکہ نے گھبرا کے موبائل منہ کے قریب سے ہٹایا۔

وہ واقعی ساری رات سو نہ سکی۔ رہ رہ کر نگاہوں کے سامنے وہ منظر گھومتا رہا۔

''انشال میری توبہ۔جو میں نے آئندہ تم سے اس طرح گفٹ وصول کیا۔''

پھر پتہ نہیں کب وہ نیند کی وادی میں کھوگئی۔

☆........☆

ملائکہ کی برتھ ڈے کے ایک ہفتے بعد انشال کو اپنے اندر بے چینی محسوس ہونے لگی' سیڑھیاں چڑھنے اُترنے میں اس کا سانس پھولنے لگا۔اس کو اپنے اندر خالی پن محسوس ہونے لگا کہ جیسے اس کے اندر دیمک لگ رہی ہے' ہڈیاں گوشت چھوڑ رہی ہیں۔وہ سوچنے لگا۔

''شاید میں تھک گیا ہوں نوکری کے حصول کے لیے دفتروں کے چکر لگاتے لگاتے اب تھکن غالب ہورہی ہے مجھ پر۔''

☆......☆

مزید ایک ہفتے بعد اسے اپنی حالت اور ابتر محسوس ہوئی لیکن اس نے پھر بھی دھیان نہ دیا' اس کی بھوک اُڑ چکی تھی جب ایک مہینہ گزرا تو اسے اپنے اندر شدید قسم کی گڑبڑ کا احساس ہوا۔اس کی ممی بھی اپنے بیٹے کی حالت نوٹ کررہی تھیں' اس ایک مہینے میں انشال کی صحت گرگئی تھی' وہ بھی یہی سمجھ رہی تھیں کہ اسے نوکری نہ ملنے کا غم کھائے جارہا ہے اور یہ فکر کھائے جارہی ہے کہ کہیں نوکری نہ ملنے کی وجہ سے اس کی شادی زیادہ عرصے کے لیے ٹل نہ جائے۔

اپنی تیزی سے گرتی صحت کے پیش نظر انشال نے ڈاکٹر سے چیک اپ کرانے کا فیصلہ کیا۔

وہ ہاسپٹل پہنچ گیا اور وہاں ڈاکٹر سے اپنا چیک اپ کرایا۔

ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد کہا۔''ابھی میں صحیح طرح سے کچھ نہیں کہہ سکتا' یہ ٹیسٹ لکھ کر دے رہا ہوں آپ کل کرا کے لائیے۔''

دوسرے دن انشال رپورٹ لے کر ڈاکٹر کے پاس پہنچ گیا۔

انشال کی HIV رپورٹ Positive آئی تھی۔ ڈاکٹر نے انشال سے کہا۔''مسٹر انشال! آپ پڑھے لکھے سمجھدار معلوم ہوتے ہیں اس لیے جو بتا رہا ہوں وہ دھیان سے سنیے' آپ ایڈز کا شکار ہوچکے ہیں' اپنے اندر جو آپ تبدیلی محسوس کررہے ہیں وہ اسی وجہ سے محسوس ہورہی ہے۔''

پہلے تو انشال کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ڈاکٹر نے کیا کہا لیکن جب ڈاکٹر نے دوبارہ دہرایا تو اس کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

وہ ایڈز کا مطلب سمجھتا تھا''یعنی موت'' اسے لگا کہ اس کے پیروں کے نیچے سے زمین کھسک رہی ہے اور چھت گرنے والی ہے' اس نے لڑکھڑاتی زبان سے کہا۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے ڈاکٹر صاحب؟''

ڈاکٹر بولا۔''یہ آپ جانتے ہوں گے کہ یہ کیسے ہوگیا؟ بہرحال یہ واضح کردوں کہ یہ لاعلاج مرض ہے۔ بس آپ آرام کیجیے اور خوراک کا خیال رکھیے۔

انشال گھسیٹتے قدموں سے گھر واپس آیا اور کمرہ بند کر کے لیٹ گیا۔اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا' وہ حیرت زدہ تھا اسے ایڈز کیسے ہوگیا؟

ساتھ ہی یہ سوچ کر اس کی جان نکلنے لگی کہ وہ اپنے والدین اور ملائکہ کو یہ جان لیوا خبر کیسے سنائے گا؟ لیکن اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

دروازے پر دستک ہونے لگی تو اس نے اُٹھ کر دروازہ کھولا اس کی ممی تھیں' انہوں نے اس سے پوچھا۔

''بیٹے دروازہ کیوں بند کر رکھا تھا؟'' انشال انہیں خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا' پھر ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اس کی ممی گھبرا گئیں' وہ سمجھیں انشال کا ملائکہ سے جھگڑا ہوگیا

ہے لیکن جب انشال نے ان کے سینے سے لگ کر انہیں رپورٹ کے بارے میں بتایا تو وہ سکتے میں آ گئیں۔ انہوں نے فوراً کہا۔

''اللہ نہ کرے بیٹا! ہوسکتا ہے رپورٹ بدل گئی ہو، تم دوبارہ ٹیسٹ کراؤ۔''

☆......☆

انشال کے دل میں موہوم سی اُمید جاگی لیکن اپنی گرتی ہوئی حالت اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجارہی تھی اسے لگا ڈاکٹر نے جو کہا وہ واقعی سچ ہے پھر بھی اس نے سارے ٹیسٹ دوبارہ کرائے مگر رزلٹ وہی نکلا' انشال اور اس کے والدین ٹوٹ کر رہ گئے۔ دونوں اسے لپٹا کر پھوٹ پھوٹ کر روئے' ان کا ایک ہی بیٹا تھا وہ اسے ٹوٹ کر چاہتے تھے۔

اب مسئلہ یہ تھا کہ اسے کیسے بتایا جائے؟ وہ بھی انشال کی تیزی سے گرتی ہوئی صحت کی وجہ سے بہت پریشان تھی' ایک مہینے میں وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا تھا۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے وہ بھی یہی سمجھ رہی تھی کہ اب رشتہ ہوگیا ہے تو انشال نوکری نہ ملنے کی ٹینشن میں مبتلا ہوگیا ہے' اس لیے اس کی صحت تباہ ہورہی ہے پھر انشال نے ہمت کرکے ملائکہ کو بلا لیا اپنے بیڈ روم میں سی گرین کاٹن کے سوٹ میں ملبوس وہ ہمیشہ کی طرح لشکارے مار رہی تھی۔ انشال کافی دیر اس کے چہرے کو تکتا رہا' آخر ملائکہ نے اسے ٹوکا کہ اس نے اسے کوئی ضروری بات کرنے کے لیے بلایا تھا۔ جواب میں انشال نے آنسو اندر پیتے ہوئے اسے اپنے اندر ہونے والی تبدیلی' اپنی گرتی ہوئی صحت اور رپورٹ سب کے بارے میں بتادیا۔

ملائکہ سمجھی انشال مذاق کررہا ہے۔ انشال نے کہا۔

''وہ سیریس ہے۔''

ملائکہ تب بھی ڈانواڈول ہورہی تھی کہ وہ اس بات پر یقین کرے نہ کرے۔

اس نے انشال سے کہا۔ ''اگر یہ مذاق ہے تو انتہائی بھونڈا مذاق ہے اور اگر حقیقت ہے تو انتہائی تلخ اور سنگین۔''

انشال بولا۔ ''ملائکہ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ سب کیسے ہوگیا؟''

ملائکہ نے تڑخ کر کہا۔ ''اتنے سیدھے تو نہیں ہو تم جتنا پوز کررہے ہو''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' انشال اس کے تلخ لہجے پر چونکا تھا۔

''مطلب؟''

پھر ملائکہ پھٹ پڑی یہ سوچے سمجھے بغیر کے وہ کیا بول رہی ہے اور کسے بول رہی ہے۔

اس نے یہ سوچے بغیر کے انشال کے دل پر اس وقت کیا گزر رہی ہے' کھری کھری سناتے ہوئے کہا۔

''تم اتنے نیچ اور گھٹیا نکلو گے میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔''

اس کی بات سُن کر انشال کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا وہ بولا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''مطلب یہ ہے کہ تم یقیناً باہر منہ مارتے رہے ہو اور یہ ایڈز کسی لڑکی کی قربت کے نتیجے میں ہوا ہے۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی اپنی بے شرمی کی داستان مجھے سنانے کی مجھے افسوس ہورہا ہے میں نے اتنے ماہ و سال تم جیسے بدکردار شخص سے محبت کرکے ضائع کردیئے۔''

انشال نے ملائکہ کو ہمدرد مسیحا سمجھ کر بلایا تھا لیکن اس نے اصل حقیقت جاننے کے بجائے انشال پر رکیک بے بنیاد الزامات کی بارش کردی' اس کے کردار کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔

انشال چلا اُٹھا۔ ''خبردار تم نے مجھ پر اتنا گھٹیا الزام لگایا تمہیں شرم آنی چاہیے۔''

''شرم تو تمہیں آنی چاہیے جو اتنی ڈھٹائی سے میری آنکھوں میں گھس رہے ہو۔''

''چلو اب یہ بھی بتا دو کہ کس حسینہ کی قربت سے یہ گفٹ حاصل کیا؟''

انشال نے جواب دیا۔ ''میری زندگی میں تمہارے علاوہ کوئی نہیں ہے یقین کرلو۔''

لیکن ملائکہ نے اسے بُری طرح جھڑک دیا۔

''شٹ اپ آئندہ اپنی گندی زبان پر میرا نام نہیں لانا میرا اب تم سے کوئی واسطہ تعلق نہیں۔''

ملائکہ نے برسوں کا تعلق لمحوں میں توڑ دیا اس وقت اس کی وہی نہ مانوں والی فطرت عود آئی تھی۔

پھر انشال اسے روکتا رہ گیا لیکن وہ اسے دھتکار کر چلی گئی۔ اس نے اس پر بس نہیں کیا' بلکہ اپنے والدین' اپنے تایا اور کزنز کے سامنے بھی انشال کی بیماری کا ڈھنڈورا پیٹ دیا۔ یہ سُن کر سب حیران ہوئے' ان سب کی تان بھی اس بات پر ٹوٹی کہ انشال درپردہ بے راہ روی کا شکار ہو چکا ہے اس لیے اسے یہ مرض لگ گیا ہے۔

☆......☆

دوسری صبح جب انشال اپنی ممی کے ساتھ نیچے آیا تو ملائکہ کے سوا سب ڈرائنگ روم میں موجود تھے اور سب کی ملامتی اور نفرت بھری نگاہیں انشال پر تھیں۔

جنید احمد نے انشال کی ممی کو دیکھ کر کہا۔

''اچھا ہوا آپ آگئیں! مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے ان کی شادی تو اب ناممکن ہے آپ برائے مہربانی ہمارا گھر جلد از جلد خالی کر دیجیے۔ آپ کے بیٹے کی وجہ سے ہمارے گھر کا ماحول خراب ہو جائے گا۔''

مسز جنید ان کی بات سُن کر چیخیں۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''وہی جو تم سُن رہی ہو۔'' انہوں نے جواب دیا۔

اب انشال کی ممی نے بولنا شروع کیا۔

''بھائی صاحب میں جانتی ہوں کہ اب یہ شادی ممکن نہیں اور ہم آپ کا گھر بھی خالی کر دیں گے لیکن میں کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دوں گی کہ وہ میرے بیٹے پر اتنے رکیک الزامات لگائے' اس پر نفرت بھری نگاہیں ڈالے' میں جانتی ہوں میرا بیٹا نیک شریف پارسا ہے۔''

ان کی بات سُن کر جنید صاحب بولے۔ ''آپ ماں ہیں نا اس لیے بیٹے کے کرتوت آپ کو نظر نہیں آئیں گے' بہرحال اللہ کا شکر ہے اس نے ہمیں بروقت بچ[illegible]۔'' یہ کہہ کر وہ فوراً اٹھ گئے۔

انشال کی ممی ملائکہ کی والدہ کے گلے لگ کر خوب روئیں اور بولیں۔ ''میرا انشال بدکردار نہیں ہے یہ خدا کی طرف سے اس کی آزمائش ہوئی ہے۔''

مسز جنید نے انہیں تسلی دی وہ بھی انشال کو بے قصور سمجھ رہی تھیں۔

اب سب گھر والوں کا رویہ انشال کے ساتھ بدل چکا تھا وہ سب اسے اچھوت اور بدکردار سمجھ کر اس سے بچنے لگے تھے' جب بھی وہ نیچے آتا سب لوگ اپنے کمروں میں چلے جاتے۔

یہ صورت حال اس کے لیے نہایت تکلیف دہ تھی اس وقت اسے سب کی توجہ اور پیار محبت چاہیے تھی تاکہ اس میں بیماری سے لڑنے کی قوت مدافعت پیدا ہوتی لیکن ایسا نہ ہوا سب اسے نظرانداز کرتے رہے۔ رفتہ رفتہ اس کی حالت بگڑنے لگی۔ ملائکہ نے اپنے آپ کو بیڈروم میں قید کر لیا تھا' انشال کی آنکھیں ترس گئیں اسے دیکھنے کو لیکن وہ اس کے سامنے نہیں آئی۔

☆............☆

ایک مہینے کے اندر امجد صاحب دوسرا گھر دیکھ کر اس میں شفٹ ہوگئے۔ جانے سے پہلے انشال نے اپنے کمرے کی در و دیوار کو چوما تھا جہاں اس کی جانِ جان آتی جاتی رہی تھی۔

نئے گھر میں اس کی حالت تیزی سے گرتی چلی گئی۔ ایک تو بیماری کا صدمہ اور اس پر ملائکہ سے دوری کا غم اسے وقت سے پہلے چاٹ گیا۔ انشال نے اسے ہزاروں میسج کیے' ہزاروں کالز کیں لیکن اس سنگدل نے کسی ایک کا بھی جواب نہیں دیا پھر وہ وقت جلد ہی آ پہنچا جب انشال چراغ سحری کی مانند ہوگیا۔ اس کی تیزی سے گرتی ہوئی حالت کے پیش نظر اسے ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرلیا گیا' چیک اپ کے بعد ڈاکٹرز نے صاف کہہ دیا تھا۔

''وہ مزید تین سے چار ماہ زندہ رہے گا۔''

اس میں قوت مدافعت بالکل ختم ہو چکی تھی۔ موت تو اس کا مقدر بن چکی تھی لیکن ملائکہ کی سنگ دلی اور کٹھور پن نے اسے وقت سے پہلے قبر کے دہانے پر کھڑا کر دیا۔ اب وہ بستر مرگ پر پڑا تھا' جاں بہ لب تھی اس دوران اس نے بہت سوچا کہ اسے یہ بیماری کیسے ہوئی؟ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

اس نے ملائکہ کے علاوہ کسی لڑکی کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا' جسمانی تعلق تو دور کی بات تھی۔ ملائکہ کی والدہ تقریباً روز آتی تھیں انشال کو دیکھنے، اس نے روتے تڑپتے ان سے گزارش کی کہ ملائکہ سے کہیں ایک بار آ کے اپنا چہرہ دکھا دے مجھے چاہے بات نہ کرے تو ان کا دل بھی تڑپ اٹھا تھا اس کی حالت دیکھ کر۔ انہوں نے گھر جا کر ملائکہ سے کہا۔

''وہ تمہارے لیے تڑپ رہا ہے صرف ایک بار جا کر اس کی عیادت کرلو انسانیت کے ناتے ہی سہی۔''

مگر اس نے سختی سے منع کر دیا۔

☆...☆

آج کل انشال اللہ سے اپنی مغفرت کی بے شمار دعائیں مانگتا تھا۔ اس نے اللہ سے گڑگڑاتے ہوئے دعا کی۔ ''اے مالک! موت برحق ہے تو مجھے اپنے پاس بلانے سے پہلے اس بیماری کا سبب بتا دے' تاکہ میری روح کو قرار مل جائے۔''

یہ دعا مانگ کر اس نے اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کیا اور سوچتے سوچتے سو گیا آج اس کی دعا کی قبولیت کا وقت آ پہنچا تھا اور سوتے میں اسے موبائل اور والٹ چھیننے والا خواب دکھائی دیا' خواب میں وہ خنجر خاص طور پر نمایاں تھا جو اس کی کلائی میں پار ہوا تھا۔ وہ خنجر اس کی کلائی میں اُترنے سے پہلے ہی خون میں آلود تھا اور وہ ایڈز زدہ خون سے آلودہ خنجر انشال کے جسم میں شامل ہو چکا تھا' جس کے سبب وہ موت کی آغوش میں جانے والا تھا۔ ایکدم ہی انشال کی آنکھ کھل گئی اسے اپنی حالت قدرے بہتر محسوس ہوئی۔ اس نے خواب کے بارے میں سوچا اب اس کی سمجھ میں ساری بات آ گئی لیکن اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ ملائکہ تک یہ بات کیسے پہنچائے؟ تاکہ اس کی بدگمانی دور ہو جائے۔ اس نے اپنی ممی کو سارا خواب سنایا اور ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا۔

''بیٹے کوئی فائدہ نہیں وہ پھر بھی یقین نہیں کرے گی۔''

لیکن وہ بضد تھا کہ وہ اسے مشورہ دیں تو اس کی ممی نے کہا۔

''تم پہلے بھی خط لکھ کر اسے مناتے رہے ہو اب بھی ایسا ہی کرو۔''

اپنی بیماری میں وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ پہلے کبھی ملائکہ اس سے ناراض ہو جاتی تھی تو مان کے نہ دیتی تھی' چاہے وہ خود غلطی پر ہوتی' وہ ایک منٹ

میں اس سے بدگمان ہو کر اس سے آنکھیں پھیر لیتی اور اس کی کسی بات پر اعتبار نہ کرتی اور نہ ہی اس کا موقف سنتی تھی۔ اس وقت بھی وہ اس کے کسی میسج یا کال کا جواب نہیں دیتی تھی۔ تب انشال خط کا سہارا لیتا تھا۔ وہ معذرت بھرا خط لفافے میں بند کر کے رائٹنگ ٹیبل پر موجود اپنی ڈائری میں رکھ دیتا تھا' اسے پتہ تھا ملائکہ بے دھڑک اس کے اسٹڈی روم میں گھستی تھی اور ہر چیز کو ٹٹولتی تھی پھر جیسا وہ سوچتا ایسا ہی ہوتا تھا' وہ اس کے اسٹڈی روم میں گھستی اور خوشبو میں بسے گلابی لفافے کو لے جاتی تھی اور جب پڑھتی تو پتہ چلتا کہ انشال نے کتنی خوبصورتی کے ساتھ اپنا موقف بیان کر کے نرمی کے ساتھ معذرت کر کے اس کی غلطی کی نشاندہی کی ہے وہ دل میں شرمندہ ہو جاتی اور اس طرح ان میں دوستی ہو جاتی۔

اب انشال نے صفحے اور پین منگوایا اور بہت سوچ بچار کے بعد ملائکہ کو ان الفاظ میں مخاطب کر کے خط کا آغاز کیا۔

''ملائکہ! سدا خوش رہو آج یہ خط لکھتے وقت مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے میں کمرہ عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہوا ہوں اور تم جج کی سیٹ پر بیٹھی ہو مگر وہاں بھی ملزم کو صفائی کا موقع دیا جاتا ہے اور جرم ثابت ہونے پر سزا سنائی جاتی ہے سزا پر عمل بعد میں ہوتا ہے لیکن تم کیسی بے رحم جج ہو جس نے مجھے اتنی مہلت ہی نہیں دی ڈائریکٹ تختہ دار پر لٹکا دیا۔ ملائکہ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم مجھے اس طرح ذلیل کرو گی' آج میں بستر مرگ پر پڑا ہوں اور ایسا شخص جھوٹ نہیں بولتا ایک موت کے قریب انسان کو زندگی کا لالچ ہوتا ہے لیکن یقین کرو اب مجھے جینے کی کوئی تمنا نہیں' کیونکہ میں نے زندگی کا ایک ایک لمحہ تمہارے سنگ بتانے کا خواب دیکھا تھا لیکن تم نہیں تو یہ زندگی بھی نہیں چاہیے مجھے۔ کتنی خوشامدیں کیں میں نے تمہاری' کتنے میسج کیے' کتنی کالز کیں لیکن تم نے کسی ایک کا بھی جواب نہیں دیا' کتنی سنگ دل ہو تم کہ انسانیت کے ناتے بھی مجھے دیکھنے نہیں آئیں۔ اتنی بدگمان ہو مجھ سے؟ ایسی بھی کیا بدگمانی' ایسی بھی کیا بے اعتباری؟ میں نے تمہیں اپنا مسیحا سمجھ کر اپنا غم ہلکا کرنا چاہا تھا لیکن تم نے مجھے صفائی کا موقع دیے بغیر لفظوں کے تیروں سے چھلنی کر دیا۔ اپنے گھر والوں کی نظروں میں مجھے گرا دیا۔ اُن سب کی وہ ملامتی ذلت بھری نگاہیں بھولوں گا نہیں قبر میں میرے ساتھ جائیں گی۔

بچپن سے ہم ساتھ کھیلے' ساتھ بڑے ہوئے لیکن تم نے ایک لمحے میں سب فراموش کر دیا ایک لمحے میں مجھے بے اعتبار کر کے مجھے میری نظروں میں گرا دیا۔

میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جو تم نے مجھ پر ایسا گھٹیا الزام لگایا وہ بے بنیاد تھا۔ تم نے مجھ پہ الزام لگایا تھا کہ مجھے ایڈز کسی حسینہ کی قربت سے تحفہ میں ملا ہے' ایسا کچھ نہیں ہے' یہ مجھے کسی حسینہ سے تحفہ میں نہیں ملا بلکہ تمہاری خوشی میں شرکت کے سبب تحفہ میں ملا ہے۔

اپنی برتھ ڈے یاد ہے تمہیں؟ جب میں کیک لے کر آ رہا تھا اس وقت جو خنجر اس لڑکے نے میری کلائی میں اُتارا تھا' وہ ایڈز زدہ خون سے آلود تھا' اس واقعہ کے بعد ہی میری طبیعت خراب ہونا شروع ہو گئی تھی لیکن تم کیسے یقین کرو گی؟ آخر تم مجبور ہو اپنی میں نہ مانوں والی ہٹ دھرمی سے' میں یہ بات بھی زبان پر نہ لاتا کیونکہ میں تمہیں جواب دہ نہیں ہوں لیکن مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ کوئی میرے کردار پر کیچڑ اُچھالے اگر خدا نخواستہ یہ سب تمہارے ساتھ ہو جاتا تو یقین کرو میں تم سے کبھی بدگمان نہ ہوتا' کیونکہ مجھے اپنی محبت پر اعتبار ہے لیکن میری پاکیزہ محبت تمہاری نظروں میں اتنی بے اعتبار ٹھہری

کہ مجھے صفائی کا موقع دیے بغیر ہر طرح کا تعلق ختم کرلیا تم نے مجھ سے۔ مجھے تو اس دنیا سے جانا ہی ہے لیکن میں اس دنیا سے تنہا نہیں جاؤں گا بلکہ اپنے دل و دماغ اور اپنی روح پر تمہاری محبت کا بوجھ لے کر جاؤں گا' دو تین چھوٹی چھوٹی باتیں اور کہنا چاہوں گا۔

ایک دعا' دوسری گزارش اور تیسری خواہش۔

دعا یہ کہ سدا خوش رہو' تمہارے حصے کی تمام پریشانیاں اور مصیبتیں مجھے مل جائیں اور میری زندگی کی باقی سانسیں بھی تمہیں مل جائیں۔

گزارش یہ ہے کہ محبت پر اعتبار کرنا سیکھو' اپنی آئندہ آنے والی زندگی کے لیے لائف پارٹنر تو چنو گی ناں' خدا نہ کرے اگر وہ بھی کسی مسئلے کا شکار ہو جائے تو اس سے بدگمان نہ ہونا اور اسے صفائی کا موقع ضرور دینا' اس کا بھرم بھی رکھنا کبھی سب کے سامنے اسے رسوا کردو اور وہ بھی میری طرح ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتے۔

خواہش یہ ہے کہ میری موت پر آنسو نہ بہانا' نہ مجھے یاد کرنا میں یہ حق واپس لے رہا ہوں تم سے بھلا کیا ضرورت ہے؟ ایک گھٹیا شخص کے لیے یہ سب کرنے کی۔ آخری بات جن جن لوگوں کے سامنے تم نے مجھے ذلیل کیا تھا ان سب کو یہ خط ضرور پڑھوانا جو میری موت کے تیسرے دن تمہیں ملے گا، اچھا جارہا ہوں میں اب۔ اجازت دو!

اللہ حافظ

انشال

خط لکھ کر اس نے تاکید کی کہ یہ ملائکہ کی ممی کو دے دیں' وہ خود اسے پہنچا دیں گی' اس کی ممی نے خط لفافے میں رکھ کر اپنے شوہر کو دے دیا اور انہیں بھی تاکید کی یہ خط صرف ملائکہ کی والدہ کے ہاتھ میں دیں۔ امجد صاحب کو دونوں ماں بیٹے نے ملائکہ کے گھر والوں کے رویئے سے لاعلم رکھا تھا۔

پھر انشال تھک گیا اس نے تصور میں اس دشمن جان کو دیکھا اور اپنی ممی کے سینے پر سر رکھ کر سو گیا' یہ اس کی آخری رات تھی' صبح فجر کی اذان کے ساتھ ہی اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ ڈاکٹر راؤنڈ پر آیا تو انشال اپنی ممی کے سینے سے لگا ابدی نیند سو چکا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کا چیک اپ کر کے کہا۔

"یہ نہیں رہے۔"

تو اس کی ممی کا سن کر ہارٹ فیل ہو گیا۔ امجد صاحب پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس موقع پر انہوں نے نہایت صبر اور استقامت کا مظاہرہ کیا وہ دونوں کی ڈیڈ باڈی لے کر گھر آ گئے۔ پھر انہوں نے اپنے سب رشتہ داروں اور ملائکہ کے گھر والوں کو اطلاع کر دی۔

☆......☆

ملائکہ نے جب یہ خبر سنی تو دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر اپنے آپ کو لہولہان کرلیا۔ وہ بھی اسے ٹوٹ کر چاہتی تھی لیکن اس بیماری نے اسے انشال سے متنفر کر دیا تھا' وہ سمجھ رہی تھی کہ انشال نے بے وفائی کی ہے حالانکہ ایسا کچھ نہیں تھا۔ پھر انشال اور اس کی ممی کا سوئم ختم ہوا تو امجد صاحب نے وہ لفافہ مسز جنید کو دیا کہ وہ یہ ملائکہ کو دے دیں' یہ انشال نے دنیا سے جانے سے پہلے دیا تھا۔ انہوں نے لے کر رکھ لیا لیکن اپنی بیٹی کو نہیں دیا تھا۔ کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ لاکھ وہ انشال سے نفرت کا اظہار کرتی رہی لیکن صدمہ اسے بھی پہنچا ہے انہوں نے لفافے کو اپنی الماری میں کپڑوں کی تہہ کے نیچے دبا دیا تھا۔

انشال کے دنیا سے جانے کے بعد ملائکہ دنیا سے کٹ کر رہ گئی تھی' نہ کھانے پینے کا ہوش ہوتا نہ ہی کپڑوں کی خبر' اس کی والدہ زبردستی کرتیں تو کھانا کھاتی اس کی کزنز اسے بہلانے کی ہر ممکن کوشش کرتیں لیکن ٹس سے مس نہ ہوتی تھی۔ ایک دن اس

کی کزن ماہین وا پنا دوپٹہ نہیں مل رہا تھا۔ ماہین نے اس کہا کہ وہ الماری سے دوپٹہ نکال کر دے دے، ملائکہ نے الماری کھول کر دوپٹہ تلاش کرنا شروع کیا تو اسے گلابی لفافہ نظر آیا' اس نے پہلے دوپٹہ ماہین کو دیا اور پھر خود لفافہ لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

پتہ تھا اسے یہ انشال نے لکھا ہوگا' پھر اس نے لفافہ کھول کر خط پڑھنا شروع کیا۔ اس پر لرزہ طاری ہوگیا' ملائکہ نے دل سے دعا کی کہ اس وقت زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے' وہ اسی قابل تھی۔ پچھتاوے کے ناگ اس کو ڈسنے لگے' وہ سوچنے لگی کہ کاش وہ اس سے بدگمان نہ ہوتی' اس کی بات کا اعتبار کر لیتی' کتنا گھناؤنا الزام لگایا تھا اس نے انشال پر جبکہ وہ اس کی وجہ سے قبر میں پہنچ گیا تھا۔ ملائکہ کی چیخوں سے کمرہ گونجنے لگا۔ سب گھبرا کر اس کے کمرے میں آ گئے اس کی والدہ خط اس کے ہاتھ میں دیکھ کر سمجھ گئیں کہ اس نے خط پڑھ لیا ہے۔ باقی سب نے بھی وہ خط پڑھا' اب سب ہی شرمندہ تھے لیکن اب سب کی شرمندگی اسے واپس نہیں لا سکتی تھی اور ملائکہ جو پہلے ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی تھی اس پر غشی کے دورے پڑنے لگے' سب نے ہی اسے سمجھایا لیکن احساس پشیمانی اسے چین نہیں لینے دیتا تھا۔ وہ ہر زاویے سے انشال کی موت کا ذمہ دار خود کو ہی سمجھ رہی تھی' وہ بار بار کہتی۔

"کاش وہ برتھ ڈے کا کیک لینے نہیں جاتا تو آج وہ زندہ ہوتا' کاش اس نے انشال پر بہتان نہ لگایا ہوتا تو وہ کچھ اور سانسیں اور لے لیتا۔"

لیکن اب پچھتانے سے کیا حاصل تھا۔ اس پر دیوانگی طاری رہنے لگی' اس کی والدہ نے اسے ماہر نفسیات کو دکھایا جس کی میڈیسن کچھ دیر کے لیے اسے ہوش سے بیگانہ کر دیتیں لیکن جب وہ جاگتی تو انشال کو ہی یاد کرتی رہتی۔

اب انشال کو گزرے ایک سال ہونے والا تھا اور اب پھر ملائکہ کی برتھ ڈے آ گئی تھی۔ آج وہ پھر انشال کا خط ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی جو خستہ ہو چکا تھا' ملائکہ کے آنسوؤں سے حروف مٹ چکے تھے لیکن یہ حروف اس کے دل پر نقش ہو چکے تھے۔

وہ دہاڑیں مار مار کر رو رہی تھی جب اس کی والدہ کمرے میں آئیں تھیں اور انہوں نے اسے تسلی دی تھی۔

مسز جنید امجد صاحب سے مل کر آ گئیں تھیں' انہوں نے ملائکہ کو زبردستی کھانا کھلایا اور خط اس کے ہاتھ سے لے کر آرام کرنے کا کہا تھا۔ پھر وہ دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں چلی گئیں اُن کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ملائکہ پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی' تو اس نے ٹہلنا شروع کر دیا۔ ٹینشن کا شکار تو وہ مستقل ایک سال سے تھی' اب ٹینشن کی وجہ سے اس کا بی پی ہائی ہونے لگا تو اس نے ٹہلنا شروع کیا تھا۔ زیادہ دیر ٹہلنے سے اس کا بی پی اور ہائی ہوگیا تو وہ بستر پر لیٹ گئی پھر اچانک اس کی آنکھ لگ گئی تو اس نے خواب میں وہ پورا واقعہ دیکھا' جس کی وجہ سے انشال ایڈز کا شکار ہوا تھا اسے انشال بھی خواب میں دکھائی دیا۔ ملائکہ کی جھٹکے سے آنکھ کھلی اور پھر ہمیشہ کے لیے بند ہو گئی۔

صدمے سے اس کے دماغ کی رگ پھٹ گئی تھی' اور وہ دنیا سے جا چکی تھی۔

صبح اس کی والدہ نماز فجر پڑھ کر اس پر دم کرنے آئیں تو ان کی چیخیں نکل گئیں۔ ان کی بیٹی کے منہ' ناک اور کان سے خون بہہ کر کپڑوں اور بستر پر جم چکا تھا' پھر ڈاکٹر نے آ کر تصدیق کر دی کہ وہ ایکسپائر ہو چکی ہے۔

محبت میں گلے شکوے تو برداشت کیے جا سکتے ہیں لیکن بے اعتباری نہیں بے اعتباری انسان کو جیتے جی مار دیتی ہے۔

......☆......

بسمہ احمد

افسانہ

یومِ پاکستان

صبح کے نو بج رہے تھے۔ جب وہ چائے کا کپ لیے ٹی وی کے سامنے آ بیٹھی۔ مارننگ شو تو ابھی شروع ہوا نہیں تھا اس لیے وہ خبریں دیکھنے لگی۔

''23 مارچ کا سورج طلوع ہو چکا۔ مساجد میں نمازِ فجر کے بعد خصوصی دعاؤں کا اہتمام کیا گیا۔ وفاقی دارالحکومت میں اکیس جب کہ صوبائی دارالحکومت میں سولہ توپوں کی سلامی دی گئی۔'' نیوز کاسٹر بہت عمدگی اور روانی سے شہ سرخیاں بتا رہا تھا۔

''یوم پاکستان کے موقع پر صدر اور وزیراعظم کے الگ الگ پیغامات قوم کو مبارک باد دی اور اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ ملک کو جلد ایک خوش حال مملکت بنائیں گے۔'' اب خبروں کے دوران وقفہ ہوا تو اس نے مارننگ شو لگایا۔ سارا سیٹ سفید اور سبز غباروں سے خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ میزبان اور تمام مہمانوں نے اسی مناسبت سے لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ پس منظر میں مختلف ملی نغموں کی دھنیں بجائی جا رہی تھیں۔

''لو جی، ہو گیا 23 مارچ 2015ء کا آغاز بس یہی اہمیت ہے نا اس دن کی کچھ تقریریں کیں، ٹی وی پر مختلف شو ہوئے اور بس...... اس وطن کا حق ادا ہو گیا۔ باقی کا کچھ پتا نہیں۔'' وہ تلخی سے سوچتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆......☆

کامران کافی دیر سے محسوس کر رہا تھا کہ نادیہ کچھ اداس کچھ الجھی الجھی سی ہے۔

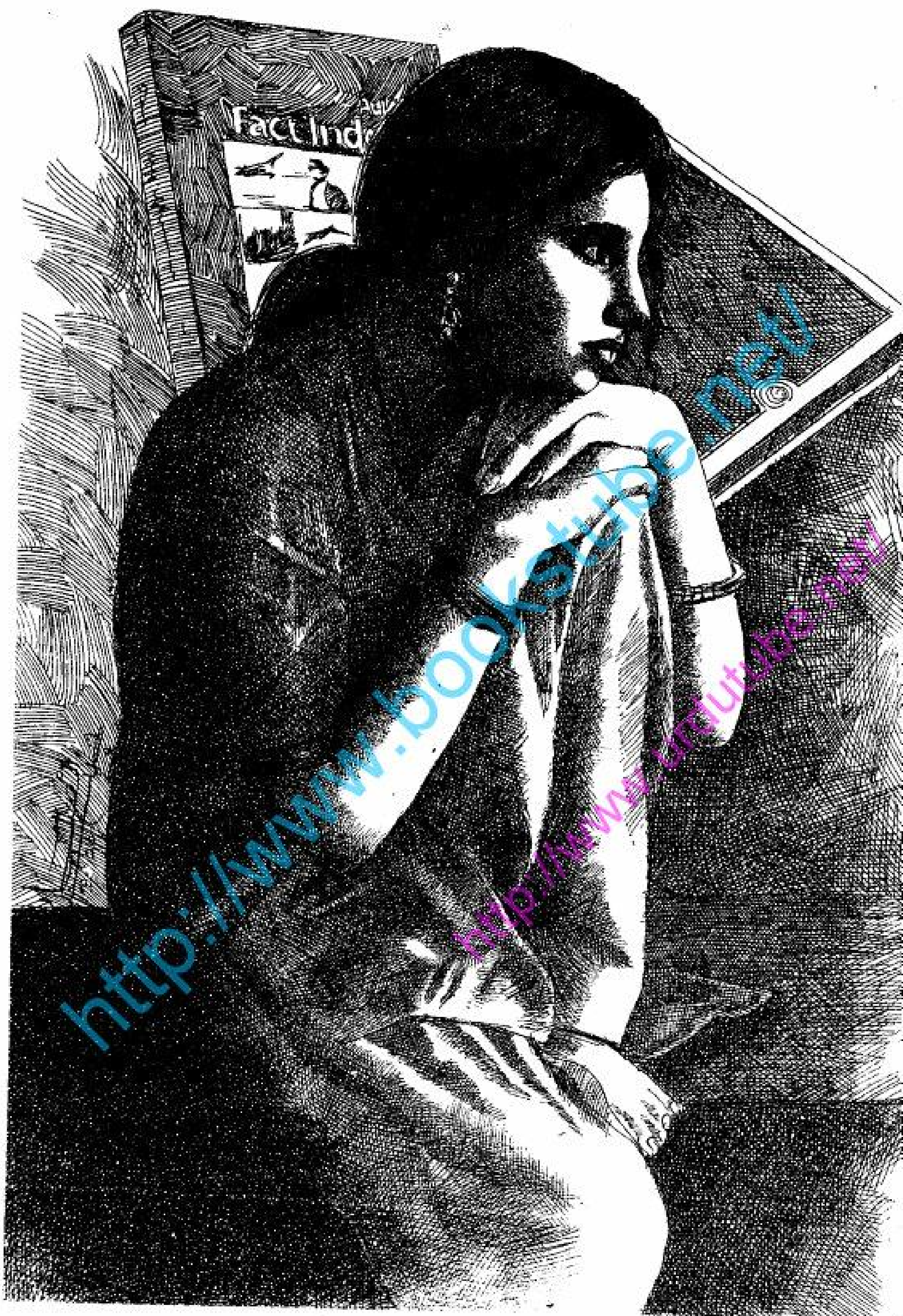
''نادیہ! کیا بات ہے۔ میں کافی دیر سے تمہیں یوں کچھ الجھا سوچتا دیکھ رہا ہوں۔ کیوں پریشان ہو؟''

''نہیں پریشان نہیں بس یوں ہی کچھ سوچ رہی ہوں۔''

''کیا؟''

''یہی کہ ہمارے ملک کا کیا بنے گا۔ دیکھیں نا، کیا ہو رہا ہے یہاں۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہے۔ ملک کا تو سوچتے ہی نہیں، پھر قومی دنوں پر ان کو خیال آ جاتا ہے۔ تب ہی اسے کامیاب و خوش حال بنانے کے دعوے کیے جاتے ہیں۔ تب ہی ہمارا میڈیا ہماری چیزیں دکھاتا ہے توپوں کی سلامی سے بھی نوازا جاتا ہے۔ اس ارضِ وطن کو، کیا یہ سب کرنے سے ہم اس زمین کا قرض ادا کر سکیں گے؟ اس کی آزادی کے لیے جو خون بہا اس کے لیے بس یہی کافی ہے؟ ہم آج کہاں ہیں کامران! یہ سب کیا ہے؟ ہماری قوم، ہمارے لوگ، سب کس سمت نکل چلے ہیں کیا اس سب کے لیے لاکھوں جانوں نے قربانیاں دیں؟'' وہ بولتے بولتے تھک گئی تھی۔ شدتِ جذبات سے سرخ پڑتے چہرے کو اس نے ہاتھوں سے تھپتھپا کر ٹھنڈا کرنا چاہا۔

''بددیانتی، جھوٹ، دہشت گردی، معاشی


Fact Inde

بحران، لاثانی فسادات، فرقہ واریت، غربت، دھوکا، کرپشن، کیا یہ ہے پاکستان؟ جہاں انسان بھوک اور بارود دونوں سے مر رہا ہے۔ ہمارے نوجوان اسلام سے دور اپنی قدروں وروایات سے بہت دور سب کو یہاں سے جانا ہے۔ کسی دوسرے ملک وہاں جا کر بے شک گاڑیاں ہی کیوں نہ صاف کریں مگر اپنے ملک میں صرف وائٹ کالر جاب ہی چاہیے۔ یہاں کی ترقی میں حصہ نہیں لینا اور جو یہاں ہیں ان کو موبائل اور انٹرنیٹ سے ہی فرصت نہیں، اپنی توانائیاں یوں فضول کاموں میں ضائع کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہاں رکھا ہی کیا ہے؟''

''ہاں نادیہ! صحیح کہا، یہ ملک اس لیے نہیں بنا تھا پر یقین رکھو یہ ملک ترقی کرے گا، خوش حال ہوگا، ضرور ہوگا۔ حالات بہتر سے بہتر ہوتے چلے جائیں گے جانتی ہو کیوں؟'' اس نے رک کر نادیہ سے سوال کیا پھر خود ہی کہنے لگا۔

''اس لیے کہ یہ ملک اللہ اور رسول پاکؐ کے نام لیواؤں نے اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا اور اللہ کے نام پر حاصل کیے گئے اس ملک کو کوئی چاہ کر بھی ختم نہیں کر سکے گا۔ اس ملک پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے۔ یہ پاکستان ہے، پاک سرزمین، پاک لوگوں کی سرزمین، یہاں کے حالات چاہے کچھ بھی ہوں، نادیہ یہ پاک سرزمین بہت زرخیز ہے۔ ہر نعمت سے مالا مال ہے۔ یہ مشکلات، یہ پریشانیاں، حالات کی خرابی۔ بس کچھ ہی عرصے کی ہیں، پھر یہ ترقی کی ایسی منزلوں کو چھوئے گا کہ دنیا رشک کرے گی، ہمارے لوگ خود کو پاکستانی کہلوانے پر فخر محسوس کریں گے۔'' کتنی امید، کتنا عزم تھا کامران کی آنکھوں میں مگر نادیہ پھر بھی مطمئن نہ ہوئی۔

''کامران! آپ جانتے ہیں ہم آج بھی آزاد نہیں انگریز نے کہا تھا ناکہ وہ یہاں سے جا تو رہا ہے مگر ہماری تہذیب اور سوچ کے ذریعے ہم پر حکومت کرتا رہے گا، صحیح کہا تھا۔ آج ہمارے بچوں کو نہ اپنی زبان سے دلچسپی ہے نہ اقدار سے لگاؤ، ہم لوگ آج بھی نفسیاتی طور پر ان کے غلام ہیں۔'' نادیہ کا لہجہ بہت تھکا تھکا سا تھا۔

''یہ تو ہے مگر اس میں بچوں سے زیادہ والدین کا قصور ہے۔ وہ خود ہی بچوں کی تربیت میں یہ سب شامل نہیں کرتے۔ وہ یہ تو چاہتے ہیں کہ ان کا بچہ ایک کامیاب افسر، ڈاکٹر، انجینئر، بزنس مین بن جائے۔ مگر وہ ان کو ایک اچھا انسان بنانے کا نہیں سوچتے، جو اس معاشرے میں بہتری لا سکے۔ وہ بچوں کو مذہب کی تعلیم تو دیتے ہیں مگر انہیں اس تعلیم کو عملی زندگی میں شامل کرنے کا ڈھنگ نہیں سکھاتے۔ ان کو اس طرف صحیح سے مائل ہی نہیں کیا جاتا مگر ہم کوشش کریں گے اپنے بچوں کو اچھا اور نیک انسان بنائیں گے جو پاکستان کے لیے فخر ہوں گے اور وہ خود بھی اپنے پاکستانی ہونے پر فخر کریں گے۔ وہ اس ملک کی ترقی کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے اور اس سب میں ہم ان کو صحیح راہ دکھائیں گے......دکھائیں گے نا؟'' اس نے پر یقین انداز میں نادیہ کو دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

یقیناً معاشرہ اکائیوں سے بنتا ہے اور معاشرے کا ہر فرد ایک اکائی ہے۔ ہر اکائی کے پاس ذمہ داری ہے۔ وہ اس معاشرے کے بناؤ بگاڑ میں اہم کردار ادا کرتا ہے اگر سب اپنے کردار کو سمجھیں اور اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے ادا کریں تو وہ دن دور نہیں جب یہ مملکتِ خداداد پاکستان، دنیا کے بڑے ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں شامل ہوگا، انشاء اللہ۔

......☆......

ثناء عثمانی

افسانہ

محبت اور سمجھوتہ

آج موسم صبح سے ہی ابر آلود تھا۔ بادل صبح سے گرج رہے تھے اور ہلکی ہلکی بارش بھی ہو رہی تھی۔ بچے تو آج اسکول و کالج گئے ہی نہیں تھے، لیکن راحیل صبح معمول کے مطابق آفس کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔



اب رات کے نو بجنے کو آئے تھے لیکن راحیل کا کوئی اتا پتا نہیں تھا، فاطمہ کو فکر ستائے جا رہی تھی، لیکن وہ اِدھر اُدھر کے کاموں میں اپنے آپ کو مصروف رکھے ہوئے تھی، پہلے احمد کا ہوم ورک وغیرہ چیک کیا، پھر الماری سے کپڑے وغیرہ نکال کر استری اسٹینڈ پر رکھنے لگی۔ اتنے میں منامل بھی کمرے میں کسی کام سے آئی بلا آخر فاطمہ نے منامل سے بول دیا۔

''بیٹا! اپنے بابا کو فون کرو، وہ ساڑھے آٹھ تک گھر پہنچ جاتے ہیں اور اب تو نو سے اوپر ہونے کو آئے ہیں۔ ان کا کچھ اتا پتا نہیں۔''

''ارے امی! ہو سکتا ہے ٹریفک وغیرہ جام ہو، آج ویسے بھی موسم خراب ہے۔ آپ فکر نہیں کریں میں کال کرتی ہوں۔'' منامل اپنی امی کو تسلی دیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ فاطمہ منامل کو جاتے ہوئے دیکھتی رہیں کہ اللہ نے انہیں کتنا بڑا نعم البدل دیا ہے۔ بچوں کی صورت میں، ورنہ وہ کب کی ہار چکی ہوتیں۔

فاطمہ سوچتے ہوئے کئی سال پیچھے نکل گئیں۔

☆......☆

''میں شادی کروں گا تو صرف حرا سے، ورنہ زندگی بھر شادی کا نام بھی نہیں سنوں گا۔'' راحیل نے اپنی والدہ کو آخری فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

''میں بھی اپنا آخری فیصلہ سنا دیتی ہوں اگر دنیا میں ساری لڑکیاں ختم بھی ہو جائیں اور صرف حرا واحد لڑکی بچ جائے، تو بھی میں اس سے تمہاری شادی نہیں کروں گی۔ اپنی تائی کو تم شروع سے جانتے ہو پہلے مجھے ساری زندگی دبا کر رکھا اور اب شاید میری اکلوتی اولاد کی باری ہے۔'' آمنہ بیگم نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''امی! آپ کیوں نہیں سمجھتیں کہ حرا اپنی امی سے قدرے مختلف ہے۔'' راحیل نے بھی نرم پڑتے ہوئے کہا۔

''بس راحیل! میں نے جو بول دیا کہ اس گھر میں صرف میری بھانجی آئے گی فاطمہ۔'' اب کی بار آمنہ بیگم نے بھرپور غصے کا اعلان کیا۔

''اور اگر تم میری یہ خواہش پوری نہیں کر سکتے تو آج سے مجھے ماں کہنا اور سمجھنا چھوڑ دو۔ اپنی بیوگی کے بعد جب فقط تم دو سال کے تھے کس طرح محنت و مشقت کر کے پالا اور اب تم یہ صلہ دے رہے ہو کہ اب جب میرے آخری دن ہیں، تو تم اس کو بھی میرے لیے امتحان بنانا چاہ رہے ہو۔ حرا کو اس گھر میں لا کر۔'' یہ کہتے ہی آمنہ بیگم زار و قطار رونے لگیں اور راحیل بھی کشن پھینکتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆......☆

''دیکھو میری بہو کتنی پیاری لگ رہی ہے۔'' آمنہ بیگم نے بڑے چاؤ سے اپنی ساتھ کھڑی جٹھانی سے کہا۔ راحیل کو آج اپنے ہار جانے کا بے حد رنج تھا! اور وہ اس کا ذمہ دار صرف فاطمہ کو سمجھ رہا تھا۔ خیر آمنہ بیگم کی دعاؤں سے یا ضد سے فاطمہ ان کے گھر میں راحیل کی بیوی اور آمنہ بیگم کی بہو کی حیثیت سے آ گئی تھی۔ بہو کا مقام تو اسے مل گیا تھا لیکن بیوی کا نہیں۔

راحیل فاطمہ سے بے انتہا چڑتا تھا۔ فاطمہ نے بھی اس کو اپنا نصیب سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ وقت کو گزرنا ہوتا ہے اور وقت گزر جاتا ہے۔ وقت کا پہیہ گھومتا رہا اور اللہ نے فاطمہ کو ایک بیٹی اور ایک بیٹے سے نواز دیا۔ فاطمہ نے خاموشی کا لبادہ اوڑھے رکھا اور ادھر حرا کی بھی شادی ہو گئی اور وہ باہر چلی گئی۔ وہ کہتے ہیں ناں کہ جوانی کی محبت پتیلی میں رکھی ہوئی اس چیز کی مانند ہے کہ جب اس میں ابال آتا ہے تو لاکھ چیخ چلا لو لیکن ابال ختم نہیں ہوتا۔ لیکن جب پکنے کا وقت آ جاتا ہے تو آنچ ہلکی کر دی جاتی ہے اور پتیلی ایک دم پر سکون ہو جاتی ہے۔ کچھ اسی طرح راحیل اور حرا کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ شروع میں کافی حد تک تلخ کلامیاں ہوتی رہیں مگر وقت کے ساتھ ساتھ دونوں

اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہو گئے۔ لیکن بے قصور فاطمہ کے مقدر میں چٹیل دھوپ لکھی تھی جو کے اسے جھیلنی تھی۔ بغیر کسی سایہ دار درخت کے، جس کی تپش ہر دن کسی نئے انداز میں اس کی منتظر ہوتی۔ راحیل کی جانب سے کبھی اسے پھوہڑپن کا طعنہ، کبھی بد لحاظ ہونے کا، کبھی بے ڈھنگے پن کا ملتا۔ غرض یہ کہ فاطمہ میں جو عیب موجود نہیں بھی تھے وہ بھی راحیل کو پتا نہیں کون سی آنکھ سے نظر آجاتا تھا۔ وقت کے ساتھ آمنہ بیگم کی ہمت بھی جواب دینے لگی، جو ہر آڑے وقت میں فاطمہ کے لیے ڈھال بن جایا کرتی تھیں۔ لیکن وقت گزرتا گیا۔ فاطمہ نے آمنہ بیگم (خالہ) کی آخری وقت میں بہت خدمت کی۔ شاید یہ ان کی دعائیں تھیں جو اس کی ہمت برقرار رہی۔

☆......☆

اچانک گاڑی کے ہارن پر فاطمہ چونک اٹھیں۔ ہڑبڑا کر اٹھیں اور کچن کی جانب روانہ ہو گئیں۔ راحیل آفس سے آکر نہاتے اور پھر فریش ہو کر کھانا کھاتے تھے۔ یہ ان کا معمول تھا۔ فاطمہ بھی جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگیں۔ آج انہوں نے بڑے دنوں بعد یخنی پلاؤ بنایا تھا، جو کہ راحیل کو بہت پسند تھا جب وہ خالہ کی زندگی میں کوئی بھی اچھی ڈش پکایا کرتی تھیں تو وہ ان کی بہت تعریف کرتی تھیں۔ آج خالہ بھی نہیں تھیں جو ان کو سراہ سکتیں۔ راحیل کی آواز کچن تک آنے لگی، وہ احمد سے کسی کے بارے میں معلومات لے رہے تھے۔ اتنے میں مناہل نے دسترخوان، پانی کی بوتل، پلیٹیں اور چمچ وغیرہ رکھے۔ فاطمہ چاولوں کی ڈش سنبھالتی لائیں اور سب نے کھانا شروع کر دیا۔ فاطمہ ہر لقمے پر ایک دفعہ راحیل کی طرف ضرور دیکھتیں کہ شاید کوئی تعریفی جملہ بول دیا جائے، کیوں کہ بقول خالہ اسے یخنی پلاؤ بہت پسند تھا۔ لیکن راحیل نے کھانا کھاتے ہی کمرے کی راہ لی اور بچوں وغیرہ نے شب بخیر کیا۔ فاطمہ بھی خاموشی سے برتن سمیٹنے لگیں۔ اتنے میں مناہل نے چیزیں اٹھاتے ہوئے بولا۔

''امی! آج کھانا بہت مزے کا تھا۔''

''اچھا، چلو تمہیں اچھا لگا میں تو ڈر رہی تھی کہ آج بہت دنوں بعد بنایا ہے، پتہ نہیں کیسا بنے۔'' فاطمہ نے مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہوں...... لیکن بابا کو بھی تعریف کرنی چاہیے تھی۔ شاید آپ کو بابا کی تعریف کا انتظار تھا۔'' مناہل نے مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔

''مناہل! پاگل ہو گئی ہو تمہارے بابا نے کبھی کسی کے سامنے کسی کی تعریف کی ہے اور یہ ان کی تعریف ہی ہے کہ وہ جلدی جلدی دو پلیٹیں صاف کر گئے۔'' فاطمہ نے اپنی جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔

''چلیں اسی سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔'' مناہل پھر مسکرائی۔

''بہت دادی اماں بنتی جا رہی ہو۔'' فاطمہ نے خفگی سے بولا۔ مناہل مسکراتی ہوئی برتن وغیرہ اٹھا کہ باہر کی طرف چلی گئی۔ فاطمہ سوچتی رہیں کہ مناہل بھی کتنی بڑی ہو گئی ہے۔

☆......☆

''ہاں میری بیٹی صحیح کہا، ہم اکثر ہر چیز سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ خاموشی سے، بے توجہی سے، بے وفائی سے غرض ہر چیز سے۔ جیسے تمہارے بابا نے اپنی ماں کی محبت کے خاطر مجھ سے سمجھوتہ کیا اور میں نے آپ دونوں کی محبت کے لیے آپ کے بابا سے ورنہ محبت تو کب کی دم توڑ چکی ہے۔ چلو بیٹا یہ سودا بھی برا نہیں ہے، بس یہ بھی ہمارے رب کی مہربانی ہے۔ شاید اگر وہ ہمیں سمجھوتہ کرنا نہیں سکھاتا تو ہمارا جینا مشکل ہو جاتا۔ بس اب اپنے رب سے دعا ہے کہ تمہیں زندگی کے کسی موڑ پر سمجھوتہ نہ کرنا پڑے، کیوں کہ اکثر سمجھوتہ تو جیت جاتا ہے لیکن ہم انسان زندگیاں ہار جاتے ہیں۔''

☆......

نائلہ طارق

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 26

جو عشق میں ڈوبی وہ عشق ہی جانے

گہری نیند سے بیدار ہوتے ہوئے وہ ایک پل کے لیے اس اجنبی کمرے میں اپنی موجودگی پر حیران ہوئی تھی، مگر اگلے ہی لمحے سب یاد آنے پر بری طرح شرمندہ ہوتی اٹھ بیٹھی تھی، وال کلاک پر نظر جاتے ہی اسے خود



پر تعجب ہوا تھا کہ وہ اتنی طویل اور پر سکون نیند کیسے سو گئی پتہ نہیں صبیحہ اور ایک اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔ خود کو گھرکتی وہ واش روم کی سمت بڑھ گئی تھی۔ چہرہ خشک کرنے کے بعد اس نے اپنا اسکارف سر پر درست کیا تھا اور مطمئن ہوتی ڈریسنگ کے سامنے سے ہٹ گئی تھی مگر کمرے سے باہر جانے کے بجائے اس کے قدم خود بخود اسٹڈی کے نیم وا دروازے کی سمت بڑھ گئے تھے۔

یہ اسٹڈی روم تو اچھی خاصی لائبریری تھا، ارد گرد کا جائزہ لیتی وہ اس خوبصورت سے نئے ماڈل کے کمپیوٹر کی سمت بڑھ گئی تھی۔ کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے وہ واپسی کے لیے پلٹ رہی تھی جب اس کی نگاہ دیوار پر لگی ایک تصویر پر جا ٹھہری تھی جس میں ہشام قزلباش کافی ینگ دکھائی دے رہے تھے جب کہ ان کے ساتھ ہی ایک خوبصورت سے تیکھے نقش والی عورت کا مسکراتا چہرہ بھی موجود تھا جو کہ خزمن کے لیے اجنبی تھا۔ کچھ دیر چونک کر وہ اسٹڈی میں آتیں صبیحہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔



''نیند پوری ہوگئی تمہاری؟''
''آپ نے مجھے جگایا کیوں نہیں کتنی بری بات ہے کہ آپ سے لاتعلق ہو کر میں سوگئی۔ مجھے بہت شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔''
''اس میں شرمندہ ہونے والی کیا بات ہے، یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔'' وہ بولی تھیں۔
''اس تصویر میں یہ خاتون کون ہیں؟'' خرمن نے ان کی توجہ تصویر کی جانب مبذول کروائی تھی۔
''یہ ہارون کی ماں ہیں۔'' ان کی اطلاع نے اسے دنگ کیا تھا۔
''واقعی؟'' شدید حیرت کے ساتھ اس نے دوبارہ تصویر کو دیکھا تھا۔
''ہارون بہت چھوٹا تھا، جب ان کا انتقال ہو گیا تھا۔'' وہ بتا رہی تھیں۔
''اس کا مطلب ہے انکل نے دوسری شادی آپ سے کی تھی۔'' خرمن اب تک بے یقین تھی۔
''ہاں، میں ان کی دوسری بیوی ہوں۔'' وہ سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھیں۔
''اور...... آپ کی یہ پہلی شادی تھی؟''
''ہاں، میری پہلی شادی تھی، تمہارے انکل میرے بھائی کے دوست تھے۔ میں بہت پہلے سے ہی ان کو جانتی تھی، ان کی پہلی شادی سے بھی پہلے۔''
''مگر آپ کو یہ بہت بعد میں پتہ چلا ہوگا کہ وہ آپ کی قسمت میں لکھے گئے ہیں۔'' خرمن نے مسکراتی نظروں سے ان کو دیکھا تھا۔
''ہارون کی مدر بہت پیاری ہیں مگر آپ کی بات الگ ہے۔ آپ بہت خوبصورت ہیں اور میرے لیے تو آپ ہی ہارون کی ماما ہیں۔'' بولتے ہوئے وہ صبیحہ کے ساتھ ہی ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو اسٹڈی میں داخل ہوئے تھے۔ خرمن نے فوراً ان کو سلام کیا تھا۔
''کیسی ہو بیٹا! گھر میں سب خیریت ہے؟''
''جی۔'' وہ بمشکل بول سکی تھی۔
''آپ کب آئے مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا۔'' صبیحہ حیران لہجے میں ان سے مخاطب تھیں۔
اگر پہلی بار آپ گھر میں میری آمد سے بے خبر رہی ہیں تو اس کا قصوروار کون ہے؟'' ان کے مسکراتے لہجے پر خرمن نے جھینپ کر صبیحہ کو دیکھا تھا۔
''نہیں خرمن قصوروار نہیں ہے، میں ہی اس کی موجودگی میں آپ کے آنے کا وقت بھول گئی تھی۔'' صبیحہ مسکراتے ہوئے بولی تھیں تب ہی ایک عجلت میں وہاں آ گیا تھا۔
''عارش آ گئے ہیں، خرمن آپ جلدی آ جائیں، تاکہ ان کو کچھ تسلی ہو جائے، انہوں نے گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے آپ کے بارے میں پوچھا تھا۔'' ایبک کے نان اسٹاپ بولنے پر وہ بے طرح شرمندہ ہوتی رک نہیں سکی تھی۔ ایبک کے ساتھ ہی باہر آ گئی تھی۔ لان میں ہی کرسیوں پر عارش اور ہارون براجمان باتوں میں مصروف تھے۔
''مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ آج بڑے بڑے لوگوں نے میرے گھر کو رونق بخشی ہے۔'' ہارون نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
''بس دیکھ لیں، ریڈیو کے بعد اب آپ کے گھر میں بھی آپ کے مقابلے پر آ گئی ہوں۔'' وہ فخریہ انداز

میں بولی تھی۔

''عارش کی خیر خیریت تو دریافت کرو، وہ تھکا ہارا آفس سے واپس آیا ہے مگر اس پر تم کوئی توجہ ہی نہیں دے رہی ہو۔'' ہارون کے گھر کنے والے انداز پر اس نے عارش کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل بے ساختہ ہنستے ہوئے اس نے چہرہ ہاتھوں میں چھپایا تھا۔

''یہ شرمندہ ہوئی ہے یا شرما رہی ہے؟'' ہارون نے عارش سے پوچھا تھا۔

''آپ کی طرح میں بھی کنفیوژ ہوں۔'' وہ دھیرے سے ہنسا اور اس خوب صورت سے مور کی طرف متوجہ ہوا تھا جو ان کی طرف آگیا تھا مگر اگلے ہی پل بدک کر پیچھے ہٹا تھا جب خرمن ہلکی سی چیخ کے ساتھ کرسی سے اٹھتی دور ہوگئی تھی۔

''ایک ! واپس بند کرواسے۔'' ہشام قزلباش جو اسی طرف آرہے تھے، خرمن کو ڈرتے دیکھ کر ایک پر برسے تھے۔

''آجاؤ بیٹا! بیٹھ جاؤ۔'' ہشام قزلباش کے شفیق لہجے پر وہ شرمندہ ہوتی واپس اپنی جگہ پر آبیٹھی تھی۔

''ہماری فیورٹ پریزنٹر کتنی بہادر ہیں آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔'' ہارون نے مسکراتے ہوئے اسے مزید شرمندہ کیا تھا۔

☆......☆

لاؤنج میں آتے ہوئے وہ متلاشی نظروں سے ارد گرد نظر ڈالتے پلٹ کر پیچھے آتیں عروسہ کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''بچے کہاں ہیں؟'' ان کے سوال پر عروسہ کے چہرے کا رنگ مزید اڑ گیا تھا۔

''فاران باہر جا رہا تھا تو دونوں بھی ضد کر کے اس کے ساتھ چلے گئے۔'' ان سے نظر ملائے بغیر وہ بولی تھیں۔

''فاران ان دونوں کو ساتھ لے کر کہاں گیا ہے؟ یہ سوال کرنے کی ضرورت تو مجھے ہونی چاہیے۔'' ان کے چبھتے لہجے پر وہ کچھ بول نہیں سکی تھیں جبکہ فاروق مزید کچھ کہے بغیر کمرے کی سمت چلے گئے تھے۔ چائے لے کر جب وہ لاؤنج میں واپس آئیں تو فاروق ٹی وی کے چینلز چیک کرنے میں مصروف تھے۔

''تمہارا پارلر کب تک بند پڑا رہے گا؟'' خاموشی سے وہ چائے کے سپ لے رہی تھیں جب فاروق کے سوال نے ان کو دنگ کیا تھا۔

''اپنے سارے شوق مار دیے ہیں تم نے اپنے آپ سے بھی لاپرواہ ہوگئی ہو، کیا میں بستر مرگ پر ہوں یا مر چکا ہوں۔'' ان کے تلخ لہجے پر عروسہ دہل اٹھی تھیں۔

''مت کریں ایسی باتیں، خدا کے لیے۔'' اس سے پہلے کہ ان کی آنکھیں چھلک جاتیں، تیزی سے اٹھ کر لاؤنج سے نکل گئی تھیں۔

کچن میں داخل ہوتے ہوئے انہوں نے عروسہ کو دیکھا تھا جو سنک کے پاس برتن دھونے میں مصروف تھیں۔

''فاران کو فون کر دو کہ اب رات تک ہی واپس آئے اور تم تیار ہو جاؤ، کھانا باہر ہی کھائیں گے، کچھ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ بول رہے تھے، عروسہ کو اپنی سماعتوں پر شبہ ہوا تھا۔

''ہاں یا ناں کا جواب تو دو؟'' ان کی خاموشی پر وہ بھڑک کے تھے۔

''میں ابھی فاران کو کال کرتی ہوں۔'' ان کے بگڑنے پر وہ فوراً ہی بولی تھیں۔ عجلت میں کپڑے پریس کرتے ہوئے وہ اب بھی یقین نہیں کر پا رہی تھیں، انہیں تو یاد بھی نہیں آ رہا تھا کہ آخری بار فاروق کب ان کو ساتھ لے کر باہر گئے تھے، جذباتی اور نفسیاتی اذیتوں کے بعد اب یہ سب بہت عجیب لگ رہا تھا مگر دل کے اندر کہیں خوشی کی رمق بھی بیدار ہو رہی تھی، وہ فاروق کو مایوس نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ ان کا تو خواب تھا کہ سب کچھ پہلے کی طرح نارمل ہو جائے۔ آج یہ ایک اہم پیش رفت ہوئی تھی، لہٰذا فاروق کے لیے آج ان کو پہلے کی طرح خود پر توجہ دینی ہی تھی، بچوں کی طرف سے بھی وہ مطمئن تھیں کہ بیلا کے پاس وہ خوش اس لیے بھی اب اور زیادہ ہوں گے کہ باپ کی طرف سے ان کو رات تک وہاں رہنے کی اجازت مل گئی ہے۔

☆......☆

گزشتہ تین روز سے وہ انسٹی ٹیوٹ کو بھی وقت نہیں دے پا رہا تھا۔ اپنے طویل فوٹو شوٹ کی وجہ سے ایک لوکیشن سے دوسری پھر تیسری لوکیشن پر گھومتے گھومتے آج کہیں جا کر شام ڈھلے فوٹو شوٹ مکمل ہوا تھا۔ سر پر وہ پیر رکھ کر گھر کی طرف دوڑا تھا، پچھلے کچھ دنوں سے بیلا کی صحت بالکل ٹھیک نہیں تھی، اپنے فوٹو شوٹ کے دوران وہ بالکل بھی اس کے لیے وقت نہیں نکال پا رہا تھا، مگر کئی بار تاکید کے باوجود وہ خرمن کے ساتھ بھی ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں ہوئی تھی۔ اس کے سمجھانے ڈانٹنے کا بھی بیلا پر کوئی اثر نہیں ہوا تو اس نے یہ معاملہ خرمن کے حوالے کر دیا تھا کہ بیلا اس کی بھی ایک نہیں سن رہی اب عثمان ہی اسے سنبھالے، گھر واپس آتے ہوئے اس نے پہلے ہی بیلا کو فون پر تیار رہنے کی ہدایت کی تھی۔ کیونکہ وہ ڈاکٹر سے فون پر ہی اپائنٹمنٹ لیتا ہوا آ رہا تھا۔ گھر پہنچ کر اسے اندازہ ہوا تھا کہ بیلا نے کس طرح اس کی ہدایت کو ان سنا کر دیا تھا، اسے الجھے حلیے میں دیکھ کر ہی عثمان کا دماغ کھول اٹھا تھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ تیار رہنا، ہمیں ڈاکٹر کے پاس جانا ہے، تمہیں کچھ سنائی دیا تھا یا نہیں؟'' عثمان کے سخت لہجے پر وہ خاموشی سے صوفے پر ست کر بیٹھ گئی تھی۔

''تم مجھے بتانا پسند کرو گی کہ کیوں اپنی جان کی دشمن بنی ہوئی ہو؟ تم پر میری کسی بات کا اثر نہیں ہوتا ہے۔ دن بدن تم ست ہوتی جا رہی ہو، تم نے میری فکر کرنی چھوڑ دی ہے۔ آخر اب مجھ سے کیا غلطی سرزد ہو گئی ہے، کم از کم اتنا ہی بتا دو اس طرح خاموش رہ کر تم میرے غصے کو ہوا دے رہی ہو، پھر مجھ سے کوئی شکایت مت کرنا۔'' نظر اٹھا کر بیلا نے اسے دیکھا تھا جو شدید غصے میں اس پر برس رہا تھا اس وقت وہ بیلا کو دنیا کا احمق ترین انسان لگا تھا۔

''بیلا! میں تم سے بات کر رہا ہوں، مجھے بتاؤ تمہیں ہوا کیا ہے؟ کیا تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو؟ کیا تمہیں لگتا ہے کہ میری محبت میں کہیں کمی آ گئی ہے؟'' اس کی مسلسل خاموشی پر وہ اب شدید پریشان نظروں سے اس کے زرد نقاہت زدہ چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''میں آتی ہوں چینج کر کے پھر چلتے ہیں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی بیزاری سے بولتی وہ کمرے کی سمت بڑھ گئی تھی، جب کہ اسے دیکھتے ہوئے عثمان کی تشویش بڑھ رہی تھی۔ دوپٹہ شانوں پر درست کرتی وہ اترے چہرے کے ساتھ اس کی طرف متوجہ تھی، جو کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''پہلے ہی راضی ہو جاتیں تو میں تم پر کیوں غصہ کرتا۔'' شرمندہ ہوتے ہوئے عثمان نے اسے اپنے ساتھ

لگایا تھا۔
''تم اتنی کمزور ہوتی جارہی ہو، ٹھیک طرح کھاتی پیتی بھی نہیں ہو، میں گھر سے باہر تمہاری طرف سے پریشان ہی رہتا ہوں۔'' مدھم لہجے میں شکایت کرتے ہوئے وہ اس کے سر پر بوسہ لے رہا تھا۔
''مجھے ڈاکٹر سے چیک اپ کروانے پر کوئی اعتراض نہیں، مگر پھر میں خزمن کا سامنا کیسے کروں گی؟'' اس کے کمزور لہجے پر وہ چونکا تھا۔
''کیا مطلب ہے تمہارا؟''
''خزمن نے کہا تھا کہ عثمان پر ابھی کوئی ذمہ داری نہیں آنی چاہیے، وہ خود کو ابھی اسٹیبلش کر رہا ہے، اس کا مطلب تھا کہ ہمارے درمیان کسی تیسرے کا اضافہ نہیں ہونا چاہیے مگر......'' اس کے ہچکچاتے لہجے اور جملوں نے عثمان کو بے تحاشہ دنگ کیا تھا۔
''بیلا! کیا میں ٹھیک سمجھ رہا ہوں، تم مجھے یہی بتانا چاہ رہی ہو کہ ہماری فیملی بڑھ رہی ہے، کیا واقعی ایسا ہے؟'' خوشی سے بے قابو ہو کر عثمان نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرا تھا جواباً اثبات میں سر کو حرکت دیتے ہوئے اس کی زردہ رنگت میں سرخیاں دوڑ گئی تھیں۔
''اتنی بڑی بات تم مجھ سے بھی چھپا رہی تھیں۔ کتنی ظالم ہو تم، خزمن اگر تم سے کچھ کہے تو میرا سامنا کروا دینا، اسے خود ہی زبان بند کرنی پڑے گی، وہ کون ہوتی ہے ایسی پابندیاں لگانے والی، وہ عارش کی ذمہ داریاں بڑھا رہی ہے تو پھر تم بھی کیوں پیچھے رہو، میری تو خواہش ہے کہ تم ایک ساتھ تین، چار میری ذمہ داریاں بڑھا دو۔''
''ہمیں اب چلنا چاہیے یا نہیں؟'' بیلا نے کچھ جھلائے انداز میں اسے یاد دلایا تھا۔
☆......☆
دور سمندر کی اٹھتی گرتی لہریں بھی شاید دم بخود تھیں۔ تیز ہواؤں میں جیسے اداسیاں اور مایوسیاں گھل گئی تھیں، سورج کی دم توڑتی کرنیں بھی اس کے درد کو سمیٹنے سے قاصر تھیں، جس کے چہرے پر ایسی ندامت اور اذیت پھیلی تھی کہ جسے کم کرنے کے لیے منیزہ کو لفظ نہیں مل رہے تھے مگر شاید کوئی لفظ اس کی ندامت اس کے پچھتاوے کو کم نہیں کرسکتا تھا، جس کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں۔
''عقل و شعور کے در کھلنے تک ہر بچہ ہر غم سے آزاد ہوتا ہے، اسے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ زندگی کتنی خوبصورت ہے یا دنیا کتنی بدصورت ہے، مگر میرے ساتھ ایسا نہیں تھا، وقت سے پہلے ہی مجھے ادراک ہو گیا تھا کہ گناہ کیا ہوتا ہے، جرم کیا ہوتا ہے اور ان دونوں چیزوں کا ناقابلِ برداشت بوجھ اٹھا کر زندگی گزارنا کس قدر اذیت ناک ہوتا ہے۔'' سمندر کی شانت لہروں پر نظر جمائے وہ بول رہا تھا۔
''جو انسان میرے لیے اس دنیا سے بھی بڑھ کر اہم ہیں۔ ان کی زندگی کو موت کی اذیت سے میں نے دوچار کیا، آج تک ان کی زندگی میں تاریکی ہی تاریکی ہے، میں نے ان سے ان کا چین سکون یہاں تک کہ ان سے زندہ رہنے کی خواہش تک چھین لی ہے۔ میری وجہ سے جو نقصان میرے اپنوں نے اٹھایا ہے، اس کا ازالہ میں کبھی نہیں کرسکوں گا۔ ان کا صبر ان کی خاموشی میری روح کو زخموں سے آلودہ کر چکی ہے۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے ان محبت کرنے والے انسانوں کو جہنم کے عذاب میں دھکیل دیا ہے۔
میرا بچپن، میری زندگی کا خوبصورت دور اس آگ کی نذر ہو گیا جس میں آج تک میں جھلس رہا ہوں اور

جانے کب تک ......'' ساکت نظروں سے وہ اسے دیکھتی رہی تھی جو خاموش ہو کر پہلی بار براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی جرأت کر سکا تھا۔

''تم مجھ سے میرا اعتبار نہ بھی مانگتیں تو بھی میں تم سے اپنا بھیانک چہرہ نہیں چھپا سکتا تھا۔ یہ تمہارے ساتھ زیادتی ہے کہ میرے جیسا انسان تم سے کوئی تعلق رکھے، مگر کوشش کے باوجود میں اس تعلق کو توڑ نہیں پا رہا، لیکن تم یہ غلطی مت کرو، سب کچھ جاننے کے بعد تمہیں بھی اندازہ ہو چکا ہوگا کہ مجھ سے زیادہ برا اور گناہ گار انسان اس دنیا میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔ میں خوشیاں چھین تو سکتا ہوں مگر دینے کی اہلیت نہیں رکھتا، ایک ادھورے شخص سے تمہیں زندگی کی کوئی خوشی نہیں مل سکتی، میں تو اپنا آپ صدیوں پہلے کھو چکا ہوں۔ تمہیں کیسے مکمل مل سکتا ہوں؟'' اس کی نم آنکھوں میں دیکھتا وہ سرخ چہرے کے ساتھ بولا تھا۔

''میں بس اتنا جانتی ہوں کہ آپ نے آج مجھے سب کچھ دے دیا ہے، اپنا اعتبار، اپنے زخم، اپنے دکھ، اپنے پچھتاوے، آج مجھے ایک ایسا مکمل انسان مل گیا ہے، جسے اب میں کبھی کھونے کی ہمت نہیں رکھتی۔'' اس کے لرزتے لہجے اور نم آنکھوں میں جانے کیا کچھ تھا کہ ہارون چاہتے ہوئے بھی اس سے نظر نہیں چرا سکا تھا وہ چپکے سے اس کا ہاتھ تھام چکی تھی اور وہ اسے روک بھی نہیں سکا تھا۔

☆......☆

''آپ نے بلایا تھا؟'' اسٹڈی روم میں داخل ہوتا وہ ہشام قزلباش کو اپنی طرف متوجہ کر گیا تھا۔

''ہاں، بیٹھو۔'' کتاب بند کرتے ہوئے وہ بولے تھے۔

''کچھ معلوم ہوا، یہ کون شخص ہے جو ہمارے بارے میں معلومات کر رہا ہے اور اس کام کے لیے وہ ہماری فیکٹری کے ورکرز سے بھی ملتا رہا ہے۔ کسی کو کیا ضرورت ہو سکتی ہے، نہ ہماری کسی سے کوئی دشمنی ہے، نہ کاروباری سطح پر آج تک کسی سے اختلاف ہوئے ہیں۔'' وہ تشویش زدہ لہجے میں بولے تھے۔

''میں اپنے طور پر بھرپور کوشش کر رہا ہوں، مگر جو شخص ریڈیو اسٹیشن پہنچا، جو فیکٹری میں اور جو آپ کے دوستوں تک، وہ کوئی ایک نہیں ہے، میں نے جس سے بھی اس شخص کا حلیہ پوچھا ہر کوئی الگ الگ ہی اس کے حلیے کے بارے میں بتا رہا ہے، اسی لیے اس شخص تک پہنچنا مشکل ہو رہا ہے، لیکن پھر بھی اگر کوئی ایک بھی شخص ہاتھ آ گیا تو اس کی پشت پر موجود بندے تک پہنچنا آسان ہو جائے گا۔ وہ بندہ جو بھی ہے، خود سامنے نہیں آنا چاہتا اس لیے وہ صرف ذرائع استعمال کر رہا ہے۔'' ہارون نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔

''مجھے تمہاری اور ایبک کی بہت فکر رہنے لگی ہے، یہ سب ٹھیک نہیں ہے، تم دونوں کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔'' ہشام قزلباش کے چہرے پر فکر کے جال پھیلے تھے۔

''پاپا! آپ پریشان نہ ہوں اتنے دن گزرنے کے بعد مجھے یقین ہو چکا ہے کہ وہ شخص جو بھی ہے، اس کا مقصد ہمیں نقصان پہنچانا ہرگز نہیں ہے۔ میں کوشش میں لگا ہوں مگر کافی دن سے اس شخص کی طرف سے مجھ تک کوئی سن گن نہیں پہنچی یقیناً اسے بھنک لگ گئی ہے کہ میں حرکت میں آ گیا ہوں، اس لیے وہ شانت ہو گیا ہے۔''

''پھر اور کیا مقصد ہو سکتا ہے؟'' ہشام قزلباش الجھے تھے تب ہی صبیحہ وہاں آ گئی تھیں لہٰذا خاموش ہونا پڑا تھا۔ ہارون نے ان کے لیے دوسری چیئر قریب ہی کھینچ لی تھی۔

''ہارون! تم ابھی تو ریڈیو نہیں جاؤ گے؟''

''نہیں، ابھی تو ایک گھنٹہ ہے جانے میں آپ کو کوئی کام تھا؟''

''نہیں، دراصل خرمن آرہی ہے، پوچھ رہی تھی تمہارا میں نے کہہ دیا کہ تم گھر میں ہی ہو۔''

''خرمن! کا آج ریڈیو پر پروگرام نہیں ہوتا؟'' ہشام قزلباش نے ہارون سے پوچھا تھا۔

''نہیں، آج اس کا کوئی پروگرام نہیں، مگر عارش تو ابھی اپنے انسٹی ٹیوٹ سے فری ہوا ہوگا، خرمن کو کوئی کام ہے، مجھ سے؟'' اس وقت خرمن کی آمد کا سن کر وہ کچھ حیران ہوا تھا۔

''میں فون پر خرمن کو بتا رہی تھی کہ تمہارے پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، تو اس نے کہا کہ وہ عارش کے گھر آنے کے بعد اس کے ساتھ ہی یہاں ان کی طبیعت پوچھنے آئے گی۔'' ان کی تفصیل پر ہشام قزلباش گہری سانس لے کر رہ گئے تھے۔

''پاپا! آپ کی طبیعت خراب ہے؟'' ہارون نے حیرت سے ان کو دیکھا تھا۔

''شام کو جو سر میں میرے درد ہوا تھا اب اس کا بہانہ بنا کر یہ عارش اور خرمن کو بھی ڈسٹرب کر چکی ہیں۔'' ہشام قزلباش کے خشمگین لہجے پر ہارون نے مسکراتے ہوئے صبیحہ کو دیکھا تھا۔

''نہیں آنے جانے کے یہی بہانے ہوتے ہیں وہ خود کہہ رہی تھی تو کیا میں اسے آنے سے منع کر دیتی؟'' صبیحہ کو برا لگا تھا تو ناراضی سے بولی تھیں۔

''وہ اس لیے آرہی ہے کہ آپ بھی ایسا ہی چاہتی ہوں گی، عارش تھکا ہوا گھر واپس آئے گا اور آرام کرنے کے بجائے اپنی بیوی کے ساتھ یہاں آئے گا، ایسے انسان کی عیادت کرنے جو بیمار ہی نہیں ہے۔'' ہشام قزلباش کے زچ ہونے پر ہارون دھیرے سے ہنستا جانے کے لیے اٹھ گیا تھا۔

''خرمن جیسے ہی آئے گی میں آپ کو اطلاع دے دوں گا۔'' صبیحہ سے مخاطب ہوتا وہ اسٹڈی روم سے نکل گیا تھا۔

''سچ پوچھیں تو میرا دل خرمن کی طرف بہت کھنچتا ہے، آپ نے اس کی آنکھیں دیکھی ہیں؟ کتنی مانوس لگتی ہیں، اس کی آواز، اس کا مسکرانا اس کی خوشبو، سب کچھ مجھے اپنا اپنا لگتا ہے، وہ قریب ہوتی ہے تو میرے دل کا خالی پن دور ہو جاتا ہے، کتنی رونق ہو جاتی ہے اس کی وجہ سے روشنیاں سی بھر جاتی ہے گھر میں۔'' عجیب سی کیفیت میں وہ بولتی جا رہی تھیں، ہشام قزلباش کچھ بول نہیں سکے تھے، ان کے سامنے کس وقت خرمن کا مسکراتا چہرہ آ گیا، وہ خود نہیں جانتے تھے۔

''وہ دونوں آ گئے میں دیکھتی ہوں۔'' ہارون کی آواز پر وہ خوشی سے چمکتے چہرے کے ساتھ اسٹڈی سے نکل گئی تھیں، مگر ہشام قزلباش گہری سوچ میں ہی گم تھے۔

☆......☆

تیز قدموں سے سیڑھیاں اترتا وہ ٹھٹک کر رکا تھا سامنے سے ہی اسے خرمن اور بیلا کے پیچھے ہی اسے تیزہ کا چہرہ دکھائی دیا تھا۔

''نیچے آ جائیں فریز کیوں ہو گئے؟ حالات کا سامنا کبھی تو کرنا ہی ہے تو آج کیوں نہیں۔'' اس کی دنگ کیفیت پر خرمن ہنستے ہوئے بولی تھی، جب کہ وہ شرمندہ سی مسکراہٹ کے ساتھ ان تینوں کے پیچھے ہی لاؤنج میں آیا تھا، جہاں صبیحہ نے سب سے پہلے آگے بڑھ کر خرمن کو گلے لگایا تھا۔

''ہم تینوں قریبی مارکیٹ میں شاپنگ کے لیے گئے تھے واپسی میں سوچا یہاں دھاوا بول دیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''ان سے ملیں یہ بیلا ہیں، عثمان کو تو آپ نے ریڈیو پر سنا ہے یہ ان کی زوجہ محترمہ ہیں۔'' خرمن کے تعارف کروانے پر صبیحہ نے اسے بھی گلے لگایا تھا۔

''اور ان کو تو ہارون بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔'' خرمن نے مسکراتے ہوئے جہاں منیزہ کو گڑبڑا دیا تھا، وہیں ہارون کی مسکراہٹ بھی غائب ہوئی تھی، کیونکہ صبیحہ کافی حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھیں۔

''ہارون تعارف کروائیں اس کا آنٹی سے۔'' شرارتی نظروں سے خرمن نے اس کے گڑبڑائے تاثرات کو دیکھا تھا۔

''میں منیزہ ہوں، عارش اور خرمن کی مشترکہ کزن، آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ خرمن سے بہت ذکر سنا ہے۔'' ہارون کی مشکل آسان کرتے ہوئے منیزہ خود ہی اپنا وہ تعارف کرواتی شاپرز سمیت جس طرح ان کے گلے لگی تھی، خرمن نے کھل کھلا کر ہنستے ہوئے ہارون کو دیکھا تھا، جو خشمگین نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''تم تینوں تھک گئی ہوگی، اچھا ہوا جو یہاں آ گئیں، اب آرام سے بیٹھو جانے کی جلدی مت کرنا۔'' صبیحہ نے تاکید کی تھی۔

''بالکل میں تو آپ کے ہاتھوں سے بنی اچھی سی چائے ضرور پیوں گی۔'' شاپر میں کچھ ڈھونڈتے ہوئے وہ بولی تھی۔

''یہ شال میں آپ کے لیے لائی ہوں۔'' وہ شال ان کو دینے کے لیے ان کے قریب جا بیٹھی تھی۔

''یہ میرے لیے کیوں لائی ہو تم؟''

''اس لیے کہ یہ مجھے آپ کے لیے اچھی لگی تھی، آپ کو پسند نہیں آئی؟''

''یہ بہت خوبصورت شال ہے، دیکھو ہارون! کتنی اچھی ہے یہ شال۔'' خوش ہوتے ہوئے صبیحہ نے اسے مخاطب کیا تھا جو وہاں سے جانے کے لیے پر تول رہا تھا۔

''ہارون کو بھی پسند آئے گی آخر یہ منیزہ کی پسند ہے۔'' خرمن کے معنی خیز لہجے پر وہ پھر گڑبڑایا تھا۔

''منیزہ خود اتنی اچھی ہے پھر اس کی پسند کیسے بری ہو سکتی ہے۔'' صبیحہ کے تعریفی لہجے پر منیزہ جھینپ سی گئی تھی۔

''ہارون! منیزہ کو کچھ اچھی کتابیں چاہییں اور آپ کے گھر میں تو پوری لائبریری موجود ہے۔ اسے وہاں لے جائیں۔'' مسکراہٹ چھپاتے ہوئے خرمن نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''ہارون! منیزہ کو جو کتاب پسند آئے دے دینا، اپنے پاپا کی فکر مت کرنا۔'' ہارون کو تاکید کرتے ہوئے صبیحہ نے منیزہ کو دیکھا تھا۔

''دراصل ان کو اپنی کتابوں سے بہت لگاؤ ہے، ایک کتاب بھی ادھر سے ادھر نہیں ہونے دیتے مگر تمہیں جتنی چاہییں لے لینا۔'' ان کے کہنے پر منیزہ نے اثبات میں سر ہلا کر ہارون کو دیکھا تھا۔

''آیئے۔'' ناچار وہ سنجیدہ تاثرات کے ساتھ اسے اپنی ہمراہی میں لیے اسٹڈی روم تک آیا تھا۔

''خرمن نے مجھے اچھی طرح مشکوک کر دیا ہے ماما کی نظروں میں۔'' اس کی تشویش پر منیزہ مسکرائی تھی۔

''کتابوں کا تو صرف بہانہ تھا، دراصل میں یہاں خرمن کی خواہش پر آپ کو خرمن کی طرف رات کے کھانے پر انوائیٹ کرنے آئی ہوں اور آپ کو آنا ہے، میں آپ کا انتظار کروں گی۔''

''سوری، میں یہ انویٹیشن قبول نہیں کر سکتا، عارش کی موجودگی میں پھر میری زبان پھسل گئی، تو میری وجہ سے تمہیں بھی شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔'' ہارون نے فوراً انکار کیا تھا۔

''اگر آپ نہیں آئے تو خرمن یہی سمجھے گی کہ آپ کے دل میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں، مجھ سے زیادہ آپ کو عارش کی فکر ہے۔'' منیزہ نے خفت سے کہا تھا۔

''بات صرف اتنی ہے کہ میں عارش کی نظروں میں اپنا امیج خراب نہیں کرنا چاہتا، خرمن اس کے سامنے بھی مجھے نہیں چھوڑے گی۔''

''ٹھیک ہے پھر جیسی آپ کی مرضی۔'' سرد لہجے میں بولتی وہ جانے کے لیے پلٹی تھی کہ بے اختیار ہارون نے اس کی کلائی گرفت میں لے لی تھی۔

''تم کون ہوتی ہو، یہ تم اچھی طرح جانتی ہو، مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' گہری نظروں سے ہارون نے اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھا تھا۔

''کتابیں نہیں لیں تمہیں؟''

''نہیں، میرا ہاتھ چھوڑیں۔'' منیزہ نے ہاتھ اس کی گرفت سے نکالنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

''تم مجھ سے ناراض ہو گئی ہو؟'' اس کے ناراض تاثرات کو دیکھتا وہ دھیرے سے ہنسا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے کہ تمہیں خود سے ناراض کر کے میں تمہیں یہاں سے جانے دوں گا۔'' اس کے گمبھیر لہجے اور گہری نظروں نے منیزہ کے دل کی دھڑکنیں روکی تھیں۔

''نہیں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔'' وہ بمشکل ہی بول سکی تھی، جب کہ دلچسپی سے اس کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتا وہ چونک کر اسٹڈی روم کے کھلے دروازے کی طرف متوجہ ہوا تھا، جہاں ایبک کی آنکھیں حیرت سے پوری کھلی ہوئی تھیں، سرعت سے منیزہ کی کلائی چھوڑتا وہ دور ہوا تھا اور جو کتاب ہاتھ میں آئی اس نے منیزہ کو تھما دی تھی۔

''بس ایک کافی ہے۔'' منیزہ نے فق چہرے کے ساتھ کہا تھا اور اگلے ہی پل تیزی سے سر جھکائے اسٹڈی سے نکل گئی تھی۔

''کیا ہو رہا تھا یہاں؟'' ایبروسکیڑ کر ایبک نے اسے گھورا تھا جو خود کو نارمل کر چکا تھا۔

''کیا مطلب، کیا ہو رہا تھا، کیا دیکھ لیا تم نے؟'' ناگواری سے اس نے ایبک کو دیکھا تھا۔

''وہی دیکھا ہے جو یہاں ہو رہا تھا، سب سمجھ میں آ رہا مجھے۔''

''ادھر آؤ ذرا۔'' ہارون جتنی تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا وہ اس سے زیادہ تیزی سے پلٹ کر باہر دوڑا تھا۔

☆......☆

''منیزہ! جلدی سے یہ فش فرائی کر کے ایک طرف کرو، میری طبیعت بیزار ہو رہی ہے۔'' سلاد بنانے کی تیاری کرتی خرمن اکتا کر بولی تھی۔

''تمہارے میاں جی کی فرمائش پر ہی یہ کام کر رہی ہوں ذرا صبر کر لو۔'' خرمن کو گھورتے ہوئے اسے ہوشیار ہونے کا موقع بھی نہیں ملا تھا، عارش ایک اور مچھلی اڑا لے گیا تھا۔

''عارش! اب تم نے یہ حرکت کی تو مچھلی سمیت فرائی پین تمہارے سر پر الٹ دوں گی۔'' منیزہ کی جھنجلاتی آواز پر عثان تیزی سے کچن میں داخل ہوا تھا۔

''عارش نے کس کو چھیڑا ہے یہاں؟''

''مجھے چھیڑا ہے، تمہارے چھکے کیوں چھوٹ گئے؟'' خرمن نے تپ کر اسے دیکھا تھا۔

''شکر ہے خدا کا، تمہیں چھیڑنا تو اس پر واجب ہے۔ میں اس لیے گھبرا کر یہاں دوڑا آیا ہوں کہ میرا سامان بھی یہاں موجود ہے۔'' اطمینان کی سانس لیتے ہوئے اس نے بیلا کو دیکھا تھا مگر اگلے ہی پل اس کی آنکھیں ابل پڑی تھیں، ٹیبل کے گرد بیٹھی بیلا بغیر پلک جھپکائے بڑی توجہ سے عارش کو دیکھ رہی تھی جو اپنی پلیٹ پر جھکا مچھلی سے انصاف کرنے میں اردگرد سے ہی غافل تھا، جب کہ عثمان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتی خرمن استہزائیہ انداز میں ہنستی اسے مزید کھولا گئی تھی۔

''نگل جاؤ اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں سالم نگل جاؤ، مجھے تو کبھی اتنی فرصت سے نہیں دیکھا تم نے۔'' عثمان کے جلے بھنے انداز پر عارش نے حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''سچ کہتی ہوں، میں نے کبھی زندگی میں کسی کو اتنی نفاست اور خوبصورتی سے مچھلی کھاتے نہیں دیکھا۔'' بیلا جس طرح اشتیاق سے بولی تھی، خرمن کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

''تمہیں تو دیکھ لوں گا میں ذرا استانی کے آستانے سے باہر نکلو۔'' عارش کو دھمکاتے ہوئے وہ خرمن کے ہاتھ سے بچتا منیزہ کی طرف گیا تھا۔

''کیا بات ہے؟ مچھلی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو تمہیں ہی فرائی کر دوں گی۔'' اس کے ارادے بھانپتے ہی منیزہ نے دھمکی دی تھی۔

''عارش کو تو دے دی تم نے۔'' وہ بگڑا تھا۔

''اس نے دی نہیں ہے، میں جھپٹ کر خود لایا ہوں۔'' عارش نے اطلاع دی تھی۔

''یہی طریقہ ٹھیک ہے، شرافت کی زبان کسی کو سمجھ میں کب آتی ہے۔''

''زیادہ مت بولو، یہ مچھلی اب کھانے کے وقت ہی ملے گی، چپ کر کے بیٹھ جاؤ۔'' منیزہ نے اسے گھرک دیا تھا۔

''بات سنو، منیزہ! میرے سامنے زیادہ زبان چلائی تو کسی مچھلی والے سے تمہاری شادی کروا دوں گا، پھر لگاتی رہنا ساری زندگی مچھلی پر بیسن۔'' عثمان جل کر بولا تھا جب کہ منیزہ کھلکھلا کر ہنسی تھی تب ہی کال بیل کی آواز پر عثمان ہی کچن سے نکلا تھا اور فاران کے ہمراہ کچن میں واپس آیا تھا۔

''فاران! یہ چوٹ کیسے لگی تمہارے چہرے پر؟'' بیلا نے دہل کر پوچھا تھا۔

''آج میچ کے دوران مخالف ٹیم سے ہماری لڑائی ہو گئی تھی، جم کر ہاتھا پائی ہوئی تھی۔'' فاران نے بتایا تھا۔

''ابھی تو تمہارے فریکچر ٹھیک ہوئے ہیں اور تم میچ کھیلنے چلے گئے، ابھی بھی تم ٹھیک طرح چل نہیں پا رہے۔'' عارش نے خشمگین نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''ایسی کنڈیشن میں تم نے رنز کیسے بنائے؟ پچ پر دوڑتے ہوئے عجیب ہی لگ رہے ہو گے، تم کہیں جا رہے ہو گے، پیر کہیں جا رہے ہوں گے۔'' عثمان کے تبصرے پر سب بے ساختہ ہنستے تھے جب کہ فاران بے چارہ شرمندہ ہو گیا تھا، تب ہی کال بیل کی آواز پر عثمان کو پھر باہر جانا پڑا تھا۔

''مبارک ہو، ہارون تشریف لا چکے ہیں۔'' بیلا نے اسے سنایا تھا، جو خرمن کے مسکرانے پر مزید جھینپ گئی تھی، عثمان کے ہمراہ کچن میں ہی آتے ہارون کی پہلی نظر منیزہ کے مسکراتے چہرے پر ہی پڑی تھی، ہارون سے ملتے ہوئے عارش کی نظر ایک ٹک گئی تھی جو سیدھا ٹیبل کے قریب کھڑے فاران کی طرف بڑھا تھا، اگلے ہی

پل وہ دونوں ایک دوسرے کے گریبان پکڑتے گھتم گتھا ہو چکے تھے، ایک لمحے کے لیے تو سب حق دق رہ گئے تھے، مگر اگلے ہی پل عثمان نے تیزی سے فاران کو اور ایبک کو عارش نے پکڑ کر انہیں الگ الگ کیا تھا، دو منٹ میں ہی وہ دونوں ایک دوسرے کے حلیے بگاڑ چکے تھے۔

"مجھے چھوڑیں ماموں! میں اس کی جان لے لوں گا اس نے مجھے گالی دی تھی۔" عثمان کی گرفت میں بے قابو ہوتا فاران خونخوار نظروں سے ایبک کو دیکھ رہا تھا۔

"تم لوگ بے ایمان ہو، جب ہارنے لگتے ہو تو چیٹنگ کرتے ہو بلڈی......"

"ایبک! کس قسم کی خراب زبان استعمال کر رہے ہو، معافی مانگو اس سے۔" ہارون نے درمیان میں ہی ایبک کو ٹوکا تھا، جو فاران کی گردن تک پہنچنے کے لیے عارش کی گرفت سے نکلنے کی کوشش میں تھا۔

"کنٹرول کرلو یار! اس فتنے کے فرنیچر زحال ہی میں ٹھیک ہوئے ہیں، دوبارہ کوئی ٹوٹ پھوٹ ہو گئی تو اس کا باپ مجھے نگل جائے گا۔" فاران کو قابو میں رکھتے عثمان نے التجائی نظروں سے بگڑے جاتے ایبک کو دیکھا تھا۔

"تم دونوں انسان بنتے ہو یا نہیں، ایک تم میدان کی لڑائی گھر میں لے آئے اوپر سے بڑوں کی موجودگی میں اتنی بدتمیزی کے مظاہرے کر رہے ہو۔" درمیان میں آتی خرمن نے بری طرح ان دونوں کو گھرکا تھا۔

"چھوڑ دو ان دونوں کو دیکھتی ہوں کیسے ایک دوسرے کے گریبانوں تک پہنچتے ہیں ابھی کے ابھی قینچی سے دونوں کی زبانیں نہیں، لمبی لمبی زلفیں کاٹ دوں گی، تمہارے ماں باپ سے بھی بات کرلوں گی، تم دونوں کو گنجا کرنے کے بعد۔" خرمن کی دھمکی پر عثمان بمشکل ہی روکتا ہارون کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"اب کھڑے کھڑے دیکھ کیا رہے ہو، ایک دوسرے سے اپنے بدلے لے چکے ہو تو کوئی کسی سے معافی نہیں مانگے گا، فوراً ایک دوسرے کے گلے لگ جاؤ اور پورے پانچ منٹ تک لگے رہنا۔ جلدی ورنہ قینچی تیار ہے۔" خرمن کے مزید دھمکانے پر ہی وہ دونوں ایک دوسرے کو ناگواری سے دیکھتے گلے لگ گئے تھے۔

"اب جب تک میں نہ کہوں الگ ہونے کے لیے، اسی طرح کھڑے رہنا۔" سختی سے ان دونوں کو ہدایت دیتی وہ ہارون کے مسکراتے چہرے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"اب آپ لوگ اطمینان سے جاکر بیٹھیں، کھانا بس تیار ہے۔" اس کے مسکراتے لہجے پر وہ عارش اور عثمان کے ہمراہ کچن سے نکل گیا تھا۔

"پانچ منٹ پورے نہیں ہوئے ابھی۔" کسمساتے ہوئے فاران کی پشت پر ٹھوکا لگاتے ہوئے وہ منیزہ اور بیلا کی طرف گئی تھی، جو اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

بہت ہی خوشگوار ماحول میں کھانا تناول کیا گیا تھا۔ خرمن نے بطور خاص فاران اور ایبک کو ساتھ ساتھ بٹھایا تھا کھانے کے دوران ہارون کی طرف سے ملنے والے ہلکے سے لیکچر نے بھی ان دونوں پر کافی اچھا اثر ڈالا تھا، کھانے کے بعد وہ دونوں چپکے سے ٹیرس پر چلے گئے تھے مگر خرمن کی نظروں سے دور نہیں۔

"عثمان! ذرا کافی ان دونوں کو بھی دے آؤ گے۔" کافی سرو کرتے ہوئے خرمن نے پوچھا تھا اور مگ اسے تھما دیئے تھے۔

"تمہارا طریقہ کار تو بڑا مفید ثابت ہوا ورنہ وہ دونوں تو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آرہے تھے۔" ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''خرمن! پانچ منٹ میں تم نے ان دونوں کو ایک دوسرے کی محبت میں پاگل کر دیا ہے، لگے پڑے ہیں باتوں میں۔'' واپس آتے عثمان نے اطلاع دی تھی، مگر تب ہی ہارون کی مسکراہٹ معدوم ہو گئی تھی، جب اس نے بڑی بے تکلفی سے عثمان کو منیزہ کے قریب بیٹھتے دیکھا تھا، کسی نے محسوس نہیں کیا مگر منیزہ کی نظروں سے ہارون کے تاثرات کیسے چھپ رہ سکتے تھے، وہ تو اس کی ایک ایک جنبش سے اس کے موڈ کو بھانپ جایا کرتی تھی، حقیقتاً پہلی بار منیزہ کو عثمان کا اتنے قریب ہونا جہاں ناگوار گزر رہا تھا، وہیں وہ یہ بھی جانتی تھی کہ عثمان کتنا لاابالی اور دل کا صاف انسان ہے مگر یہ بات اس وقت وہ ہارون کو نہیں بتا سکتی تھی، جو اس جانب دیکھنے سے اب گریز کرتا مکمل عارش اور خرمن کی طرف متوجہ تھا۔

''ہارون! آپ یہ تو بتایئے کہ آپ کو کھانا کیسا لگا، منیزہ نے بہت محنت اور توجہ سے کھانا بنایا تھا۔'' خرمن نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے منیزہ کی طرف متوجہ کیا تھا۔

''کھانا بہت اچھا بنا تھا، مجھے پسند آیا مگر کھانا تم بناتیں تو میں اور زیادہ تعریف کر سکتا تھا۔'' ہارون نے سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ بولتے ہوئے ایک اچٹتی نگاہ منیزہ پر ڈالی تھی، جو نظر جھکائے کافی کے سپ لے رہی تھی۔

''مجھے تو منیزہ کی تعریف کرنی ہی پڑے گی، آخر ایک وقت تھا جب میں اس کی زندگی میں تھا۔'' منیزہ کے پیچھے صوفے کی پشت پر بازو پھیلاتا عثمان بمشکل مسکراہٹ روک سکا تھا، کیونکہ خرمن کے ساتھ ساتھ عارش نے بھی اسے بڑی خونخوار نظروں سے دیکھا تھا۔

''تم اپنی بیوی کی زندگی میں ہو اتنا کافی ہے۔'' منیزہ نے مدھم آواز میں گھرکتے ہوئے اس کے مسکراتے چہرے کو گھورا تھا، ہارون کو کچھ سنائی تو نہیں دیا تھا مگر ان دونوں کو ایک دوسرے کی طرف متوجہ دیکھ کر وہ چہرے کے بدلے تاثرات کے ساتھ کافی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا، تب ہی وہاں بیلا کو آتے دیکھ کر عثمان نے اسے اپنی جگہ پر آ کر بیٹھنے کی آفر کی تھی اور خود ہارون کی طرف چلا گیا تھا، منیزہ نے شکر کی سانس لی تھی، مگر اس کا دل اندیشوں میں گھر گیا تھا، کیونکہ ہارون جب تک وہاں رکا غلطی سے بھی اس نے منیزہ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

☆......☆

رائل بلیو کلر کے ہلکے سے فینسی لباس میں وہ بہت عجلت میں نظر آ رہی تھی، آج ریڈیو پر اس کا کوئی شو نہیں تھا، مگر ریڈیو پر یہ اس کا آخری دن تھا جس میں ہارون نے نہ صرف اپنے شو میں اسے انوائیٹ کیا تھا، بلکہ ریڈیو پر ایک چھوٹی سی کیٹ ٹو گیدر بھی رکھی تھی اسے طویل چھٹیوں تک سی آف کرنے کے لیے، مگر یہ بات اس نے عارش سے چھپا رکھی تھی، حالانکہ وہ شدت سے چاہتا تھا کہ خرمن ریڈیو سے رخصت لے، مگر وہ اسے فورس نہیں کر پا رہا تھا اور یہ خرمن بھی جانتی تھی، کال بیل کی آواز پر وہ تیزی سے کمرے سے نکلی تھی۔

''حد کرتے ہو تم بھی، اتنا وقت لگا دیا، میں نے بتایا بھی تھا کہ مجھے آج ریڈیو جانا ہے، لیٹ ہو گئی تو ہارون کیا سوچیں گے۔'' اس کے پیچھے ہی کمرے میں آتی وہ ناراضی سے بولی تھی۔

''اب بالکل وقت نہیں ہے، کھانا بھی نہیں ملے گا، یہ پانی پیو اور پھر چلو۔'' پانی کا گلاس اسے تھماتی وہ واپس ڈریسنگ کی طرف گئی تھی۔

پانی کے گھونٹ لیتا وہ خاموشی سے آئینے میں اس کے جھلملاتے عکس کو دیکھتا رہا تھا۔ آگہی کے کھلتے در اس کا چین سکون لوٹ چکے تھے پھر وہ جو بہت نازک دل و جاں رکھتی تھی کس طرح آگہی کے عذاب کو قبول کر سکے گی۔ دوسری جانب وہ بالوں میں برش پھیرتی اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ جو گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے ایک خاموش

مگر عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتا دور ہو گیا تھا۔
''کیا ہوا ہے تمہیں؟'' آگے بڑھ کر خرمن نے اس کا رخ اپنی طرف کیا تھا۔
''اتنے خاموش کیوں ہو؟ پریشان کیوں نظر آ رہے ہو؟'' اس کی تشویش بھری نظروں پر عارش نے ایک گہری سانس لی تھی۔
''میں تمہارے لیے پریشان ہوں تو ظاہر ہے چہرے سے بھی پریشان دکھائی دوں گا۔ ریڈیو تمہیں مجھ سے زیادہ عزیز ہے۔ اسی وجہ سے نہ تم ماں کی بات سنتی ہو نہ میری بات سمجھتی ہو۔ میرے ساتھ باہر جانے کے لیے تمہارے پاس وقت نہیں ہے مگر ریڈیو جانے کے لیے تم ہر وقت تیار رہتی ہو۔ نہ میری طرف دیکھتی ہو نہ میرے ساتھ کھانا کھاتی ہو۔ بس ریڈیو یاد رہتا ہے جہاں تم مجھے چھوڑ کر چلی جاتی ہو۔'' اس کے روٹھے انداز اور شکایتوں پر وہ جو دنگ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی بے ساختہ ہنستے ہوئے اس کے قریب ہو گئی تھی۔
''آج کیوں طعنے دے رہے ہو؟ ویسے تمہاری ان شکایتوں میں جھوٹ کی بہت زیادہ آمیزش ہے اور میں تمہیں کب چھوڑ کر جاتی ہوں؟ صرف ہفتے میں تین دن تو ایسا ہوتا ہے۔'' اس کے گریبان سے اپنا رخسار سہلاتی وہ یاد دلا رہی تھی۔
''مگر اب آگے تین دن بھی ایسا نہیں ہو گا سنا تم نے۔'' اس کے ریشمی بالوں کی مہک سانسوں میں اتارتا وہ تنبیہ کر رہا تھا۔
''نہیں مجھے کچھ نہیں سننا۔'' اس کے گریبان سے چہرہ لگاتے وہ ہٹ دھرمی سے بولی تھی جب عارش نے اس کے بال نرمی سے مٹھی میں جکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف اٹھایا تھا۔
''تو تم نہیں سنو گی میری بات۔'' عارش کی نظریں اس کے مسکراتے چہرے کی رونق مزید بڑھاتے جھلملاتے ماہ نیم پر ٹھہر گئی تھیں۔ بے اختیار اس کے لب اس کی ٹھنڈی چاندنی کو سمیٹنے کے لیے رک گئے تھے اور پھر آنکھوں تک پہنچ گئے تھے۔ بند آنکھوں سے اس کے لمس کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے خرمن کی سانسیں رک گئی تھیں۔
''عارش! مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' اس نے کہنا چاہا تھا مگر آواز بند ہو گئی تھی۔ اس کے نازک کلیوں جیسے کانپتے ہونٹ مقفل ہو چکے تھے۔
''میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔'' اس کا ہاتھ جھٹکتی وہ شدید غصے میں اپنے اسکارف کی جانب گئی تھی جو بیڈ پر ہی رکھا تھا۔
''مت دیکھو! میری بیٹی میری شکل دیکھے گی۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔'' مسکراتی نظروں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ جو شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھتی ڈریسنگ کی طرف جا رہی تھی۔
''میں اب ماں سے بات کرنے والا ہوں۔ میرے کہنے پر تو وہ ہمیشہ کے لیے ریڈیو سے تمہیں آف کروا سکتا ہے۔'' ڈریسنگ سے ہیئر برش اٹھاتا وہ اسے مزید تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔
''تمہیں کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں آف لے چکی ہوں۔ آج ریڈیو پر میرا آخری دن ہے۔ ہارون نے مجھے اپنے شو میں بلایا ہے۔'' اسکارف چہرے کے گرد ٹھیک کرتی وہ اسے حیران کر گئی تھی۔ جو بال سنوارنا بھول کر بے یقینی سے اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

(جاری ہے)

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین

مکمل ناول

میرے نصیب کا خوش بخت ستارہ

زمانہ قدیم میں مشرقی ایرانی قبائل دریائے سندھ اور کوہ ہندوکش کے درمیان علاقے میں آ کر آباد ہو گئے تھے جہاں مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں۔ پشتو زبان ان ہی زبانوں کی اساس ہے۔ آج وہاں کے



قبائلی علاقوں میں بہت زیادہ ترقی ہو چکی ہے اور وہاں کے سرداروں کی سوچ میں کافی وسعت آ گئی ہے۔ ناظم کا تعلق بھی اسی قبیلے سے ہے مگر ان کی سوچ اپنے آباؤ اجداد سے تبدیل ہو چکی ہے۔ عام روایتی جاگیرداروں کے برعکس انہوں نے اپنے علاقے میں ہر طرح کی جدید سہولت فراہم کی ہے اور لڑکیوں کے لیے ہائی اسکول کا قیام بھی عمل میں آ گیا ہے جہاں علاقے کی لڑکیاں تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو رہی ہیں۔ قبیلے کے تمام لوگ ناظم خان کی بہت عزت کرتے ہیں۔ ناظم خان کو اللہ نے دو بیٹے اور ایک بیٹی سے نوازا ہے۔ بڑا بیٹا کاظم خان تعلیم سے فارغ ہو کر اب اپنے والد کے ساتھ خاندانی زمینوں اور جرگے کے معاملات دیکھتے ہیں۔ گل بی بی جنہیں سب "مورے" کہہ کر پکارتے ہیں ان کی شادی اپنے چچازاد سے ہو گئی مگر پانچ سال بعد وہ بیوگی کی چادر اوڑھے اپنے تین سالہ بیٹے شہریار خان کے ساتھ دوبارہ باپ کی دہلیز پر آ گئیں۔ انہوں نے بھری جوانی میں یہ دکھ بڑے حوصلے اور صبر سے سہا اور اللہ کی رضا میں راضی ہو گئیں جبکہ سب سے چھوٹے صارم خان آج کل شہر میں مقیم ہیں جہاں وہ اپنی ٹریننگ مکمل کر رہے ہیں۔



پولیس ڈیپارٹمنٹ کا انتخاب خود ان کی اپنی ذاتی خواہش ہے جس پر ناظم خان کو کوئی اعتراض نہیں۔ آج کل ان کا نٹ کھٹ سا بھانجا جو گاؤں سے انٹر کر چکا ہے اب مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے ان کے ساتھ ہی سکونت پذیر ہے۔

☆......☆

''ماما آج ڈنر آپ بنائیں گی۔ صبح بریک فاسٹ بھی میں نے ہی بنایا اور پھر برتن بھی دھوئے آپ نے تو مجھے اپنی ماسی بر کتے بنا دیا۔ اب مورے کا فون آئے تو دیکھئے گا کیسے شکایت کرتا ہوں آپ کی' جناب خود تو رات گئے لوٹتے ہیں اور پھر صبح کا ناشتہ کر کے ہیرو بن کر چلے جاتے ہیں اور میں بے چارہ جیسے تیسے کالج پہنچتا ہوں' جہاں لڑکیاں مجھے گھاس ہی نہیں ڈالتیں' آہ! ایک وہ علینہ کسی طرح دوست بننے پر راضی ہوئی' تو آپ کی وجہ سے یہ چانس بھی مس ہو گیا۔'' شیری کافی دیر سے صارم کو اپنی لن ترانیاں سنا رہا تھا اور صارم جو کوئی اسپورٹس چینل دیکھ رہا تھا' اس کی باتیں سن کر صرف مسکرائے جا رہا تھا۔ اسے اپنا یہ نٹ کھٹ شرارتی سا بھانجا بہت عزیز تھا۔

''ارے آپ مسکرا رہے ہیں۔ ظاہر ہے اتنی شاندار persnality جو ہے' تو اترائیں گے نہیں تو کیا کریں گے اونہہ۔'' شیری نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

''اور یہ بتائیں کیا ضرورت تھی آپ کو اس دن میرے کالج کے اندر آنے کی اور پھر علینہ سے ہیلو ہائے کرنے کی' قسم سے وہ تو آپ کی ہینڈسم پرسنالٹی میں ایسا کھوئی ہے کہ اس کی باتیں آپ سے شروع ہو کر آپ پر ہی ختم ہوتی ہیں۔ it is not fair mama۔'' شیری نے منہ بسور کر اس کے برابر صوفے پر گرتے ہوئے کہا۔

''اوہ تو شیری ڈیئر اپنے ماما کی شاندار شخصیت سے جیلس ہیں' تو بیٹا آپ بھی اپنے آپ کو میری طرح فٹ بنائیں' روز صبح میرے ساتھ جاگنگ پر چلیں اور شام کو جم جوائن کریں' دیکھنا پھر ایک علینہ ہی کیا کالج کی ساری لڑکیاں آپ پر جان چھڑکیں گی۔'' صارم نے اسے تسلی دیتے ہوئے گر کی بات بتائی۔

''ہائے سچ ماما! واقعی ایسا ہو سکتا ہے؟ یار ماما یہ ہے تو مشکل کام مگر میں یہ بھی کر گزروں گا' آخر آپ جیسے مستقبل کے ہینڈسم ڈی ایس پی کا بھانجا ہوں ان سے کم کیسے ہو سکتا ہوں۔'' شیری نے پر جوش ہوتے ہوئے کہا۔ صارم اس کے انداز پر ہنسنے لگا۔

''میں تمہیں اور بھی ٹریک بتا سکتا ہوں مگر اس کے لیے ایک شرط ہے۔'' صارم نے سسپنس پھیلاتے ہوئے کہا۔

''وہ کیا میں آپ کی ہر شرط مانوں گا۔'' شیری نے بے چینی سے پوچھا۔

''اوکے اب آپ رات کے ڈنر کی تیاری کریں' میں اپنے روم میں فریش ہونے جا رہا ہوں' جب ڈنر تیار ہو جائے تو مجھے انفارم کر دینا اور ہاں ڈنر میں چائنیز رائس اور فروٹ سیلڈ ضرور ہونے چاہیے۔'' صارم نے شیری کو اپنی شرط بتائی۔

''ماما!'' شیری نے احتجاج کیا۔

''ایک تو آپ روز لیٹ آتے ہیں' آج خوش قسمتی سے جلدی آ گئے ہیں تو مجھ پر رحم کھائیں۔'' مگر صارم اپنے روم کا دروازہ بند کر چکا تھا۔ شیری اس کی اس غداری پر بلبلا کر رہ گیا۔

”آخر ہے ناں پولیس والے‘ ان ہی کی طرح ہوشیار‘ کام نکلوانا تو کوئی آپ لوگوں سے سیکھے‘ پتہ نہیں میں کہاں پھنس گیا‘ جلدی سے میرا ایگزام مکمل ہو تو میں گھر جاؤں پھر آپ یہاں اکیلے سڑتے رہیے گا۔“ شیری کی بڑبڑاہٹ جاری تھی مگر دوسری طرف بھی صارم تھا مجال ہے جو اس پر کوئی اثر ہوا ہو وہ مزے سے شاور لینے چلا گیا۔ ابھی ایک کیس کی فائل بھی تیار کرنی تھی جو اس کی ٹریننگ کا اہم حصہ تھی‘ پھر اس کے بعد اسے عملی طور پر ڈی ایس پی کے طور پر تعینات کیے جانا تھا‘ وہ ابھی کیس کی تیاری کا سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے گاؤں سے ایسا فون آیا جس نے ان کی ہنستی بستی زندگی کو ایک دم تاریکی میں بدل دیا۔

”شہریار‘ شیری جلدی کرو‘ ہمیں فوراً گاؤں چلنا ہے۔“ شیری جو کچن میں تھا اس کی عجلت بھری آواز سن کر باہر آیا۔

”خیریت ماما! سب خیر تو ہے؟ کس کا فون آیا تھا؟“ شیری نے دریافت کیا۔

”خیریت نہیں ہے کچھ دن پہلے دوسرے گاؤں کے وڈیرے سے بابا کا جھگڑا ہوا تھا‘ جرگے نے صلح کروادی تھی مگر اب ڈاکوؤں نے حویلی پر حملہ کردیا ہے مجھے شک ہے کہ یہ اسی وڈیرے کی سیاست ہے۔ مورے کسی عزیز کی عیادت کے لیے گئی ہوئی تھیں‘ جہاں انہیں اس واقعے کی خبر ملی بڑی مشکلوں سے انہوں نے ہم سے رابطہ کیا ہے‘ ہمیں فوراً نکلنا ہوگا جلدی کرو میں نے اپنے ہیڈ آفس فون کرکے پولیس کی مدد مانگی ہے وہ لوگ بھی پہنچنے والے ہوں گے۔“ صارم نے جلدی جلدی اپنا والٹ موبائل اور گاڑی کی چابی لیتے ہوئے کہا۔ شیری تو یہ سب سن کر ہی حواس باختہ ہوگیا‘ پھر پتہ نہیں کس طرح وہ لوگ گاؤں پہنچے‘ وہاں ان کے لیے ایک بری خبر منتظر تھی پوری حویلی آگ کی لپیٹ میں تھی سب کچھ جل کر خاک ہوچکا تھا‘ اس کے پیارے بابا جان‘ پرشفیق بھائی اور بھابھی آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آچکے تھے‘ مورے جنہیں لوگوں نے بڑی مشکلوں سے سنبھال رکھا تھا‘ صارم کو دیکھ کر ضبط نہ کرسکیں اور اس سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ ہر آنکھ ان کے دکھ پر اشکبار تھی۔ صارم پر تو سکتہ طاری ہوگیا تھا اس پر خون سوار تھا‘ اپنے ہنستے بستے گھر کو کھنڈر میں تبدیل کرنے پر اس کا دل ماتم کر رہا تھا‘ وہ دوسرے گاؤں جاکر انتقام لینا چاہتا تھا مگر مورے نے اس کو اپنا واسطہ دے کر روک دیا۔

”صارم! میرے بھائی تو ہی ہمارے بابا کی آخری نشانی ہے‘ خدا کے لیے اگر تجھے کچھ ہوگیا تو میں زندہ نہیں رہ سکوں گی تجھے بابا جان کی قسم صبر کر اللہ ان کو نیست و نابود کرے گا‘ ہمارے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں کہ ہم ان کے خلاف آواز اٹھائیں کیونکہ سب لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ ڈاکو کسی غیر علاقے کے تھے‘ جو جلد ہی فرار ہوگئے تھے اور آگ بجلی کا سرکٹ شارٹ ہونے سے لگی ہے‘ پھر ہم کیسے ان کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں۔ تم سنبھالو اپنے آپ کو اب ہمارے پاس صبر کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔“ صارم نے مورے کے سمجھانے پر اس وقت تو خود پر قابو پالیا مگر وقت کے ساتھ ساتھ اس کا یہ بدلہ لینے کا ... اختیار کرتا گیا‘ اب وہ بہت کم گو ہوگیا تھا۔ شیری جو خود اس حادثے سے بکھر گیا تھا اپنے ماما کی حالت دیکھ کر ان ... چلتا۔

”شیری! تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ جب سے تم گاؤں سے آئے ہو بالکل خاموش ہو آج تمہاری پریزنٹیشن بھی متاثر کن نہیں تھی۔“ علینہ نے بریک میں شیری سے شکوہ کیا تو شیری بچوں کی طرح بلک بلک کر رو پڑا۔

”علینہ! ہم تباہ ہوگئے‘ ہمارا سب کچھ ختم ہوگیا۔“ پھر اس نے آہستہ آہستہ علینہ کو اپنے اوپر گزرنے والی

قیامت کی روداد سنادی جسے سن کر علینہ سکتے میں آ گئی۔
"علینہ! ماما تو اس حادثے سے بالکل ٹوٹ کر رہ گئے ہیں نہ انہیں اپنی صحت کا خیال ہے نہ کھانے پینے کا ہوش، رات گئے تک پتہ نہیں کن کن فائلوں میں سر کھپاتے رہتے ہیں اور صبح بغیر ناشتہ کیے منہ اندھیرے ہی نکل جاتے ہیں مجھے ان کی بہت فکر رہتی ہے۔"
"ہوں تم پریشان نہ ہو وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا مگر تم خود کو سنبھالو ورنہ ماما تمہاری حالت دیکھ کر اور پریشان ہو جائیں گے اور پھر مورے بھی تم لوگ کی وجہ سے بیمار ہو جائیں گی، ویسے ہی اس حادثے نے ان کا سب کچھ چھین لیا ہے، اب تم ہی ان کی امیدوں کا واحد سہارا ہو، چلو شاباش اللہ سب بہتر کرے گا۔" علینہ نے شہریار کو تسلی دیتے ہوئے کہا زبردستی چائے کے ساتھ اسنیک کھلائے۔ شیری اس کے خلوص پر اسے دیکھ کر رہ گیا، واقعی اچھے اور مخلص دوست غم اور پریشانی میں اللہ کی بڑی نعمت ہوتے ہیں۔
صارم آج آفس سے جلدی ہی نکل گیا تھا اسے ایک کیس کے سلسلے میں اندرون سندھ جانا تھا اسے پتہ چلا تھا کہ ایک پندرہ سالہ لڑکی کو اس کا نشئی باپ ایک 70 سالہ وڈیرے کے ہاتھوں شادی کے نام پر فروخت کر رہا ہے، تب سے اس کے دل میں آگ لگی تھی۔ ویسے بھی اسے ان جاہل اور قدامت پسند وڈیروں سے نفرت ہو گئی تھی، وہ زیادہ تر مظلوم اور غریب لوگوں کے کیس حل کرتا تھا اور لوگ بدلے میں اسے ڈھیروں دعائیں دیتے تھے۔ اسے ڈی ایس پی کے عہدے پر فائز ہوئے تین سال ہو گئے تھے۔ شیری کا گریجویشن بھی مکمل ہو چکا تھا مگر اس نے ماما کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی تھی وہ اپنے ماما کو مزید تنہائی کے حوالے نہیں کر سکتا تھا اور یہیں رہ کر ماس کمیونیکیشن میں ماسٹرز کرنے کا پروگرام بنایا، ورنہ اس کی خواہش abroad سے ڈگری لینے کی تھی۔ اس نے سوچا گھر جا کر تھوڑا آرام کرے گا اور پھر فریش ہو کر شام میں روانہ ہو جائے گا، گھر پہنچ کر اس نے شیری کو آواز دی۔ شیری تو اسے اتنی جلدی دیکھ کر ہی خوش ہو گیا تھا۔
"ماما! آج آپ کتنے دنوں بعد مجھ سے اس طرح بات کر رہے ہیں۔ سچ میں تو آپ کی کمپنی کے لیے ترس گیا تھا۔" شیری نے اپنائیت سے کہا۔ صارم نے اسے چونک کر دیکھا اسے احساس ہوا کہ گزرے ماہ و سال نے شیری کو جو کہ اس کا نٹ کھٹ سا بھانجا اور شرارتی دوست بھی تھا اسے کتنا اکیلا اور حساس کر دیا ہے اسے اپنی لاپروائی اور غفلت پر غصہ آیا۔
"شیری! ادھر آؤ میرے پاس۔" شیری اس کے پاس آ کر اس سے لپٹ گیا۔
"نہیں شیری یار! بہادر بنو۔" "تم اور مورے تو اب میرا حوصلہ اور امید ہو اور تم ہی کہتے ہو کہ تمہیں اپنے ماما جیسا بہادر اور ہینڈسم بننا ہے۔"
"مگر ماما..........!"
"بس اب کوئی پچھلی کرب ناک بات کا ذکر نہیں ہوگا، زندگی آگے بڑھنے کا نام اور تمہیں اپنی اسٹڈی مکمل کر کے ہمارے خوابوں کو پورا کرنا ہے، میرے ہمقدم چلنا ہے۔ اوکے! چلو اب جلدی سے لنچ کا انتظام کرو میں فریش ہو کر آتا ہوں۔" شیری اس کے پرانے انداز کو دیکھ کر سرشار ہو گیا۔ اسے علینہ کو بھی فون کر کے یہ خوشخبری سنانی تھی کہ اس کے ماما بالکل پہلے جیسے ہو گئے ہیں، جس طرح ان تین سالوں میں علینہ نے قدم قدم پر اس کی دلجوئی کی وہ اس کے خلوص اور دوستی پر فخر کرنے لگا تھا۔ صارم بھی اسے ہنستا دیکھ کر مسکرانے لگا۔ اپنے روم میں فریش ہونے چلا گیا۔ شیری کے سامنے تو اس نے خود کو کمپوز کر لیا تھا، مگر اس کا دل آج بھی اس

تکلیف دہ منظر کو نہیں بھولتا تھا۔ جب اس کے پیارے آگ کی لپیٹ میں تھے اور وہ بے بس تماشائی بنا کھڑا رہا۔ اب اس کے دل میں لگنے والی آگ ان دشمنوں سے انتقام کے بعد ہی ٹھنڈی ہو سکتی تھی۔ اسی سلسلے میں وہ ثبوت اکٹھے کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر سب کچھ اتنی پلاننگ سے ہوا تھا کہ کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔
پھر شیری کے ساتھ لنچ کر کے اس نے کچھ دیر آرام کیا اور پھر اندرون سندھ کیس کے سلسلے میں نکل گیا۔ صبح تک اپنا کیس نمٹا کر ابھی وہ اندرون سندھ کے کچے پکے راستے کی حدود سے باہر نکلا ہی تھا کہ اسے ایک لڑکی اپنی طرف بھاگتی ہوئی نظر آئی۔ مجبوراً صارم کو اپنی گاڑی روک کر اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ شکل سے وہ لڑکی پڑھی لکھی اور اپنے لباس سے وہ کافی ماڈرن لگ رہی تھی۔ اس نے جینز کے اوپر اجرک کا کرتہ اور اسکارف پہنا ہوا تھا' کندھے پر اس کے ایک بیگ لٹک رہا تھا' اس سے پہلے کہ وہ اس سے روکنے کی وجہ پوچھتا اس لڑکی نے ایک دم گاڑی کے شیشے سے جھانک کر کہا۔ "Please Sir Can You Help me" صارم اس کی شائستہ انگلش سن کر مزید چونک گیا اور غور سے اس کی طرف دیکھا' لڑکی نہ صرف خوبصورت بلکہ فارز لگ رہی تھی۔ ''ایکچوئلی سر کچھ عرصے پہلے ہی میں انگلینڈ سے تعلیم مکمل کر کے آئی ہوں اور آج کل ایک میڈیا چینل سے وابستہ ہوں اور آج اس سلسلے میں یہاں ایک نیوز کی Coverage کے لئے آئی تھی۔'' صارم جو اس کی باتیں غور سے سن رہا تھا' اس کے چپ ہو جانے پر پوچھنے لگا۔
''تو پھر محترمہ! مجھے یہ سب بتانے کا مقصد؟''
''وہ دراصل سر! میری گاڑی خراب ہو گئی ہے اور اپنے ایڈونچر کی وجہ سے میں ڈرائیور کو بھی ساتھ نہیں لائی تھی اور میرے باقی ساتھی جو آفس کی گاڑی میں میرے ساتھ آئے تھے وہ مجھ سے پہلے ہی روانہ ہو گئے جبکہ میں (ڈاکومنٹری) مکمل کرنے کی وجہ سے رک گئی تھی کہ اب یہ مسئلہ ہو گیا۔ پلیز اگر آپ مجھے کراچی Drop کر دیں! میں نے بابا کو فون کیا ہے مگر ڈرائیور کو آنے میں ٹائم لگے گا اور اس وقت مجھے بہت جلدی ہے۔ مجھے ہر حال میں 10 بجے تک اپنے آفس میں یہ ڈاکومنٹری جمع کرانی ہے۔'' اس نے اپنا مسئلہ بیان کر کے صارم کی طرف امید بھری نگاہ سے دیکھا۔ اب صارم بڑی دلچسپی سے اس مشرقی و مغربی امتزاج سے گندھی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔
''اوکے! میں بھی کراچی جا رہا ہوں اور آپ نے اپنے جس علاقے کا نام بتایا ہے اس کے ساتھ والا علاقہ ہمارا ہے' اس طرح آپ ہماری ہمسائی ہوئیں تو آپ کی مدد کرنا ہمارا فرض بنتا ہے۔'' صارم نے خوش دلی سے کہا۔ "Oh really!" آپ کا بہت بہت شکریہ سر! میری مدد کرنے کا۔'' یہ کہہ کر وہ جلدی سے قریب ہی کھڑی گاڑی سے اپنا ضروری سامان لے کر آ گئی۔ صارم نے اس کے لئے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔
''محترمہ میں آپ کا شوفر نہیں ہوں کہ آپ اس طرح پیچھے بیٹھیں۔''
''جی میرا نام علیزے ہے' یہ آپ مجھے بار بار محترمہ کیوں کہہ رہے ہیں پلیز میرا نام لے کر پکاریں۔''
صارم اس کی خوداعتمادی پر مسکرا کر رہ گیا۔
''اور میرا نام D.S.P صارم ہے' آپ بھی مجھے سر کہنے کے بجائے میرا نام لیں گی تو اچھا لگے گا۔''
صارم نے اس کی کہی بات اسی کے انداز میں اسے لوٹائی۔ علیزے لاجواب ہو کر رہ گئی۔

''اور آپ نے بتایا نہیں کہ آپ یہاں کس نیوز کی کوریج کے لئے آئی تھیں؟'' صارم نے اسے شرمندگی سے نکالنے کے لئے سرسری طور پر پوچھا۔ علیزے تو اس کے سوال پر ہی پرجوش ہو گئی۔

''سر آپ کو نہیں پتہ ہمارے یہاں آج بھی بہت قدامت پسندی ہے' تعلیم اور شعور کی کمی نے لوگوں کو بالکل جاہل بنا دیا ہے' آج جبکہ لوگ چاند پر کمند ڈال رہے ہیں اور یہ لوگ وہی زمانہ جاہلیت کی فرسودہ رسموں کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ اسی سلسلے میں میں آج یہاں کاروکاری' ونی جیسی رسموں کے خلاف نیوز رپورٹنگ کے لئے آئی تھی۔ عورت تو قابل احترام اور عزت کے لائق ہے' مگر یہ لوگ اپنے مفاد کے لئے اپنی عزتوں کو نیلام کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے معصوم بچے جن کی عمر اسکول جانے کی ہے' ان سے اپنی زمینوں پر ہل چلاتے ہیں' آپ یقین کریں صارم وہاں انگلینڈ میں' میں دیکھ کر حیران تھی کہ جو تعلیم ہمارے مذہب اور ہمارے قرآن نے ہمیں دی ہے' ان پر وہ لوگ عمل کر کے اپنی زندگیوں کو بہتر بنا رہے ہیں مگر ہم پستی میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔'' صارم اس کے خیالات سن کر بہت خوش ہوا۔

''اوکے آپ کی سوچ مجھے بہت اچھی لگی' عام لڑکیوں سے بالکل مختلف مگر آپ کا تعلق بھی تو ایک ایسے ہی علاقے سے ہے' جہاں پر جاگیردارانہ نظام ہے' پھر آپ کیسے ان کے خلاف جا سکتی ہیں؟ کیا آپ کے بابا کو کوئی اعتراض نہیں۔'' صارم نے اس سے پوچھا۔

''آپ صحیح کہہ رہے ہیں مگر بابا کی سوچ بہت مختلف ہے جب ہی تو انہوں نے مجھے ہائر ایجوکیشن کے لیے انگلینڈ بھیجا۔ میں جب صرف بارہ سال کی تھی تو بابا نے مجھے ان سب رسم و رواج سے دور بورڈنگ بھیجا اور پھر مزید تعلیم کے لیے میں باہر ملک چلی گئی۔ ابھی صرف چھ ماہ قبل میں واپس آئی ہوں مگر یہاں کا فیوڈل سسٹم دیکھ کر بہت دل کڑھتا ہے' شکر میرے بابا ان جیسے نہیں ہیں۔'' علیزے نے فخر سے اپنے بابا کے بارے میں بتایا صارم مسکرا کر رہ گیا۔ 9 بجے کراچی پہنچ کر صارم نے اسے اس کے ہوسٹل ڈراپ کیا اور پھر گھر روانہ ہو گیا۔ شیری کو اپنی واپسی کا پہلے ہی بتا چکا تھا' لہٰذا وہ اس کا ناشتے پر انتظار کر رہا تھا۔

''ارے شیری یار! ذرا میرا موبائل تو گاڑی سے نکال کے لے آؤ میں سیٹ پر ہی بھول گیا ہوں۔'' صارم نے چائے پیتے ہوئے شیری سے کہا۔

''اوکے باس!'' شیری موبائل لینے باہر چلا گیا۔ صارم نیوز پیپر دیکھنے لگا۔ اسے شیری کی پرجوش آواز سنائی دی۔

''ماماما!''

''ارے کیا ہو گیا یار کیوں اتنا چیخ رہے ہو کیا علینہ کا بھوت دیکھ لیا ہے؟'' صارم نے اسے چھیڑا۔

''او ہو آپ بن تو ایسے رہے ہیں جیسے آپ کو کچھ پتہ ہی نہیں۔''

''کیا اول فول بک رہے ہو' لگتا ہے علینہ سے تمہاری پھر سے لڑائی ہوئی ہے جو فضول ہانکے جا رہے ہو۔'' صارم کی توجہ اب تک اخبار پر تھی کہ ایک دم شیری نے اس کے سامنے لیڈیز ہینڈ بیگ کر دیا جسے دیکھ کر صارم چونک گیا۔

''جی ماما! اب بتائیں کیا میں اول فول بک رہا ہوں' یا آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں' مجھ سے کہا کہ ایک کیس کے سلسلے میں جا رہے ہیں اور پتہ چلا کہ آپ تو کسی حسینہ عالم کے ساتھ date مارنے گئے ہوئے تھے۔'' صارم کے سامنے ایکدم سے وہ حسین سراپا گھوم گیا اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی مگر جلد ہی

اس نے اپنی مسکراہٹ چھپالی۔ کیونکہ شیری سے کچھ بعید نہیں تھی کہ ابھی وہ بال کی کھال نکالتا۔

''شیری......!'' اس نے ڈپٹ کر اس فراٹے بھرتی زبان کو روکنا چاہا مگر وہ شیری ہی کیا جو خاموش ہو جائے اب تو اس کے ہاتھ میں ایک ویک پوائنٹ لگ گیا تھا۔ ناچار صارم کو ساری کہانی بتانی پڑی جسے سن کر شیری اور زیادہ excited ہو گیا۔

''واؤ! حسین خوشگوار صبح' ویران سڑک چاروں طرف ہریالی ٹھنڈی چلتی ہوا اور اس پر ایک خوبصورت لڑکی کا ساتھ ہاؤ رومنٹک۔'' شیری نے پورا منظر ہی create کر دیا۔

''اوئے شیری کے بچے انسان بن جاؤ اور تمہیں کیسے پتہ کہ وہ خوبصورت تھی۔'' صارم نے اس کے کان کھینچتے ہوئے کہا۔

''وہ ایسے میرے سویٹ ماما!'' شیری نے اس کے سامنے ایک تصویر دکھا کر سسپنس پھیلایا' تصویر پر نظر پڑتے ہی ایک دم ساکت ہو گئیں۔

''دیکھا ماما! ہو گئے ناں آپ بھی پھٹا ٹائس' ویسے یار ماما تصویر میں اتنی اچھی ہے تو ریئل میں کتنی خوبصورت ہوں گی بتائیں ناں ماما وہ بہت پیاری ہیں؟'' شیری نے تجسس سے پوچھا۔

''شیری مجھے تنگ مت کرو مجھے بہت کام کرنا ہے' شام تک ڈی آئی جی صاحب کے آفس میں رپورٹ جمع کرانی ہے۔ لہٰذا مستیاں چھوڑ کر تم اپنی اسٹڈی کرو اور مجھے کام کرنے دو۔'' صارم نے سنجیدگی سے کہا۔

''یار ماما آپ بھی ناں! سنڈے کو تو تھوڑا ریلیکس ہونے دیا کریں اور آج کا لنچ آپ بنائیں گے میرے ساتھ۔''

''او کے!'' صارم نے ہار مانتے ہوئے کہا' تو شیری خوش ہو گیا۔

''او کے میں اپنے روم میں ٹی وی دیکھ رہا ہوں مگر اب آپ یہ سوچیے کہ ان تک یہ بیگ کیسے پہنچانا ہے' یعنی اگلی ملاقات کا خوبصورت بہانہ۔'' جاتے جاتے بھی شیری اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا' اس بار صارم صرف اسے گھور کر رہ گیا مگر اتنے عرصے بعد شیری کی وہی پرانی نٹ کھٹ شرارتیں اسے مطمئن کر رہی تھیں۔

''ملاقات تو محترمہ سے کرنی ہی پڑے گی۔ آخر آپ کی امانت جو آپ تک پہنچانی ہے۔'' صارم نے تصویر پر ایک بھرپور نظر ڈالتے ہوئے دل میں اس سے مخاطب ہو کر کہا اور پھر سر جھٹک کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا علیزے سے اس کی ملاقات اس ٹی وی چینل پر ہوئی جس کے لیے وہ کام کرتی تھی۔

''سوری صارم صاحب آپ کو میرا زیادہ wait تو نہیں کرنا پڑا؟'' علیزے جو ابھی ابھی صارم کا سن کر اپنے روم میں آئی تھی اسے سلام کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی نہیں مس علیزے! دراصل آپ کا یہ بیگ میری گاڑی میں رہ گیا تھا' وہی لوٹانے آیا ہوں۔'' صارم نے اپنے آنے کا اصل مقصد بتایا۔

''اوہ شکریہ بہت بہت، دراصل اس میں میرے بہت ضروری ڈاکومنٹس تھے مگر آپ کا کانٹیکٹ نمبر یا ایڈریس نہیں پتہ تھا مجھے' ورنہ میں خود آ کر لے لیتی آپ کو بلاوجہ زحمت اٹھانی پڑی۔'' علیزے نے بیگ لیتے ہوئے شرمندگی سے کہا۔

''ارے نہیں زحمت کی کوئی بات نہیں' ویسے بھی ہم قانون کے محافظ ہیں آپ شہریوں کی امانت آپ تک پہنچانا ہمارا فرض ہے بس یوں سمجھیں کہ یہ اگلی ملاقات کا ایک بہانہ تھا۔'' صارم نے خوشدلی سے کہا۔

''جی......'' علیزے نے حیران ہوتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔
''میرا مطلب ہے آپ جیسی بااعتماد اور اپنے پروفیشن سے مخلص لڑکی سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔'' صارم نے فوراً بات بدلتے ہوئے جواب دیا۔
''oh thank you آپ یقیناً کافی تو پینا پسند کریں گے۔'' علیزے کو حق میزبانی کا خیال آیا۔
''جی بالکل مگر یہاں نہیں کہیں باہر اچھی سی جگہ پر اگر آپ واقعی میرا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہیں تو......'' صارم نے اس کی آفر قبول کرتے ہوئے کہا علیزے مسکرا کر رہ گئی۔
''sure why not۔'' اور پھر یہ ان کی آخری ملاقات نہیں تھی' بلکہ ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا اور پھر علیزے جلد ہی صارم کی متاثر کن شخصیت اور مردانہ وجاہت سے متاثر ہو کر اس کی محبت میں گرفتار ہوگئی' جس کا اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا بس وہ اتنا جانتی تھی اب صارم اس کے جسم میں لہو بن کر دوڑتا ہے اس کی ایک ایک دھڑکن صارم کی سحر انگیز باتوں کی غلام بن گئی۔ اب اکثر وہ صارم کے گھر بھی چلی جاتی جہاں اس کی شیری سے بھی اچھی خاصی دوستی ہوگئی تھی' اکثر چھٹی والے دن علیزے ہی ناشتہ اور لنچ تیار کرتی' جسے مل کر وہ انجوائے کرتے جس سے شیری بہت خوش تھا کہ اس طرح نہ صرف اس کی لنچ بنانے سے جان چھوٹی' بلکہ اسے لگا کہ اس کے ماما بھی زندگی کی طرف لوٹنے لگے ہیں۔
''صارم آپ نے کبھی اپنی فیملی کے بارے میں نہیں بتایا کہ شیری کے علاوہ آپ کی فیملی میں اور کون کون ہے؟'' علیزے آج صارم کی فرمائش پر اس کے ساتھ سی ویو آئی تھی' اس نے صارم کے ساتھ گیلی ریت پر چلتے ہوئے سوال کیا۔
''تم نے کبھی پوچھا ہی نہیں ویسے میری فیملی کوئی اتنی لمبی چوڑی نہیں اب مورے یعنی میری بہن گل بی بی اور شیری میرا بھانجا ہی میرا کل اثاثہ ہیں۔ بابا' بی جان اور میرے بڑے بھائی اور بھابھی کا انتقال ایک حادثے میں ہوگیا تھا۔''
''اوہ ویری سیڈ۔'' علیزے نے شرمندہ ہوتے ہوئے افسوس کا اظہار کیا۔
''its ok۔'' صارم نے اسے شرمندہ ہوتے دیکھ کر خود پر قابو پایا۔ پھر وہ لوگ ایک بھرپور دن گزار کر واپس آگئے۔ واپسی میں صارم نے اسے پرپوز کیا تھا' وہ بہت خوش تھی اسے ایسے ہی ویل ایجوکیٹڈ اور روشن خیال جیون ساتھی کی تلاش تھی' جو اس کے پروفیشن کا بھی احترام کرے اگرچہ ان کے خاندان میں باہر شادی کا رواج نہیں تھا مگر چونکہ وہ اپنے بابا کی لاڈلی اور فرمانبردار بیٹی تھی لہٰذا یہاں بھی فیصلہ اس کے حق میں ہوا۔ علیزے صارم کی سنگت کا سوچ کر ہی بہت خوش تھی مورے پر فالج کا حملہ ہوا تھا' جس کی وجہ سے اس کا رشتہ طے کرنے وہ خود نہیں جاسکیں مگر وہ بھی صارم کے فیصلے پر خوش تھیں' خوشی خوشی حویلی میں شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ شیری آتے جاتے اسے چھیڑ رہا تھا۔ علینہ کے ماما پاپا کو یہ پڑھی لکھی سلجھی ہوئی فیملی بہت پسند آئی تھی اور پھر صارم اور مورے کی خواہش پر انہوں نے شیری اور علینہ کا رشتہ پکا کردیا۔ جس پر شیری بہت زیادہ خوش تھا' شادی ان دونوں کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہونی تھی۔
آج حویلی میں کافی عرصے بعد رونق لگی تھی مورے ویل چیئر پر بیٹھے ملازمین کو ناشتے کے لیے ہدایت دے رہی تھیں۔ ناشتے کے بعد سب ہال کمرے میں جمع تھے' جبکہ ینگ پارٹی باہر لان میں گپ شپ اور کل کی تقریب کے حوالے سے بات چیت کر رہی تھی۔ صارم کے کچھ دوست بھی شادی میں شرکت کے لیے آئے

ہوئے تھے اور مسلسل صارم کو چھیڑ رہے تھے ان سب کا آج رات علاقائی رقص اور مخصوص پشتو لوک گیتوں پر دھمال کا بھی ارادہ تھا۔ علینہ کے لیے یہ سب نیا اور انوکھا تھا' وہ بہت انجوائے کر رہی تھی۔

"ویسے یار! میں حیران ہوں کہاں تم صنف نازک سے گھبراتے تھے اور کہاں آناً فاناً صرف دو مہینے میں شادی کے لیے تیار۔ واقعی علیزے بھابھی کوئی ساحرہ ہیں' جنہوں نے ہمارے یار پر اپنے پیار کا جادو کر دیا ہے۔"

زیرک آفریدی جو اس کا جگری دوست تھا، اس کی بات پر صارم کی مسکراہٹ گہری ہو گئی مگر اس نے خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھی اسے پتہ تھا کہ اگر وہ کوئی جواب دے گا تو یہ لوگ مزید اسے تنگ کریں گے۔

"اور زیرک لالہ! میں نے تو پہلے ہی ماما سے کہا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے مگر یہ ماما اگل کر ہی نہیں دے رہے تھے اور اب دیکھیں کیسے چٹ پر پوزل اور پٹ شادی۔" شیری نے بھی اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا۔ سب اس کی بات سن کر ہنس دیے۔

"اوکے گائز! تم لوگ اپنے قیاس کے گھوڑے دوڑاتے رہو۔ میں تو چلا اپنی مسز کے ساتھ اس کی پسند کا برائیڈل ڈریس لینے۔" یہ کہہ کر صارم وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ اپنے پیچھے اسے سب کے قہقہوں کی آواز سنائی دی۔

☆......☆

"تو مس علیزے! آج میری یعنی مسز صارم بن گئیں۔ کتنا شدت سے انتظار تھا اس وقت کا۔" صارم نے علیزے کے شرمائے، شرمائے روپ پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔ خوب صورت تو وہ پہلے ہی تھی مگر آج اس کے نام کا سرخ جوڑا پہنے اور پور پور اس کی محبت کے سنگھار سے خود کو سجائے آج وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ بڑے بڑے زاہد عابد کا ایمان ڈگمگا جاتا مگر سامنے کوئی عام کمزور مرد نہیں بلکہ ڈی ایس پی صارم تھا۔ جس کا دل پتھر، دماغ فولاد کی طرح مضبوط اور جذبات برف کی طرح ٹھنڈے تھے۔ اس نے ایک دم جھٹکے سے علیزے کا چہرہ اپنی طرف کیا۔ علیزے نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اسے صارم کی آنکھوں میں وحشت ناچتی نظر آئی۔ یہ اس صارم سے بالکل مختلف تھا جو کچھ ڈاور ویل مینرڈ تھا جس کی وجاہت پر وہ مرمٹی تھی۔ صارم نے اپنے آہنی بازوؤں کی گرفت میں اس کی نازک کلائی تھام لی۔ کانچ کی کئی چوڑیوں نے اس بے دردی پر احتجاج کیا اور ٹوٹ کر ادھر ادھر بکھر گئیں۔

"سی......!" علیزے کے منہ سے ایک دردناک چیخ نکلی۔

"بس علیزے بختاور اتنی ہی تمہاری برداشت تھی؟" صارم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"صارم، صارم...... یہ، یہ سب کیا ہے؟ آخر آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔" علیزے نے بے یقینی سے پوچھا۔

"کیوں کر رہا ہوں، اس لیے کہ تم بختاور خان کی بیٹی ہو۔ وہی بختاور خان جس نے میرے پورے خاندان کو تباہ کر دیا۔"

"یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میرے بابا......"

"بس چپ ہو جاؤ۔" صارم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پھنکارتے ہوئے کہا۔

''تم نے مجھ سے میرے خاندان کے حادثے کے بارے میں پوچھا تھا ناں کہ کیسے ہوا؟ تو سنو علیزے۔آج سے تقریباً تین سال پہلے تمہارے باپ نے میرے ہنستے بستے گھر کو آگ کی لپیٹ میں لے لیا۔صرف اس وجہ سے کہ میرے بابا نے گاؤں میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اسکول کھولا تھا۔مزارعوں اور کسانوں کو انسان سمجھتے تھے۔سارے علاقے والے ان کے اچھے اخلاق اور نیک دلی کی وجہ سے انہیں پسند کرتے تھے۔جب کے تمہارا باپ جو کہ قدامت پسند اور ایک ظالم انسان ہے دوسرے لوگوں کو اپنے سے کمتر سمجھتا ہے۔اسے میرے بابا کی یہ نیک نامی اور شہرت پسند نہیں آئی اور اس نے ایک دن موقع پا کر میرے گاؤں میں ڈاکوؤں سے حملہ کروادیا۔انہیں ڈرایا، دھمکایا اور جب وہ اپنے موقف سے پیچھے نہیں ہٹے تو پھر حسد کی آگ میں جل کر میری پوری حویلی کو آگ لگوادی۔ میں وہ منظر آج بھی نہیں بھولا۔''

صارم نے درد بھری آواز میں سب کچھ بتا دیا۔علیزے تو یہ سب سن کر سکتے میں آگئی اس کا باپ جو اس کا آئیڈیل تھا۔وہ اندر سے اتنے شاطر اور کم ظرف ہوں گے، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔اسے صارم کے غم اور اپنی محبت کے دکھ پر رونا آیا۔

''مگر صارم! ان سب میں میرا کیا قصور ہے؟''علیزے نے اس کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے پوچھا۔

''میرے بابا اور میری فیملی کا کیا قصور تھا؟ میرا کیا قصور تھا؟ بولو علیزے! مگر تم بھی تو اسی ظالم شخص کی بیٹی ہو، جو اتنا منافق ہے کہ اپنی بیٹی کو تو اعلیٰ تعلیم کے لیے بہترین سہولیات فراہم کیں مگر دوسری لڑکیوں کو علم کی روشنی سے محروم رکھا اسے ڈر تھا کہ کہیں قبیلے کی لڑکیاں پڑھ لکھ کر اپنا حق مانگنے نہ کھڑی ہو جائیں۔تمہارا باپ جس نے ان غریب لوگوں کے ارمانوں اور آہوں پر اپنا محل کھڑا کیا ہے۔جس کا جوان بیٹا ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں مارا گیا مگر پھر بھی اس کو اپنے رویے پر ندامت نہیں ہوئی مگر اب جب اس کی لاڈلی بیٹی ہر پل تڑپے گی اور اس کی سسکیوں کی آواز اس کے کانوں میں پہنچے گی تو پھر میں دیکھتا ہوں کہ کیسے اکڑ کر چلتا ہے۔تم نے اپنے باپ کا اچھا روپ دیکھا ہے مگر میں نے اس کا اصل بدصورت چہرہ سب کے سامنے لانے کا عہد کیا ہوا ہے۔جس دن تمہارا بیگ میری گاڑی میں رہ گیا تھا۔اس میں موجود تمہاری تصویر کے ساتھ اس شخص کی تصویر دیکھ کر ہی میں چونک گیا تھا۔پھر تم سے دوبارہ ملنا، تم سے دوستی کرنا یہ سب میری پلاننگ کا حصہ تھا۔ویسے ہی پلاننگ جیسے تمہارے باپ نے بنائی تھی اب تم ہر پل تڑپو گی۔تمہارے جسم پر ہر روز ایک سوغات ہوگی مگر میرے پیار کی نہیں بلکہ انتقام کی، جسے دیکھ کر تمہارے باپ کا سارا غرور خاک میں مل جائے گا۔sorry علیزے مجھے تم سے کوئی ہمدردی نہیں صرف وہ نفرت ہے جس کا زہر تمہارے باپ نے میرے اندر بھر دیا ہے۔مجھ سے کسی حق کی توقع مت کرنا اور یاد رکھنا جلد ہی تمہارا باپ کٹہرے میں ہوگا۔انتظار کرو اس دن کا جواب زیادہ دور نہیں۔کیوں کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے۔اب تمہارے باپ کو خدا کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔بربریت اور ظلم کے پہاڑ جو اس نے معصوم غریب انسانوں پر ڈھائے پورا علاقہ میرے ساتھ ہے اور جلد ہی سارے شواہد اور ثبوت بھی اکٹھے ہو جائیں گے اور تم جو میڈیا سے وابستہ ہو کیا اپنے باپ کا مکروہ چہرہ لوگوں کے سامنے بے نقاب کرسکو گی؟ ہے تم میں اتنی ہمت؟ تم جو لوگوں کے جائز حقوق کی علمبردار ہو۔کیا اپنے باپ کے ظلم سے معصوم لوگوں کو حق دلا سکو گی؟ نہیں، ہرگز نہیں کیوں کہ تم بھی اسی منافق شخص کی بیٹی ہو۔''اپنے اندر کا سارا لاوا اس پر انڈیل کر صارم اسے بیڈ پر دھکیلتا واش روم میں چلا گیا۔جہاں اتنی سردی میں ٹھنڈا یخ پانی بھی اس کے دل میں لگی آگ نہیں بجھا سکا۔

یہ سچ ہے کہ وہ علیزے کی طرف انتقام لینے کے لیے بڑھا تھا مگر کب اس کا دل اس کی معصومیت اور ذہانت پر فدا ہوا۔ اسے پتہ ہی نہیں چلا جب تک وہ سمجھا بہت دیر ہو چکی تھی اور اب اس کا سجا سنورا روپ دیکھ کر اس کے جذبات میں تلاطم برپا تھا مگر ان سب پر اس کا اپنے پیاروں سے کیا گیا عہد حاوی تھا۔
جب وہ باہر آیا اس وقت تک علیزے وہیں بیڈ پر روتے روتے سو چکی تھی۔ اس کی کلائی پر ٹوٹی چوڑی سے سرخ نشان بن گیا تھا اور اس کا آنسوؤں سے دھلا چہرہ بہت پاکیزہ لگ رہا تھا۔ صارم نے اس کے مہکتے وجود سے نظریں چرائیں اور وہیں بیڈ پر ایک طرف جگہ بنا کر سو گیا۔ اس طرح آج کی شب زفاف جو ہر لڑکی کا خواب ہوتی ہے اس کے باپ کے گناہوں کی دلدل میں دفن ہو گئی۔
صبح مورے نے انہیں ناشتے کے لیے بلایا۔ صارم جو پہلے ہی اٹھ چکا تھا اور اب تیار ہو رہا تھا۔ جب کہ علیزے کو شیری اور علینہ گھیرے بیٹھے تھے۔
''جی جناب علیزے مامی! پھر آپ کو ماما جی نے منہ دکھائی میں کیا تحفہ دیا؟'' علینہ نے شوق سے پوچھا۔ شیری کے ساتھ ساتھ صارم بھی اس کی طرف متوجہ ہوا۔ گرین کلر کے سفید نگوں کی ایمبرائیڈری سوٹ، ہلکا ہلکا میک اپ اور اس کی میچنگ نگوں کی جیولری پہنے نکھری سی وہ اسے اپنے دل کے قریب محسوس ہوئی۔ اس کے سوال پر علیزے نے گھبرا کر صارم کی طرف دیکھا۔ ایک دن میں ہی اس کی ذہانت سے چمکتی آنکھوں میں ویرانی اور یاسیت بھر گئی تھی۔ صارم اس سے نظریں چراتا دوسری طرف متوجہ ہو چکا تھا مگر اس کی سماعت اس کے جواب کی منتظر تھی۔
''وہ انہوں نے مجھے یہ بریسلٹ گفٹ کیا ہے۔'' علیزے نے جلدی سے اپنی کلائی آگے کی۔
''ارے مامی! یہ آپ کی کلائی میں چوٹ کا نشان کیسا ہے؟'' شیری کی پُرتشویش آواز پر صارم بھی چونکے بنا نہ رہ سکا اور اسے رات اپنی کی جانے والی زیادتی کا شدت سے احساس ہوا کہ ایک بار پھر علیزے کی مدھم آواز سنائی دی۔
''ارے شیری! تم بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے۔ وہ بس چوڑیاں اتارتے ہوئے ایک، دو ٹوٹ گئی تھیں۔ بس اسی کا نشان ہے چلو نیچے چلتے ہیں۔ مورے ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی۔'' اس سے پہلے کہ وہ دونوں مزید کچھ اور پوچھتے علیزے نے ان کی توجہ دوسری طرف کر دی۔ جس پر صارم نے بھی شکر ادا کیا اور علیزے کی اعلیٰ ظرفی کا دل سے قائل ہو گیا۔
''اوکے! ہم لوگ نیچے جاتے ہیں آپ دونوں بھی فٹافٹ آجائیں۔'' یہ کہہ کر شیری اور علینہ چلے گئے۔ صارم اس کے پاس آیا۔ جو سر جھکائے اپنے نشان پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔
''شکریہ۔'' علیزے نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
''شکریہ! تمہارا بھرم رکھنے کا۔ ویسے بختاور خان کی بیٹی سے ایسی اعلیٰ ظرفی کی امید تو نہیں تھی۔ anyways امید کرتا ہوں آئندہ بھی تم اسی طرح میرے ساتھ تعاون کرو گی۔ کیوں کہ یہ تو طے ہے مسز صارم! کہ تمہیں پل پل اپنے باپ کے گناہوں کا خمیازہ بھگتنا ہے۔'' تھوڑی دیر پہلے جہاں صارم کے چہرے پر احساس ندامت تھی۔ اب پھر دوبارہ بدلے کی آگ نے سر اٹھایا تھا۔
''اور ہاں! مورے یا کسی اور فرد کو ہمارے معاملات کا پتہ نہیں چلنا چاہیے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے معاملات میں کوئی اور دخل دے۔'' یہ کہہ کر صارم لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا ناچار علیزے کو بھی

اس کے پیچھے اپنی ذات کا بھرم رکھتے جانا پڑا۔ مورے نے اس کو اپنے ساتھ لگا کر پیار کیا۔ سب لوگ اس کے ساتھ بہت اچھے تھے۔ سوائے اس شخص کے جس کے نام کی وجہ سے آج یہاں ان سب کے درمیان تھی۔ رسم کے مطابق ولیمے کے بعد علیزے دو دن کے لیے اپنے باپ کے گھر آ گئی جہاں بختاور خان نے اپنی بیٹی کے اداس چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

''علیزے میری جان! تو خوش تو ہے ناں؟ دیکھ میں نے پورے قبیلے سے ٹکر لے کر تیری پسند کی شادی کروائی ہے۔ مجھے یقین ہے صارم تمہارا بہت خیال رکھے گا۔'' بس اسی پل علیزے کا صبر کا دامن چھوٹ گیا اور وہ بکھر گئی بختاور خان تو اس کی حالت دیکھ کر ہی حواس باختہ ہو گئے۔ پھر علیزے نے سسکیوں کے درمیان انہیں سب کچھ بتا دیا۔

''بابا! آپ نے یہ سب کیوں کیا؟ میں تو آپ کو بہت باشعور اور اعلیٰ ظرف انسان سمجھتی تھی مگر آپ اتنے حاسد اور سفاک ہوں گے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ صرف اپنا شملہ اونچا رکھنے کے لیے صارم کے ہنستے بستے گھر کو اجاڑ دیا۔ اس کی خوشیاں چھین لیں۔ بابا! اب آپ بھی اسی طرح تڑپیں گے آپ کی اس بیٹی کو ہر پل آپ کے کیے کی سزا بھگتنی ہوگی۔'' بختاور خان تو یہ سب سن کر ہی سکتے میں آ گئے اور اپنی لاڈلی بیٹی کی اس حالت پر تڑپ کر رہ گئے۔

''علیزے میری جان مجھے معاف کر دو۔ میں نے اس وقت طاقت کے زعم اور دولت کے نشے میں صارم کے باپ کو تباہ تو کر دیا کیوں کہ میں اس کی نیک نامی اور شہرت سے جلتا تھا۔ مجھے اچھا نہیں لگتا تھا کہ میرے لوگ بھی میری عزت کرنے کے بجائے اس کا احترام کریں مگر میں یہ بھول گیا تھا کہ عزت اور محبت نیک اعمال سے ملتی ہے۔ ظلم کرنے سے نہیں، میں صارم سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگوں گا۔'' بختاور خان نے روتے ہوئے کہا۔

''نہیں بابا! اب بہت دیر ہو چکی ہے اب آپ کو ہر پل اسی طرح تڑپنا ہوگا جس طرح صارم تین سال سے تڑپ رہے ہیں۔ وہ میرے ساتھ جو بھی سلوک کریں حق بجانب ہیں کیوں کہ میں ان کے خاندان کے قاتل کی بیٹی ہوں۔ مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں آپ بھول جائیے گا کہ آپ کی کوئی بیٹی ہے۔ سمجھے گا لالہ کی طرح آپ کی بیٹی بھی مر گئی۔''

''علیزے......'' بختاور خان تو اس کے سفاک الفاظ پر تڑپ کر رہ گئے مگر علیزے وہاں رکی نہیں بلکہ ڈرائیور کے ساتھ گھر واپس آ گئی۔ مورے اس کی اچانک آمد پر حیران رہ گئیں۔

''ارے علیزے! تم اس طرح کیسے؟ صارم تمہیں لینے جانے ہی والا تھا۔'' مورے نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ اسے پتہ تھا صارم کبھی اسے لینے نہیں آئے گا لہٰذا وہ خود ہی آ گئی تھی۔ اپنی ذات کا بھرم بھی تو رکھنا تھا۔

''بس مورے! میرا آپ کے بغیر دل نہیں لگ رہا تھا تو بس شام تک انتظار نہیں ہوا اور میں آ گئی۔ بابا نے بہت روکا مگر مجھے آپ کے پاس آنے کی جلدی تھی۔'' علیزے نے مورے کے گلے لگتے ہوئے بظاہر بشاش آواز میں جواب دیا تو مورے اس کی اس ادا پر نہال ہو گئیں۔

''ارے مامی! یوں کہیے ناں ماما کے بغیر دل نہیں لگا۔'' شیری نے شرارت سے کہا۔ علیزے اس کی بات پر جھینپ کر رہ گئی جب کہ علینہ بھی اس کو تنگ کر رہی تھی۔ اسی پل صارم بھی نیچے آ رہا تھا اس دشمنِ

جاں کو اس طرح شرمائے، شرمائے اور گھبرائے روپ میں دیکھ کر دنگ رہ گیا مگر اگلے ہی لمحے سر جھٹک کر نیچے آیا۔

"ارے یہ کیا تم لوگ میری مسز کو تنگ کر رہے ہو، ان کو تنگ کرنے کے لیے ایک ہم ہی کافی ہیں، کیوں مسز ٹھیک کہا ناں؟" صارم نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی......!" علیزے اس کا لہجہ اور معنی خوب سمجھ رہی تھی۔ صرف اتنا کہہ سکی۔

"اوکے اب تم دونوں جا کر اپنی پیکنگ مکمل کرو صبح نکلنا ہے۔ تم دونوں کی اسٹڈیز کا کافی حرج ہو رہا ہے سمجھے۔ دونوں فٹافٹ تیاری کرو۔" صارم نے دونوں کو ڈپٹتے ہوئے کہا۔ علینہ کے ممی اور پاپا تو ولیمے کے بعد ہی چلے گئے تھے مگر علینہ کو مورے نے اپنے پاس ہی روک لیا تھا شیری کے حوالے سے انہیں بھی یہ نٹ کھٹ شرارتی سی لڑکی عزیز ہو گئی تھی۔

"کیا ہے ماما! اب ہم دونوں engaged ہیں۔ بچے تھوڑی ہیں ہر وقت ڈانٹتے رہتے ہیں۔" شیری نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ اس کی بات پر علینہ کے ساتھ ساتھ علیزے کی بھی ہنسی نکل گئی۔ صارم نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا معصوم، خوب صورت چہرہ اس پر جھرنوں جیسی شفاف ہنسی۔ علیزے کی اس پر نظر پڑی مگر فوراً ہی خوف سے نظریں جھکا گئی۔

"اور تمہیں بڑی ہنسی آرہی ہے تم تو ہو ہی ماما کی چمچی۔" شیری نے علینہ کو گھور کر دیکھا علینہ اس کی بات پر وہاں سے غصے سے واک آؤٹ کر گئی تو شیری کو بھی لاچار اس کے پیچھے جانا پڑا۔ علیزے ان کی اس محبت پر مسکرا کر رہ گئی۔

"ایسی ہی محبت تو صارم بھی اس سے کرتا تھا مگر اب شاید مجھے ساری زندگی نارسائی کی ان دیکھی آگ میں جلنا ہے۔" علیزے نے کرب سے سوچا۔

"مورے! مجھے صبح نکلنا ہے کافی کام کا حرج ہو گیا ہے۔ آج کل تو ویسے بھی زندگی کا ایک اہم مقدمہ حل کرنے میں لگا ہوا ہوں۔" صارم نے علیزے کی طرف دیکھتے ہوئے ذو معنی انداز میں کہا۔ جہاں علیزے اس کی بات پر کٹ کر رہ گئی۔ بہر حال اس کے باپ نے جو بھی کیا مگر وہ اس کے بابا تھے اس نے اذیت سے آنکھیں بند کر لیں۔ اس سے پہلے کہ آنکھ سے نکلنے والا آنسو بغاوت کرتا اپنا بھرم رکھنے کے لیے اس نے خاموشی سے اپنے کمرے کا رخ کیا۔ کچھ دیر بعد صارم بھی کمرے میں آ گیا۔

"مسز! میری پیکنگ مکمل کر دینا۔ کل صبح ہم تینوں کی روانگی ہے۔" صارم نے اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے کہا۔

"تینوں......کیا مطلب؟ میں بھی تو آپ کے ساتھ جاؤں گی میری بھی جاب کا کافی lose ہو رہا ہے۔" علیزے نے جلدی سے کہا اسے صارم کے تیور کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔

"جی نہیں مسز! آپ یہیں رہیں گی مورے کی خدمت اب آپ پر فرض ہے۔ وہ فالج کی وجہ سے چل نہیں سکتیں۔ آپ نے ان کی خدمت کرنی ہے اور اس معاملے میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا سمجھیں۔" صارم نے اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے کہا۔ علیزے کو اس کی گرم سانسوں سے اپنا چہرہ جلتا ہوا محسوس ہوا۔

"مگر صارم! میری جاب......" اس نے ہمت کر کے کہنا چاہا۔

''بس..... کہہ دیا ناں اب آپ علیزے بختاور نہیں بلکہ مسز صارم ہیں آپ وہی کریں گی جو میں کہوں گا۔ آئندہ میرے سامنے زبان کھولنے کی ہمت کی تو کاٹ کر پھینک دوں گا۔'' علیزے اس کا یہ سنگدلانہ روپ دیکھ کر گنگ رہ گئی۔ پھر مورے کو اس نے خود بھی تسلی دی کہ وہ بھی ابھی ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو وہ بھی اس کی خوشی کے لیے اپنے ساتھ رکھنے پر راضی ہوگئیں۔ ورنہ ان کا ارادہ اسے صارم کے ساتھ رخصت کرنے کا تھا۔ اس طرح وہ کٹھور انسان جو اس کی پہلی محبت اور آخری چاہت تھا ایک اور نارسائی کا دکھ اس کے دامن میں ڈال کر چلا گیا۔ علیزے سارا دن ملازموں کے ساتھ اپنی نگرانی میں گھر کے کام کرواتی اور مورے کا خود مساج کرتی جن سے ان کے ہاتھوں میں اب حرکت ہونے لگی تھی۔ مورے اس کی فرمانبرداری سے بہت خوش تھیں۔ اکثر وہ اسے صارم کے بچپن کی شرارتیں اور باتیں سناتیں۔ تو علیزے دلچسپی سے سنتی جاتی اسے صارم اور اس کے بابا کی باتیں سننا اچھا لگتا تھا۔ صارم کو بھی مورے کے ذریعے اس کی خدمت اور حسن سلوک کا پتہ چلتا تھا مگر وہ کیا کرتا اس کا دل جب بھی اس کی طرف مائل ہونے لگتا اس کے مہربان بابا جانی اور پرشفیق بھائی، بھابی کا چہرہ اس کی طرف قدم بڑھانے سے روک دیتا۔ کبھی کبھی وہ دل کے ہاتھوں جھنجلا جاتا۔ علیزے کی محبت اور وفاداریوں سے بھاگتے بھاگتے اب وہ تھکنے لگا تھا۔ یہاں علیزے بھی رات کی تاریکی میں اس کی یاد میں تکیہ بھگوتی رہتی۔ مورے اب تک اس بات سے بے خبر تھیں کہ وہ ان کے دشمن بختاور خان کی بیٹی ہے۔ کئی بار بختاور خان نے اسے بلایا مگر اس نے یہ کہہ کر جانے سے انکار کردیا کہ جب تک صارم کا دل اس کی طرف سے صاف نہیں ہوجاتا وہ ان سے نہیں ملے گی۔



دن رات اسی طرح اداس اور ناامیدی میں لپٹے گزر رہے تھے۔ آج پورے دو مہینے بعد صارم گھر آیا تھا اس کی اچانک آمد پر جہاں مورے خوش تھیں وہیں علیزے بھی اسے دیکھ کر اس کی بے رخی کے باوجود کھل گئی تھی۔

''اتنے دن لگا دیئے خانزادے! مجھ بوڑھی کو تو چھوڑ اپنی نئی نویلی دلہن کا بھی خیال نہیں آیا دیکھ تو تیرے بغیر کتنی اداس اور چپ چپ سی ہوگئی ہے۔'' مورے نے صارم سے پیار بھرا شکوہ کرتے ہوئے کہا۔ علیزے ان کے اتنے صحیح تجزیے پر جھینپ کر رہ گئی اور وہاں سے ہٹ جانے میں ہی عافیت جانی۔ صارم کی پرسوچ نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔ پھر صارم تو مورے کے ساتھ باتوں میں مشغول ہوگیا جب کہ علیزے کچن میں اپنی نگرانی میں صارم کی پسندیدہ ڈشز بنوانے لگی۔ ڈنر پر اس نے کافی اہتمام کیا تھا۔ مورے نے اس کی بہت تعریف کی مگر صارم خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔ اسے صارم سے کوئی اچھی امید تو نہیں تھی اس کے لیے یہ کافی تھا کہ وہ بغیر کسی طنز کے اس کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا کھا رہا تھا۔ کھانے کے بعد مورے کو ان کے کمرے میں دوا دے کر وہ کچن میں برتن سمیٹنے چلی گئی۔ اچانک اسے اپنے پیچھے آہٹ محسوس ہوئی۔ علیزے نے گھبرا کر دیکھا اسے صارم کی پرشوق نگاہیں اپنے وجود کا طواف کرتی محسوس ہوئیں۔ اس کے گولڈن شولڈر تک کٹے سلکی بال کافی لمبے ہوچکے تھے۔ ایک بار صارم نے باتوں، باتوں میں بتایا تھا کہ اسے لڑکیوں کے لمبے بال پسند ہیں۔ جب سے اس نے بال نہیں کٹوائے تھے۔ ابھی بھی وہ اس کے پسندیدہ کلر رائل بلیو سوٹ میں ملبوس تھی۔ وہ مکمل طور پر اس کی پسند میں ڈھل چکی تھی۔

''جی آپ کو کچھ چاہیے؟''علیزے نے اس کی نگاہوں کی تپش سے گھبرا کر پوچھا۔ صارم ایک دم اپنے خیالوں سے چونکا۔ اس کے چہرے پر اب وہی اجنبیت اور بے رخی تھی جس کی علیزے اب عادی ہو چکی تھی۔

''ہوں، ہاں...... مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے کام سمیٹ کر فوراً کمرے میں آؤ۔'' یہ کہہ کر وہ واپس پلٹ گیا۔ علیزے ٹھنڈی آہیں بھر کر رہ گئی اور خود کو مزید اس کے نئے ستم سہنے کے لیے تیار کرنے لگی۔ جب وہ کمرے میں آئی تو وہ کچھ پیپرز فائل میں لگا رہا تھا۔ اسے اپنے سامنے والے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''ہوں، تو مسز! آج کل تم مورے کا دل جیتنے میں لگی ہوئی ہو مگر ساری کوشش بے کار ہے۔ جب میرے دل میں تمہارا یہ ہوش ربا حسن کوئی نرم جگہ نہیں بنا سکا تو سوچو جب مورے کو پتہ چلے گا کہ تم ان کے باپ اور بھائی کے قاتل کی بیٹی ہو وہ تم سے کتنی نفرت محسوس کریں گی۔'' صارم نے اس کا خوف سے زدہ پڑتا چہرہ اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔ علیزے اس کے الفاظ کی سفاکی سے خوفزدہ ہوئی اسے کسی انہونی کا احساس ہو رہا تھا۔

''اور اب تیار ہو جاؤ مسز! تمہارے باپ کا چہرہ بے نقاب ہونے والا ہے۔'' صارم نے نفرت سے کہا علیزے نے اس کی بات پر چونک کر دیکھا۔

''آپ، آپ کیا کرنے والے ہیں۔ میرے بابا کے ساتھ پلیز انہیں معاف کر دیں۔ وہ اپنے کیے پر بہت نادم ہیں۔'' علیزے نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''معاف...... اور اس ظالم انسان کو جس نے پورے گھر کو بغیر کسی جرم کے صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور میری زندگی کو انگاروں سے بھر دیا۔ اسے معاف کر دوں؟ نہیں علیزے بختاور یہ تمہاری بھول ہے۔ بس کل صبح کا سورج طلوع ہونے کا انتظار کرو اس کے بعد تمہارے ظالم باپ کے کرتوت اور جرم کا سب کو پتہ چل جائے گا۔ سارے ثبوت اور شواہد میں نے اکٹھے کر لیے ہیں۔ اب کوئی بھی تمہارے باپ کو رسوائی و بدنامی سے نہیں بچا سکتا۔ جس شملہ کو اونچا رکھنے کے لیے اس نے میری زندگی اندھیر کر دی۔ کل بھرے جرگے میں اس کا سر جھک جائے گا۔ ہاں مسز! کل میں نے تمہارے باپ کے لیے جرگہ بلایا ہے میں چاہتا تو تمہارے باپ کو خود پھانسی کے تختے پر چڑھوا سکتا تھا مگر میں نے اپنی خاندانی روایات کا پاس کرتے ہوئے تمہارے باپ کو قبیلے کے معززین کے سامنے پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور جانتی ہو اس جرگے کی سب سے اہم رکن مورے ہوں گی۔ سوچو ذرا، کل جب مورے کے سامنے تمہاری اصلیت کھلے گی تو مورے تم سے کتنی نفرت کریں گی۔ شاید مجھ سے بھی کہیں زیادہ۔ تین سال سے وہ اندر ہی اندر اپنے خاندان کے لٹنے کا جو ماتم کر رہی ہیں ناں کل ان کو سکون مل جائے گا اور میرا خود سے کیا عہد بھی پورا ہو جائے گا۔ کل میرے لیے خوشی اور جشن کا دن ہو گا۔'' صارم یہ سب سنا کر اس کی روح کو زخمی کرتا وہاں سے ہٹ گیا اور علیزے کے لیے وہ رات کسی قیامت سے کم نہیں تھی۔ بے شک اس کے باپ کا جرم ناقابل معافی تھا مگر وہ ایک بیٹی تھی۔ اس کا دل اپنے باپ کی متوقع رسوائی سے کانپ رہا تھا۔ پوری رات اس نے رب کے حضور اپنے باپ کی رسوائی سے بچنے اور صارم کے دل کو اپنے لیے نرم ہونے کی دعا مانگتے گزری۔

☆......☆

آج صارم خلافِ معمول جلدی اٹھ گیا تھا۔ اس نے مورے کو شام کی چائے پر خاص اہتمام کرنے کی ہدایت کی تھی۔

''مورے آج پہلی بار علیزے کے بابا ہمارے گھر آ رہے ہیں۔ ان کے استقبال میں کوئی کمی نہیں رہنی چاہیے۔ میں نہیں چاہتا کہ علیزے کو ہم سے کوئی شکایت ہو کہ ہم نے اس کے باپ کی عزت افزائی نہیں کی۔'' صارم نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے گم صم اداس بیٹھی علیزے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا مورے اس کی بات پر ہنس دیں۔

''ارے صارم! تو فکر نہ کر مجھے بھی بڑی خوشی ہو رہی ہے کہ آج وہ پہلی بار ہمارے گھر آ رہے ہیں۔ میں سب کام خود اپنی نگرانی میں کرواؤں گی کہ علیزے رانی بھی خوش ہو جائے گی۔'' انہوں نے علیزے کی طرف دیکھا اور ایک دم چونک گئیں۔

''ارے علیزے! تمہارا چہرہ اتنا پیلا کیوں ہو رہا ہے اور آنکھیں بھی سوجی ہوئی ہیں خانزادی! سب خیر تو ہے ناں۔'' مورے کی بات پر صارم نے بھی اس کی طرف غور سے دیکھا۔ واقعی ایک رات میں ہی اس کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید ہو گیا تھا لگتا تھا اس کے جسم سے سارا خون نچڑ گیا ہو۔ صارم کے دل کو اس کی اس حالت پر کچھ ہوا مگر اگلے پل وہاں سے یہ کہہ کر نکل گیا کہ اسے باہر کچھ انتظام دیکھنے ہیں۔ علیزے بھی مورے کو تسلی دے کر اپنے روم میں آ گئی۔ جہاں اس کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

''مورے! آپ کا پر شفیق چہرہ مجھے میری ماں کی یاد دلاتا ہے۔ آپ کے وجود کی خوشبو مجھے میری ماں کی ممتا کا احساس دلاتی ہے مگر جب شام میں آپ کو میری اصلیت کا پتہ چلے گا کہ میں آپ کے دشمن کی بیٹی ہوں تو آپ کی یہی محبت نفرت میں بدل جائے گی۔ میں اب مزید کسی کی نفرت نہیں سہہ سکتی نہ ہی اپنے باپ کو رسوا ہوتے دیکھ سکتی ہوں۔ مجھے اس سے پہلے ہی اپنا وجود ختم کر دینا چاہیے تا کہ ان نفرتوں اور رسوائیوں سے میری جان کو چھٹکارا مل جائے۔''

☆......☆

''علیزے، علیزے کہاں ہو تم، سنائی نہیں دیتا کب سے آوازیں دے رہا ہوں۔'' صارم اسے آوازیں دیتا کمرے میں آیا تو اندر کا منظر دیکھ کر اس کی جان نکل گئی۔ علیزے کا آدھا جسم بیڈ سے نیچے لٹکا ہوا تھا۔

''علیزے، علیزے۔'' صارم نے اس کے گال تھپتھپائے۔ اس کا پورا جسم برف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا تھا اور سانس ڈوبتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ صارم کو اپنا وجود گہری کھائی میں گرتا محسوس ہوا۔ اس نے خود کو بڑی مشکل سے سنبھالا اور اس کے بے جان پڑتے وجود کو اپنے بازوؤں میں کسی متاعِ جاں کی طرح سنبھال کر اپنی گاڑی کی طرف بھاگا اور فل اسپیڈ میں گاڑی دوڑاتے اسے اپنے گاؤں میں بنے ہاسپٹل لے گیا۔ مورے کا مسلسل فون آ رہا تھا مگر وہ انہیں کیا بتاتا کہ یہ سب اس کا کیا دھرا ہے۔ انتقام کی آگ میں اس نے ایک معصوم اور اعلیٰ ظرف لڑکی کو موت کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔ جو اس کا ہر ظلم خاموشی سے سہتی رہی۔ جس نے اس کی محبت میں اپنے باپ سے بھی قطع تعلق کر لیا۔ مورے کے سامنے بھی اس کی ذات کا بھرم قائم رکھا۔ اس کی آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ اللہ کے آگے بھی اپنے اس غیر اخلاقی فعل کے لیے شرمسار تھا۔ بالآخر اس کی ندامت کے اشک اور مورے کی دعاؤں سے وہ زندگی کی طرف واپس

لوٹ آئی مگر بالکل گم صم ہوگئی تھی۔ مورے اس کا پہلے سے بھی بڑھ کر خیال رکھ رہی تھیں۔ شیری اور علینہ بھی اس کی حالت کا سن کر آگئے تھے۔ وہ لوگ ہر وقت اس کی دلجوئی میں لگے رہتے مگر صارم کا اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ مورے کے علم میں تمام باتیں آچکی تھیں اور انہیں یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ وہ بختاور خان کی بیٹی ہے مگر ان کی اعلیٰ ظرفی کی علیزے بھی قائل ہوگئی۔ انہوں نے اس کے باپ کو سچے دل سے معاف کردیا تھا۔ بختاور خان خود حویلی چل کر آئے تھے۔ بیٹی کی حالت دیکھ کر ان کی ساری اکڑ سارا غرور خاک ہوگیا تھا۔ انہوں نے مورے کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگی تھی۔ وہ جرگے کا سامنا کرنے کو بھی تیار تھے مگر مورے نے یہاں بھی اپنی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا اور ان کے جڑے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھ لی۔ انہیں کھلے دل سے معاف کردیا۔ بختاور خان جو پہلے ہی اپنی بیٹی کے دکھوں اور تکلیفوں سے پگھل چکے تھے اور ان کی بیٹی نے جو انہیں سچ کا آئینہ دکھا دیا تھا اس میں ان کا مردہ ضمیر جاگ گیا تھا۔ انہوں نے صارم کے خاندان پر جو ظلم کیا تھا اس پر انہیں سچے دل سے ندامت تھی۔ اب انہوں نے تلافی کے طور پر اپنے علاقے میں بھی صارم کی طرح لڑکیوں کے لیے گرلز اسکول اور غریبوں کے علاج کے لیے ہاسپٹل تعمیر کروا دیا تھا اور ہر قسم کی فرسودہ اور غیر اسلامی رسموں کو ختم کرنے کا اعلان کیا تھا۔ ان کا عمرے پر جانے کا ارادہ تھا۔ انہیں یقین تھا اب اللہ کے گھر سے بھی ان کو معافی مل جائے گی۔ جانے سے پہلے وہ صارم سے ملنے آئے تھے۔ صارم نے ان کو دیکھ کر منہ پھیر لیا تھا۔ بہر حال اس کا دل مورے کی طرح کشادہ نہیں تھا اس نے مورے کے معاف کرنے اور علیزے کی محبت میں بختاور خان کے خلاف سارے شواہد اور ثبوت بھی واپس لے لیے تھے اور نہ ہی جرگہ بلایا تھا مگر وہ ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"صارم بیٹے! مجھے معاف کردو میں جانتا ہوں میں بہت گناہ گار ہوں۔ میں انسانی جانوں کے خون کرنے کا مرتکب ہوا ہوں مگر تم تو اس مہربان انسان کے بیٹے ہو جس نے ساری زندگی دوسروں کو معاف کرتے اور خوش اخلاقی سے پیش آتے گزار دی اور اس اعلیٰ ظرف بہن کے بھائی ہو جس نے مجھ جیسے جابر اور حاسد انسان کو معاف کرکے مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا ہے۔ خدارا مجھے معاف کردو۔ ورنہ اللہ کے گھر سے بھی مجھے معافی نہیں ملے گی اور نہ ہی میری بیٹی مجھے معاف کرے گی۔ کیوں کہ وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے مگر اس کے دل میں میری محبت بھی ہے۔ اسے اور مجھے اس کڑی آزمائش سے نکال دو تا کہ میں سکون سے مرسکوں۔ ویسے بھی مجھے بلڈ کینسر ہے اور یہ سب میری بداعمالوں کی سزا ہے۔ پہلے میرا بیٹا حادثاتی موت مرا مگر مجھے دولت کے نشے میں ہوش نہیں آیا پھر اب مجھے تین سال سے بلڈ کینسر ہے۔ ڈاکٹر نے جواب دے دیا ہے۔ علیزے سے میں نے یہ بات چھپائی ہے اور اب وہ بھی مجھ سے ناراض ہے اگر تم مجھے معاف کردو گے تو میں اللہ کے گھر حاضری دے کر اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرسکوں گا اور سکون سے مرسکوں گا۔" صارم یہ سب باتیں سن کر سکتے میں آگیا۔ بالآخر اس نے بختاور خان کو معاف کردیا۔ ویسے بھی اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔ بختاور خان کو پہلے ہی اپنے جرم کی کافی سزا مل چکی تھی۔ تو اب وہ اللہ کی عدالت کے آگے سزا دینے والا کون ہوتا ہے؟ پھر بختاور خان علیزے سے مل کر عمرے کے لیے روانہ ہوگئے۔ صارم بھی واپس کراچی چلا گیا ان دونوں کے درمیان اب بھی ان دیکھی دیوار تھی۔ صارم نے کئی بار علیزے سے معافی مانگنے کی کوشش کی مگر اس کی ہمت نہیں ہوئی۔ مورے بھی اس سے کافی ناراض تھیں۔ مورے کی باتوں سے بھی وہ نادم تھا جنہوں نے اسے اس کی کوتاہیوں کا احساس دلایا تھا۔

''صارم! یہ تو میری تربیت نہیں تھی کہ ایک کمزور اور معصوم لڑکی سے بدلہ لیا جائے۔ تم نے تو مجھے اس کے سامنے شرمندہ کر کے رکھ دیا ہے۔'' صارم ان کی بات سن کر بالکل ہی شرم سے پانی، پانی ہو گیا۔ واقعی وہ بہت شرمندہ تھا۔ جب کہ دوسری طرف علیزے اس کی پکار کی منتظر تھی۔ اسے صارم سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ اس کی نظر میں اس نے جو بھی اس کے ساتھ کیا یہ اس کے باپ کا مکافات عمل تھا۔ آج ایک ہفتے بعد صارم گھر آیا تو وہ دشمن جاں اسے کہیں نظر نہیں آئی۔ اس نے مورے سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے منا لے گا اور اپنی بدسلوکی پر معافی بھی مانگ لے گا۔ پھر اسے ڈھونڈتا ہوا وہ ٹیرس پر چلا آیا جہاں اتنی ٹھنڈ میں وہ بغیر کسی گرم شال کے، ننگے پاؤں اپنے وجود سے بے نیاز آسمان کی وسعتوں میں پتہ نہیں کیا تلاش کر رہی تھی؟ شاید اپنے ''نصیب کا خوش بخت ستارہ'' صارم اس کی حالت دیکھ کر تڑپ کر رہ گیا۔

''علیزے، میری جان!'' صارم نے اسے اپنے ساتھ لگایا۔ علیزے بالکل بکھر کر رہ گئی۔

''صارم، صارم پلیز مجھ سے یہ بے رخی اب ختم کر دو ایک بار تو میں زندگی کی طرف لوٹ آئی مگر اب مزید آپ کی بے اعتنائی سہہ نہیں سکتی۔ مر جاؤں گی آپ کے بغیر۔ صارم جب آپ نے بابا کو اپنا دل وسیع کر کے معاف کر دیا تو پھر کب تک میری محبت کی سزا دیتے رہیں گے؟ میں اب مزید آپ کے بغیر جی نہیں سکتی۔ چاہے آپ مجھ سے کتنی بھی نفرت کریں۔'' یہ کہہ کر وہ اس کے شانے پر سر رکھ کر اشک بہانے لگی۔ صارم کو اس کے آنسو اپنے دل پر گرتے محسوس ہوئے۔ اس نے اس کے گرد اپنے مضبوط بازوؤں کا حصار باندھا۔

''نہیں علیزے! میری جان آج میں اعتراف کرتا ہوں مجھے تم سے بے انتہا اور شدید محبت ہے۔ تمہاری یہ چاہت کا سحر ہی ہے کہ جس نے مجھے کہیں اور جانے ہی نہیں دیا۔ تمہاری معصومیت اور وجود کی پاکیزگی نے میرے گرد ایسا حصار باندھا ہے کہ جس سے میں چاہ کر بھی کبھی باہر آ ہی نہیں سکا اور نہ ہی آنا چاہتا ہوں۔ میں فطرتاً ایسا نہیں ہوں علیزے میں نے ہمیشہ اپنے بابا کو عورت کا احترام کرتے دیکھا وہ کہا کرتے تھے کہ عورت کوئی غلام نہیں جسے اپنی جان بچانے کے عوض دشمن کے سامنے پیش کیا جائے نہ ہی کوئی کھلونا ہے۔ جس سے اپنا دل بہلایا جائے بلکہ عورت تو قابلِ عزت اور قابل محبت ہستی ہے۔ جس کی انا اور نازک جذبات و احساسات کی حفاظت کرنا مردوں کی ذمہ داری ہے کہ کبھی ان کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے مگر میں بدلے کی آگ میں ان کی اور مورے کی تربیت کو بھول گیا تھا یہ بھی نہیں سوچا کہ میرے اس غلط اقدام سے بابا کی روح کو کتنی تکلیف پہنچے گی۔ میں یہ بھول گیا تھا کہ اللہ سب سے بڑا منصف ہے مگر میں اب سچے دل سے نادم ہوں اور پوری چاہت اور دل کی رضا سے تمہاری طرف لوٹا ہوں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ انتقام کی آگ میں جتنے تمہارے وجود پر اور روح پر زخم لگائے ہیں ان پر اپنی چاہت اور محبت کا مرہم رکھوں گا اور کبھی تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دوں گا۔'' صارم نے اس کے اشکوں کو اپنی پوروں سے چنتے ہوئے اسے خود سے لگایا۔ علیزے اس کی اس التفات پر پگھل کر رہ گئی۔ اسے یقین تھا اب ان کے درمیان صرف اور صرف محبت کا چمن کھلا رہے گا جہاں کسی جھوٹی نفرت کے خاردار کانٹوں کا گزر نہیں ہو گا۔ بالآخر اسے آسمان کی وسعتوں میں اپنا کھویا ہوا خوش بخت ستارہ مل گیا تھا۔ جسے صارم کی محبت کی روشنی میں ہمیشہ چمکتے رہنا تھا۔

☆



سر نہ کھجائیں..
Healthy ہوجائیں!
English
ANTI - LICE
SHAMPOO
جوؤں اور لیکھوں سے مکمل نجات



English
ANTI - LICE
SHAMPOO
PRO-V CONDITIONER
جوؤں اور لیکھوں سے مکمل نجات

افسانہ

ٹوٹ کر مجھ سے پیار کرو

وہ بیڈ پر نیم دراز انداز میں بیٹھا، کل آفس میں پیش کی جانے والی پریزینٹیشن کی تیاری کر رہا تھا۔ نظریں مسلسل لیپ ٹاپ کی اسکرین پر تھیں کہ کمرے کے دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے چونکنے پر مجبور کیا۔ اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔

"رات کے دو بجے..... اس وقت کون ہو سکتا



ہے۔'' اس نے لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھا اور اٹھ کر دروازے کی جانب پیش قدمی کی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

''تم...... خیریت تو ہے ناں۔'' زرش کو دیکھ کر اسے اچنبھا ہوا۔

''ج...... جی......'' وہ گھبرائی ہوئی تھی۔

''کوئی کام ہے کیا؟ سوئی کیوں نہیں ابھی تک؟''

''م...... میں...... اندر آجاؤں؟'' وہ اس کے سوال کو نظر انداز کر گئی اور اجازت مانگی۔

''ہاں، آؤ۔'' اس نے راستہ دیا۔

''بولو، کیا بات ہے۔'' اسے چپ کھڑے دیکھ کر اس نے پوچھا اور ساتھ ہی صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ بھی کیا مگر وہ کھڑی رہی، اس نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔

''کچھ بولو، کیا ہوا، کیا کھڑے کھڑے سو رہی ہو؟'' اس نے جھنجلا کر پوچھا۔

''م...... میں...... وہ...... میں یہ دینے آئی تھی۔'' بالآخر اس نے اپنے ہاتھ آگے کیے۔

ایک پنک کلر کا کارڈ، اور اس پر رکھی ہوئی گلاب کی کلی، عالیان کو حیرت میں ڈال گئی۔



''لیکن آج تو میری برتھ ڈے نہیں ہے پھر یہ......'' اس نے کارڈ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا مگر کارڈ کا فرنٹ دیکھ کر اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ اس نے بے یقینی سے کارڈ پر لکھی ہوئی عبارت کو پڑھا۔

''کیا ہے یہ سب؟'' وہ درشت لہجے میں غرایا اور ساتھ ہی ایک نگاہ پھر کارڈ پر ڈالی، جیسے یقین کر لینا چاہتا ہو کہ جو اس نے دیکھا وہ سب اس کا وہم ہو مگر وہاں بڑے واضح الفاظ میں لکھا۔ ''آئی لو یو'' اسے اشتعال دلا گیا۔ اور اس نے وہ کارڈ اور پھول اس کے منہ پر دے مارا وہ پوری جان سے کانپ گئی۔

''کس نے دیا ہے یہ؟'' عالیان نے ایک بار پھر اپنے غصے کو کنٹرول کیا اور اس سے پوچھا۔ اسے شک ہوا کہ زرش کے کالج کی کسی فرینڈ نے اسے بھجوایا ہو۔ کیوں کہ وہ جب زرش کو کالج چھوڑنے گیا تھا اس کی سہیلیوں کی نظروں کا ارتکاز اپنے اوپر محسوس کر چکا تھا اسے زرش کی وہ بے باک فرینڈز قطعاً پسند نہ آئیں تھیں۔

''مم......میں لائی ہوں آپ کے لیے۔'' لرزتی ہوئی زرش نے جواب دیا۔

''کیوں؟'' عالیان نے امید کا دامن اب بھی نہیں چھوڑا۔ اسے ابھی بھی یقین تھا کہ وہ زرش کو سمجھنے میں غلطی کر رہا ہے۔

''آ......آپ......آپ مجھے اچھے لگتے ہیں مم...... میں آپ کو پسند......'' اس نے اپنی ساری ہمت جمع کی اور کہہ ڈالا۔

''چٹاخ۔'' بے اختیار عالیان کا ہاتھ اٹھا اور اس کے رخساروں پر انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا۔ وہ لڑکھڑا کر گری اور نظر اٹھا کر اسے دیکھا جو غیض و غضب سے بھری اپنی انگارہ آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

''تمہاری اتنی ہمت کہ تم میرے سامنے کھڑے ہو کر یہ بکواس کرو۔ کہاں سے آئی اتنی جرأت تمہارے اندر بولو...... بولو یہ گندگی کس نے بھری ہے تمہارے ذہن میں۔'' وہ اسے جھنجھوڑتے ہوئے چیخا۔

''ٹھیک ہے اب تم گھر کے بڑوں کے سامنے جا کر جواب دینا۔'' اس نے اسے پکڑ کر کھڑا کیا اور کلائی سے کھینچتا ہوا دروازے کی سمت بڑھا۔ زرش کی مسلسل خاموشی اسے بے انتہا زہر لگ رہی تھی۔ زرش فوراً ہوش میں آئی اور جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اس کے قدموں میں گر پڑی۔

''نن...... نہیں علی بھائی! پلیز مجھے معاف کر دیں۔ آپ کسی کو کچھ مت بتائیے گا۔ میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتی ہوں پلیز۔'' وہ گڑگڑانے لگی۔ عالیان نے فوراً اپنے پیر اس کے ہاتھوں کی گرفت سے آزاد کیے اور اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اپنے سامنے کھڑا کیا۔

''کیوں، اب کیا ہوا؟'' ابھی تو محبت کا اعتراف کر رہی تھیں اور اب انکاری ہو، ارے میں تو تمہاری مشکل آسان کر رہا ہوں۔ دیکھو ناں جب گھر والوں کو معلوم ہی نہیں ہوگا تو بات آگے کیسے بڑھے گی۔ چلو اور سب کو بتا دو۔'' وہ اپنی انگلیوں کو اس کے بازوؤں میں پیوست کرتا ہوا مسلسل طنز کر رہا تھا۔

''نہیں پلیز میری خطا کو درگزر کر دیں میں نے جو کچھ کیا، جو کچھ کہا اس کو بھول جائیں۔'' وہ اپنی تکلیف بھول کر بے اختیار زار و قطار رو دی۔

دونوں ہاتھ آپس میں جوڑتے ہوئے بے تحاشہ آنسو بہاتی زرش اسے ایک پل کو خاموش کر گئی۔ کمرے میں تھوڑی دیر کے لیے خاموشی کا راج ہو گیا مگر زرش کی دبی دبی سسکیاں اسے بے چین و بے قرار کر گئیں۔

''صرف اتنا بتا دو کب اور کیسے......'' اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کن الفاظوں کو منتخب کرے، کیسے اور کن لفظوں میں اس سے پوچھے؟

''زرش! ہم دونوں اسی گھر میں ساتھ پلے بڑھے

ہیں۔ تمہاری تربیت بھی انہی لوگوں نے کی ہے۔ جن کے زیر سایہ میں پروان چڑھا ہوں، پھر تمہاری اس حرکت کو میں کیا سمجھوں؟'' ایک پل کو وہ رکا اور پھر اس سے مخاطب ہوا۔

''تم مجھ سے پانچ سال چھوٹی ہو۔ ہم سب تمہیں ابھی تک بچی ہی سمجھتے تھے۔ تم نے اپنے پیرنٹس کے بارے میں بھی نہیں سوچا۔'' وہ انتہائی دکھ سے بولا اور زرش کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ چلو بھر پانی میں ڈوب مرے۔

''مجھے تو خود پر حیرت ہے کہ جو لوگوں کو ایک نظر میں پہچان لینے کا دعوے دار ہوں، تمہیں کیسے نہ جان پایا کہ کب تمہاری نظریں بدلیں؟ کب تم نے خود کو اتنا کیسے گرا دیا زرش! یہ سب کرنے سے پہلے تمہیں گھر میں کسی ایک کا خیال بھی نہیں آیا۔'' وہ بے بسی سے بولا اور تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر ٹک گیا۔

''آیا تھا سب کا خیال آیا تھا مگر میری فرینڈ ز نے کہا کہ......''

واٹ...... فرینڈ ز...... کیا مطلب؟'' عالیان کو شاک لگا۔

''نن...... نہیں...... میرا مطلب ہے کہ......'' وہ جوابی صفائی میں بے اختیار سچ بولنے لگی تھی عالیان کے ٹوکنے پر گڑبڑا گئی۔

''سچ...... اور صرف سچ بولنا۔'' عالیان نے اسے تنبیہ کی۔ وہ سراسیمہ ہوگئی کہ اگر سچ کہا تو عالیان اور بھڑک اٹھے گا۔

''بولو مگر صرف سچ بولنا اگر ذرا بھی جھوٹ کہا تو بالکل رعایت نہیں کروں گا اور سیدھا لے جا کر تمہیں سب کے سامنے پھینک دوں گا پھر بولتی رہنا ان کے سامنے جھوٹ۔'' اس نے دھمکایا تو زرش نے اک نظر اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں اجنبیت صاف ظاہر تھی۔

''آپ مجھے کالج ڈراپ کرنے جاتے تھے ناں تو میری فرینڈ ز نے آپ کو دیکھا تھا۔ آپ انہیں اچھے لگے تھے۔'' اس کی کڑی نگاہوں سے گھبرا کر وہ ایک لمحے کو رکی۔

''پھر...... آگے بولو۔'' وہ ضبط کرتے ہوئے چیخا۔

''وہ سب آپ کے بارے میں جاننا چاہ رہی تھیں۔ میں نے بتا دیا تو ایک نے کہا آپ مغرور ہیں۔ مجھے اس کی بات بری لگی اور میں نے آپ کی بہت تعریفیں کیں۔'' وہ اٹک اٹک کے بے ربط بول رہی تھی۔

''مم...... میں نے کہا تھا کہ آپ گھر میں سب سے زیادہ میرا خیال رکھتے ہیں اور میری ہر بات مانتے ہیں۔ میری ہر وہ خواہش پوری کرتے ہیں جو ممی پاپا یا بڑے ابو یا بڑی امی منع کر دیتے ہیں۔'' وہ ایک لمحے کو پھر رکی۔

''میرا ضبط مت آزماؤ، جلدی بولو۔'' وہ بے انتہا درشت لہجے میں اسے ٹوک گیا تو وہ گھبرا کے جلدی سے بولی۔

''میری فرینڈ ز نے کہا کہ میرے ایسے لاڈ کوئی نہیں اٹھائے گا اور جب میری شادی ہوگی تو......

ان کا مطلب تھا کہ میں اپنے پیرنٹس کی اکلوتی اولاد ہوں تو جو عیش مجھے یہاں ملے ہیں، وہ تمہیں اور نہیں ملیں گے۔ اس لیے تم اپنے پیرنٹس سے کہو کہ وہ آپ سے میرا رشتہ...... مم...... میں نے منع کر دیا تھا انہیں آپ یقین کریں۔ میں ان کی باتوں میں نہیں آئی تھی مگر انہوں نے جب کہا کہ بعد میں، میں پچھتاؤں گی جب آپ کی شادی ہو جائے گی تو...... اس لیے میں ممی پاپا کے بجائے آپ کے پاس آ گئی۔ مجھے یقین تھا آپ مجھے انکار نہیں کریں گے کیوں کہ آپ میری ہر بات مانتے......'' وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے سب بتاتی چلی گئی اور جب نگاہ اس کی جانب کی تو بے اختیار زبان دانتوں میں دبا لی۔ کیوں کہ وہ سرد

آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''مجھے معاف کردیں علی بھائی! میں ان کی باتوں میں آ گئی تھی۔ میں ڈر گئی تھی میں اس گھر سے دور جانے کے خیال سے خوف زدہ ہو گئی تھی۔'' اس کی سرد مہری زرش کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر گئی۔
''کیسے معاف کردوں؟ کل کو تمہاری وہ عقل مند فرینڈز تمہیں کسی کے ساتھ بھاگ جانے کا مشورہ دیں گی تو تم وہ کام بھی بخوشی کرلو گی۔'' عالیان بہت مشکل سے خود کو سنبھال رہا تھا۔
''میں ایسی نہیں ہوں۔ آپ جانتے ہیں مجھے اچھی طرح۔'' اس نے دفاع کیا۔
''جانتا تھا اور میرا یہ دعویٰ بھی آج غلط ثابت ہو گیا ہے۔'' وہ برہم ہوا کہ وہ اپنی اتنی بڑی خطا کو معمولی سمجھ رہی ہے۔ رات کے اس پہر کس دیدہ دلیری سے وہ اس کے سامنے کھڑی تھی اگر عالیان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو کیا وہ بھی یونہی ثابت قدمی سے کھڑا رہتا۔ بالکل نہیں۔ جب زرش بہک سکتی ہے تو پھر...... وہ اس کی اس حرکت کے بارے میں جتنا سوچ رہا تھا اتنا ہی پاپر ہوتا جا رہا تھا اور وہ کہہ رہی تھی کہ وہ سب بھول جائے۔ عالیان نے بہت غور سے اسے دیکھا۔
''ٹھیک ہے۔ بھول جاؤں گا سب کچھ مگر میری ایک شرط ہے۔''
''مجھے منظور ہے۔'' وہ بے اختیار بولی گویا نئی زندگی مل گئی ہو۔
''پہلے سن تو لو، بعد میں تم مکر گئیں تو؟'' اس کا لہجہ پراسرار تھا۔
''مجھے پتہ ہے آپ کیا کہیں گے۔ آپ یقین رکھیں اب میں ان لڑکیوں سے بات بھی نہیں کروں گی بلکہ ان کی طرف دیکھوں گی بھی نہیں۔'' زرش نے اسے اطمینان دلایا۔
''لیکن میں نے یہ شرط تو نہیں رکھی بلکہ......'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مدھم مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے گویا ہوا۔
''بلکہ اس کے عوض مجھے تمہاری قربت چاہیے۔ صرف آج رات...... بار بار تقاضا نہیں کروں گا۔'' وہ اس کی حیران اور پھر ساکت آنکھوں کو دیکھتے ہوئے اپنا مطالبہ پیش کر رہا تھا اور وہ بے حس و حرکت پلک جھپکے بنا گنگ سی دیکھے گئی۔ سانس لینا تک جیسے اسے بھول گیا۔
''ارے حیران کیوں ہو؟ میں نے کبھی پارسائی کا کوئی دعویٰ تو نہیں کیا۔ بندہ بشر ہوں اب تم خود چل کر آئی ہو تو مجھے بھی کچھ پیش رفت کرنی چاہیے ناں۔'' وہ اس کے ہونٹوں کو شہادت کی انگلی سے چھوتے ہوئے مسکرایا۔ وہ پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ یہ عالیان کا کون سا روپ تھا۔ ابھی وہ غصے سے پاگل تھا اور اب۔
''آؤ ادھر چل کر بیٹھتے ہیں۔'' عالیان نے اس کی کلائی پکڑی اور بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ایک دم ہوش میں آئی اور جھٹکے سے کلائی چھڑا کر دو قدم پیچھے ہوئی۔
''کم آن اب نخرے کیوں دکھا رہی ہو۔'' وہ اسے پکڑنے کے لیے جیسے ہی اس کے قریب آیا وہ اسے دھکا دے کر اس کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی کمرے سے بھاگ گئی۔

☆......☆

صبح معمول کے مطابق سب ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ناشتے میں مصروف تھے سوائے زرش کے وہ ابھی تک اپنے کمرے سے نہیں نکلی تھی۔
''ارے کوئی ہماری گڑیا کو بھی دیکھے جا کر ابھی تک آئی کیوں نہیں۔'' عالیان کے پاپا سکندر حیات نے اپنی بیگم سے کہا۔
''بھائی صاحب! آپ اور بھابی نے مل کر اسے بگاڑ دیا ہے۔ اتنا لاڈ پیار بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔'' زرش

کے والد نے اپنے بڑے بھائی سے کہا۔
''بے وجہ زرش پر الزام نہ لگاؤ۔ اتنی سیدھی بچی تو ہے وہ۔'' سکندر حیات نے منصور حیات کو گھورا۔
''جاؤ بھئی بیگم! بلا کر لاؤ اسے۔'' انہوں نے صائمہ سے دوبارہ کہا تو وہ مسکرا کر کرسی سے اٹھ گئیں جب کہ عالیان فکرمند ہوا تھا۔
''سکندر...... علی...... جلدی آؤ۔'' صائمہ کی تشویش بھری آواز سے عالیان کو کسی انہونی کا احساس دلایا۔ وہ لمحے میں اٹھ کر بھاگا۔
''کک...... کیا ہوا امی؟''
''زرش دروازہ نہیں کھول رہی اور نہ ہی جواب دے رہی ہے۔'' انہوں نے چیختے ہوئے بتایا۔
تو عالیان تیزی سے واپس گیا اور جلدی سے کمرے کی ڈپلیکیٹ چابی لے آیا اور لاک کھولنے لگا۔ باقی لوگ بھی آگئے۔
''کیا ہوا میری بچی کو۔'' حنا بیگم بھی کچن سے بھاگ کر آئیں اور ایک دم رونے لگیں۔
لاک کھول کر سب سے پہلے وہی اندر گیا تھا باقی سب اس کے پیچھے داخل ہوئے۔
''زری...... زری...... ہوش میں آؤ آنکھیں کھولو۔''
اسے بیڈ پر بے سدھ پڑے دیکھ کر سب ساکت ہو گئے۔ ایک عالیان ہی تھا جو اسے جھنجوڑ رہا تھا مگر وہ ہوش و خرد سے بیگانہ پڑی تھی۔ عالیان نے کسی کی بھی پروا کیے بغیر اس کے بے ہوش وجود کو کسی قیمتی متاع کی طرح اپنی بانہوں میں بھرا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

☆......☆

''ڈاکٹر صاحب کیا ہوا ہے میری بیٹی کو۔ کچھ تو بتائیں۔'' جیسے ہی ڈاکٹر معائنہ کر کے روم سے باہر آیا حنا بیگم بلک اٹھیں۔
''چچی جان! حوصلہ کریں پلیز۔'' عالیان نے انہیں اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لیتے ہوئے تسلی دی۔
''ٹھیک ہیں وہ کچھ دیر میں ہوش آجائے گا۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔'' ڈاکٹر نے پروفیشنل انداز اپناتے ہوئے کہا۔
''لیکن وہ ایک دم بے ہوش کیسے ہوگئی؟'' سکندر حیات کو تشویش ہوئی۔
''کسی چیز کی بہت زیادہ ٹینشن لی ہے انہوں نے۔'' ڈاکٹر اپنی فارمیلٹی پوری کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔
''پاپا! چچی جان آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ ڈاکٹر نے کہا تو ہے اور چچی جان آپ بھی پلیز یوں اداس مت ہوں وہ ٹھیک ہے۔'' سب لوگ ہی بے حد پریشان تھے عالیان نے انہیں حوصلہ دیا۔
تھوڑی دیر بعد زرش کو ہوش آگیا سب اس کے پاس جمع ہو گئے۔
''کیا ہوا تھا میری بچی۔ تم کیوں بے ہوش ہوگئی تھیں۔'' حنا بیگم اسے پیار کرتے ہوئے رو پڑیں۔
''مما...... مما......!'' وہ بھی بے بسی سے رو دی۔
''بولو میری جان! کیا پریشانی ہے تمہیں ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ تم نے کوئی ٹینشن لی ہے۔'' انہوں نے اسے گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔
''حنا! کیوں پریشان کر رہی ہو بچی کو خود بھی رو رہی ہو اسے بھی رلا دیا ہے، چپ کرو۔'' منصور نے انہیں سمجھایا۔
''پاپا...... کل رات......'' زرش کے ذہن پر بوجھ تھا وہ اتار دینا چاہتی تھی یہ بوجھ اس لیے بتانے لگی مگر عالیان کے ایک دم سامنے آجانے پر گھبرا کر چپ ہوگئی۔
''کیا کر رہے ہیں آپ لوگ جو بھی بات کرنی ہے گھر جا کر آرام سے کر لیجیے گا۔ ابھی تو وہ ہوش میں آئی ہے اسے آرام کرنے دیں۔''

عالیان نے سب کو دیکھتے ہوئے کہا تو سکندر حیات بولے۔

''عالیان! ٹھیک کہہ رہا ہے۔ چلو حنا تم میری بیٹی کے پاس سے اٹھو تم اس کے پاس بیٹھو گی تو یونہی رلاتی رہو گی اور منصور تم ڈاکٹرز سے پوچھو جا کر ہم زرش کو گھر لے جاسکتے ہیں یا نہیں۔'' انہوں نے زبردستی دونوں کو زرش کے پاس سے ہٹا دیا۔ اسی دوران ان کا سیل فون بجنے لگا۔

''تمہاری امی کا فون ہے۔ میں انہیں زرش کا بتا تا ہوں تم اس کا خیال رکھو۔'' انہوں نے عالیان سے کہا اور حنا بیگم کو ساتھ لیے روم سے نکل گئے۔

کیونکہ انہیں پتا تھا کہ زرش کا پوچھنے کے بعد وہ حنا سے بھی ضرور بات کریں گی۔ ان کے جانے سے عالیان کو موقع مل گیا۔ وہ فوراً زرش کے قریب آیا۔ وہ گھبرا گئی اور دروازے کی سمت دیکھ کر آواز لگانی چاہی مگر عالیان نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا۔

''میری بات غور سے سنو! کسی کو کچھ بھی بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کہہ دینا ایگزامز ہونے والے ہیں اور تیاری نہیں ہے بس یہی ٹینشن تھی۔ اگر ایک لفظ بھی کسی کو بتانے کی کوشش کی تو یاد رکھنا آگے کے حالات کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔'' وہ بہت دھیمے مگر درشت لہجے میں غرایا اور اس سے دور ہوا۔

''میں چپ نہیں رہوں گی۔'' وہ سلگتے ہوئے بولی۔

''تو ٹھیک ہے بتا دینا...... بلکہ ایسا کرتا ہوں میں ہی بتا دیتا ہوں اور ثبوت کے طور پر تمہارا دیا گیا وہ کارڈ اور پھول بھی دکھا دوں گا میرا خیال ہے تمہاری ہینڈ رائٹنگ تو سب پہچانتے ہوں گے ناں۔ بہت خوب صورت الفاظ میں تم نے کارڈ پر ایک عبارت لکھی تھی ناں۔'' وہ سفاکی سے مسکرایا۔

''میری خیر ہے میں تو کہہ دوں گا تم نے مجھے ورغلایا تھا اور بس میری جان چھوٹ جائے گی مگر یہ سب سننے کے بعد کہیں چچا چچی کی جان نہ نکل جائے، آخر ان کی بیٹی نے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ قابل فخر تو ہرگز نہیں ہے۔'' اس نے پوری منظر کشی اس کے سامنے پیش کر دی اور زرش کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ اس نہج پر تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

''اور ہاں خودکشی کے بارے میں بھی نہیں سوچنا کیوں کہ تمہارے مرنے کے بعد میں بھی عالیان سکندر حیات بذات خود سب لوگوں کو تمہارے مرنے کی وجہ پورے ثبوت کے ساتھ بڑھا چڑھا کر بتاؤں گا۔'' عالیان نے اسے خود سے لڑتے دیکھ کر آخری وار بھی کر ہی دیا تھا کہ وہ ہر طرح سے پھنس جائے اور خاموشی اختیار کر لے۔

''آپ ایسے تو کبھی نہ تھے۔'' وہ دنگ رہ گئی۔

''بدل جانے والے کو انسان ہی کہتے ہیں اور میں بھی انہی میں سے ایک ہوں۔'' برجستگی نمایاں تھی۔

وہ بے اختیار رو پڑی۔ بے بسی اس کے انگ انگ سے ظاہر تھی۔ عالیان اسے اس حال میں دیکھ کر نظر بھر گیا اور کمرے سے نکل گیا۔

☆......☆

تقریباً دو ہفتے لگے تھے اسے مکمل صحت یاب ہونے میں۔ اب وہ ٹھیک تو ہو گئی تھی لیکن اپنے کیے پر اتنا نادم تھی کہ اسے چپ لگ گئی تھی۔ اب وہ گم سم ہو گئی تھی۔ سب کو اس نے ایگزامز کا کہہ کر اپنی بے ہوشی کا سبب بتا دیا تھا اور مطمئن بھی کر دیا تھا لیکن وہ خود مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔ جو غلطی اس نے کی تھی وہ قابل معافی نہ تھی اور اسے یہ سوچ مزید خوف زدہ کر رہی تھی کہ عالیان نے اگر کسی روز سب کو بتا دیا تو...... اس سے آگے کا سوچ کر ہی وہ لرز جاتی تھی۔

اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی عالیان نے کسی کو کچھ نہ بتایا بلکہ وہ زرش سے بھی دور دور ہی رہا۔ تو اب

ایک نئی فکر نے زرش کو عذاب میں مبتلا کر دیا کہ اگر عالیان نے اس بات کو راز رکھنے کے لیے کوئی ڈیمانڈ کر دی تو اب وہ ہر پل یہی سوچ کر کانپنے لگی تھی۔ اس کی زندگی اب کانٹوں پر گزرنے لگی تھی۔

☆......☆

جیسے تیسے کر کے اس نے پیپرز دے دیئے دل تو نہیں تھا مگر خود کو کمرے میں بند رکھنے کے لیے یہی ایک بہانہ تھا پڑھائی کا مگر اب فارغ ہونے کے بعد سب سے دور رہنے کا کون سا عذر تلاش کرے یہ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا اور بے کار بیٹھے بیٹھے اس کے دماغ میں الٹی سیدھی باتیں آنے لگی تھیں جن سے چھٹکارہ پانے کے لیے اس نے کچن میں امی کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا۔

عالیان گھر پر نہیں تھا وہ سب کے لیے کچن میں چائے بنا رہی تھی جب اسے تائی امی کی آواز سنائی دی۔

"ارے حنا! تم نے بتایا نہیں ان لوگوں کو، حد ہے ایسے کیسے وہ زرش کا ہاتھ مانگ رہے ہیں۔" صائمہ بیگم کی غصے سے بھرپور آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"بس اب بہت ہو گیا۔ آج ایک نے کہا ہے، کل کوئی اور آجائے گا، میں اب انتظار نہیں کروں گی۔ زرش پڑھتی رہے گی بعد میں بھی، اب میں تمہاری ایک نہیں سنوں گی۔" وہ برہم تھیں اور حنا بیگم منمنائے جا رہی تھیں مگر زرش کو سوائے پرپوزل کے آنے کی بات کے کوئی بات سمجھ نہ آئی اس نے سر جھٹکا اور اپنے کام میں لگ گئی لیکن رات میں جب حنا بیگم نے اسے بتایا کہ سب عالیان سے اس کی شادی کا سوچ رہے ہیں تو اس نے صاف منع کر دیا۔

"میں قطعاً ان سے شادی نہیں کروں گی۔ آپ کہیں بھی کر دیں مگر ان سے نہیں۔" اس نے اپنے طور پر یہی وضاحت مناسب سمجھی تھی عالیان سے شادی سے انکار کی۔

"پاگل مت بنو، اتنا اچھا ہے عالیان اور ویسے بھی تمہاری بات بچپن سے طے ہے اس کے ساتھ کوئی انکار نہیں سنا جائے گا۔" انہوں نے زرش کے تیور دیکھے تو غصے سے ڈانٹ کر حقیقت بتائی۔

"بچپن سے....." اسے جھٹکا لگا۔

"مم..... مگر..... امی!" اس نے لب وا کیے۔

"بس اب ایک لفظ اور نہیں۔" اسے تنبیہہ کر کے وہ کمرے سے نکل گئیں۔ پہلے تو وہ اتنی جلدی شادی پر راضی نہ تھیں مگر بیٹی کی حالت کے پیش نظر مان گئیں کہ اس کی چپ سے وہ بے حد پریشان رہنے لگی تھیں۔ اس لیے شادی کا ہو جانا ہی انہوں نے مناسب جانا تھا۔ زرش کے لیے اس لیے تھوڑی سختی بھی کی تھی۔

☆......☆

"میں کسی صورت ان سے شادی نہیں کروں گی۔" سب کو راضی کرنے کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد اس نے عالیان سے بات کرنے کا فیصلہ کیا اور سیدھی اس کے کمرے میں جا پہنچی۔

"پچھلی بار تو ناک کرنے کی رسم نبھائی تھی لیکن اس بار تو بنا اجازت ہی گھس آئی ہو۔" عالیان نے اسے حیرت سے اپنے کمرے میں دیکھا تو طنز کیا۔

"خیر..... کچھ عرصے بعد تمہارا ہی کمرہ ہونے والا ہے یہ بھی۔ اسی طرح ہی آؤ گی اسی لیے ابھی سے عادت ڈال رہی ہو۔" اسے خاموش دیکھ کر وہ مزید گویا ہوا۔ وہ پیچ و تاب کھا کے رہ گئی۔

"مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی۔" اپنا مدعا بیان کیا تو عالیان نے بغور اسے دیکھا۔

"شکر کرو کہ میں راضی ہوں ورنہ تم جیسی لڑکی کو کون اپنی عزت بنائے گا۔" وہ سلگ کر بولا۔ زرش کی یہ بات اسے غصہ دلا گئی۔

''مجھ جیسی..... مطلب کیا ہے آپ کا؟'' زرش کو پتنگے لگ گئے تھے۔

''ارے غصہ کیوں کر رہی ہو، ٹھیک ہی تو کہا ہے میں نے تمہارے ایک فلرٹ کا گواہ تو میں خود ہوں جو تم نے مجھ سے کرنے کی کوشش کی تھی اور نہ جانے کتنے فلرٹ کیے ہوں گے تم نے۔'' اس نے برہمی سے جتایا وہ اس کے اس طرح کہنے پر اندر سے ٹوٹ گئی۔

''تو آپ کون سے پارسا ہیں۔ آپ نے کیا کہا تھا اس دن، یاد ہی ہو گا آپ کو۔ اگر میں سب کو بتا دوں تو؟'' زرش نے اب اس سے نہ ڈرنے کی قسم کھائی اور اسے دھمکایا۔

''شوق سے بھئی مگر ثبوت کیا ہے؟'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''ہاں تمہارے کارنامے کے ثبوت ضرور موجود ہیں۔'' عالیان نے دوبدو کہا اور اسے چپ لگ گئی۔

''میں مر جاؤں گی۔'' وہ بے بسی سے یہی بولی۔

''اور مرنے کی وجہ سب کو میں بتا دوں گا تم بے فکر ہو کر آرام سے مرو۔'' اس نے ایسے کہا جیسے وہ اخبار کی کسی خبر پر تبصرہ کر رہا ہو اور یہی وہ بات تھی جو زرش کو آخری حد تک جانے سے روک رہی تھی اس ایک بات کی وجہ سے وہ بے بس ہو جاتی تھی۔ ایک نظر عالیان پر ڈال کر وہ روتے ہوئے اس کے کمرے سے نکل گئی۔

☆......☆

دلہن بن کر اس پر بے حد روپ آیا تھا۔ سب لوگ بہت خوش تھے لیکن وہ زبردستی کی مسکراہٹ منہ پر سجائے بیٹھی تھی۔ حجلۂ عروسی میں پہنچ کر اس نے یہ تکلف بھی نہ کیا۔ بس وہ اس انتظار میں تھی کہ سب لوگ اسے اکیلا چھوڑ کر جائیں اور وہ ان زیورات اور خوب صورت جوڑے سے جلد از جلد جان چھڑائے۔ عالیان کو شاید اس بات کا اندازہ تھا اس لیے جیسے ہی سب نکلے وہ کمرے میں آ دھمکا۔ اسے دیکھ کر زرش کے ماتھے پر سلوٹیں نمودار ہوئیں اور وہ غصے سے بیڈ سے اٹھی۔

''ابھی کہاں.....ابھی تو میں نے تمہیں دیکھا بھی نہیں۔'' عالیان نے اسے روکا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس بیڈ پر لے آیا۔

''ہاتھ مت لگانا مجھے۔'' زرش نے مزاحمت کی مگر جب اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش میں ناکام ہوگئی تو بے اختیار رو پڑی۔

عالیان کے مسکراتے لب بھینچ گئے اس نے زرش کو آزاد کر دیا مگر وہ خود کو اتنا بے بس محسوس کر رہی تھی کہ وہاں سے بھاگ اٹھنے کی ہمت خود میں نہ لا پائی اور اشک برساتی رہی۔

''زرش! مجھے معاف کر دو، میں تمہارے ساتھ یہ سب اس طرح نہیں کرنا چاہتا تھا میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں اور......'' اس نے ہمت کر کے بولنا شروع ہی کیا تھا کہ زرش کی کاٹ دار نظروں کو دیکھ کر چپ ہو گیا۔

''پلیز یار! رو تو نہیں، تمہارے آنسو مجھے تکلیف دے رہے ہیں۔ پلیز چپ ہو جاؤ۔'' عالیان سے اس کی بے بسی نہیں دیکھی گئی اس نے ہاتھ بڑھا کے اس کے آنسو صاف کرنے چاہے تو اس نے ہاتھ جھٹک دیا اور عالیان سے دور ہو کر بیٹھ گئی۔ عالیان نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''تم صرف ایک بار میری بات سن لو۔ صرف ایک بار۔ پھر اس کے بعد اگر تم چاہو گی تو میں تمہیں تمہارے کمرے میں چھوڑ آؤں گا۔ کوئی کچھ بھی کہے گا مگر میں تمہارا فیصلہ مان لوں گا۔'' اس نے ریکوسٹ کی مگر زرش نے کوئی جواب نہ دیا۔

''زری! یہ سچ ہے کہ میں تم سے بے انتہا محبت کرتا ہوں تم چاہے کسی کی بھی قسم اٹھوا لو میں آج سے نہیں تب سے تمہیں چاہتا ہوں جب مجھے بتایا گیا تھا کہ تم

میری ہو۔" اس نے کہنا شروع کیا۔ زرش نے اس انکشاف پر جھٹکے سے سر اٹھایا۔
"ہاں! مجھے معلوم تھا جب میں فرسٹ ایئر میں تھا تب ہی ممی پاپا نے مجھے باور کرادیا تھا تاکہ میں کہیں اور انوالو نہ ہوسکوں۔ البتہ تم سے چھپایا گیا تھا اس لیے کہ تم بے حد معصوم تھیں بلکہ اب بھی ہو۔" اس نے تصحیح کی اور زرش کی نگاہوں کے مفہوم کو سمجھتے ہوئے وضاحت بھی دی۔
"سب کا خیال تھا کہ تم ٹھیک طرح سے پڑھ نہیں پاؤ گی۔ جب وقت آئے گا تمہیں بتادیں گے اور اسی لیے میں نے بھی جاننے کے باوجود اپنے جذبات تم سے چھپائے، اپنی محبت کو تم پر آشکار نہیں کیا۔"
"جھوٹ...... بکواس ہے سب۔" وہ دہاڑی۔
"ایک ایک لفظ سچ ہے زری! ایک ایک لفظ۔" اپنی محبت کی توہین پر وہ بھی چیخ اٹھا۔ زرش سہم گئی۔ ایک لمحہ لگا تھا اسے خود پر قابو کرنے میں اور پھر سے کہنا شروع ہوا۔
"تمہیں کیسے یقین دلاؤں مگر سچائی یہی ہے ہاں تمہارا یہ رویہ بھی اپنی جگہ درست ہے کیوں کہ میں نے تمہارے ساتھ سلوک بھی تو بہت برا کیا تھا مگر میں کیا کرتا تمہاری اس حرکت پر میں واقعی پاگل ہوگیا تھا۔ تم اتنی بے وقوفی کا مظاہرہ کروگی میرے تو گمان میں بھی نہیں تھا۔" اس نے زرش کو یاد دلایا۔
"مجھے لگا کہ اگر تمہاری اس حرکت پر میں تمہارے سوری کہنے سے چپ ہوجاؤں گا تو تم مزید بے عقلی کا مظاہرہ کروگی، تمہیں سبق سکھانے کے لیے میں نے وہ سب کیا تھا۔"
"اگر میں مرجاتی تو......" زرش کو شاید یقین آنے لگا تھا۔ اس لیے بے اختیار پوچھ بیٹھی۔
"ایسا میں ہرگز نہیں ہونے دیتا۔" وہ بے اختیار بولا۔
"اس رات صرف تمہیں سبق سکھانے کا سوچا تھا مگر اس رات کے بعد جو کچھ ہوا وہ سب کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ تمہیں دھمکانے کا میں نے سوچا بھی نہیں تھا مگر تمہاری ضد اور سرکشی دیکھ کر میں مجبوراً ایسا کرتا چلا گیا۔ کئی بار سوچا کہ تمہیں حقیقت بتادوں مگر پھر ڈر گیا کہ سب کچھ جاننے کے بعد تم مجھ سے دور نہ ہو جاؤ۔ شادی سے انکار نہ کردو۔ ابھی بھی صرف اس کارڈ کی وجہ سے تم نے مجھ سے شادی کی ہے اگر میں وہ تمہیں واپس کردیتا اور سب کچھ تم پر واضح کردیتا تو مجھے یقین تھا، تم کبھی ہامی نہ بھرتیں، بس اسی ڈر کی وجہ سے تمہیں حقیقت نہ بتا پایا۔ تمہیں کھونے سے ڈرنے لگا تھا۔" وہ بے بسی کی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے بولا۔ اس کا اقرار لب و لہجے کا سحر زرش کو حیرت زدہ کر گیا۔
"اگر میں خودکشی جیسا قدم اٹھالیتی تو۔" معنی خیز خاموشی سے گھبرا کر زرش نے سوال داغا۔
"اس بات کو بھی میں نے ذہن میں رکھا تھا۔ تب ہی بار بار کہا تھا کہ تمہارے مرنے کے بعد وہ چیزیں ثبوت کے طور پر پیش کردوں گا۔ مجھے یقین تھا تم چچا چچی کی عزت کو داؤ پر نہیں لگاؤ گی اور جتنی بھی بے بس ہوجاؤ مگر خودکشی نہیں کروگی۔" عالیان نے جذبات سے چور لہجے میں کہا اور اس کے خوبصورت روپ پر نظریں جمائیں۔ آنکھوں میں شوق کا جہاں لیے وہ اسے دیکھے گیا۔ زرش نے گھبرا کر پلکوں کو عارض پر گرا دیا۔ عالیان مسکرا اٹھا۔
"شکر ہے تمہیں یقین تو آیا۔ ورنہ میں سوچ رہا تھا کہ یہ حسین رات وضاحتیں دیتے ہی گزرے گی۔" وہ شوخ ہوا۔
"م...... مجھے یقین نہیں ہے۔ میں خفا ہوں آپ سے۔" زرش نے اپنے دل کو ڈانٹا جو بے وجہ ہی خوشی سے پاگل ہو رہا تھا اور عالیان کو بھی ناراضی جتائی تو وہ بے اختیار قہقہہ لگانے پر مجبور ہوگیا۔
"مجھے پتہ ہے تم ایسے قابو نہیں آؤ گی۔ تمہیں

یقین دلانے کے لیے اب عملی طور پر کچھ کرنا پڑے گا۔" وہ اس کے نزدیک ہوا وہ گھبرا کر دور ہوئی اور اپنی دھڑکنوں کو قابو کرنے لگی مگر عالیان نے اس کی ایک نہ سنی اور آگے بڑھ کر اس کے گرد حصار قائم کر دیا۔

"چھوڑیں مجھے۔ کسی خوش فہمی میں مت رہیں، میں نے آپ سے بات نہیں کرنی بس اور وجہ میں نہیں بتاؤں گی۔" وہ مچلی تھی اس کے بازوؤں میں۔

"وجہ میں جانتا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ تمہارا ارادہ تھا کہ تم مجھ سے شادی کر کے میرے کمرے میں آ کر وہ کارڈ اور پھول ڈھونڈ نکالو اور پھر وہ ثبوت مٹا کر تم خود کو بھی مٹا دینا چاہتی تھیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"آ......آپ کو کیسے پتا؟" وہ دنگ رہ گئی۔

"تم سے زیادہ جانتا ہوں تمہیں تمہاری ایک ایک ادا سے واقف ہوں۔ عاشق جو ٹھہرا۔" وہ مسکرایا۔

"تم ابھی تک اسی لیے خفا ہو کہ اگر میں تمہیں آج نہ بتاتا تو تم نے تو مر جانا ہی تھا۔ مگر میں تمہاری سوچ کو تم سے پہلے پڑھ لیتا ہوں۔ اسی لیے ابھی وضاحت دے دی اور ساتھ معافی کی درخواست بھی پیش کر دی۔" وہ اس کے چہرے پر جھکا۔

"کوئی نہیں معافی تو آپ نے مانگی ہی نہیں ہے۔ میں تو آپ کو معاف نہیں کروں گی اتنا تنگ کیا ہے مجھے میں تو ناراض ہوں۔" وہ روٹھتے ہوئے بولی مگر اب اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش نہیں کی۔

"لیکن معافی تو تم نے دے دی ہے۔" وہ اترایا۔

"کب؟" وہ حیران ہوئی۔

"تم میری بانہوں میں ہو، مزاحمت بالکل نہیں کر رہیں تو یہ معافی ہی تو ہے۔" اس نے جتلایا اور گہری نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ بے اختیار اس کے سینے میں منہ چھپا گئی۔ دل سے سارا ڈر خوف دور ہو گیا تھا اور اتنی محبت پا کر وہ تو نہال ہی ہو گئی تھی۔ عالیان نے اسے سرشار دیکھا تو مطمئن ہو گیا۔

"زری۔" چند لمحوں بعد بہت ہولے سے اسے پکارا۔ زرش نے بے اختیار سر اٹھا کے اسے دیکھا۔

"زری! میرے دل میں برسوں سے ایک خواہش دبی ہے مگر آج جب تم میرے اتنے قریب ہو تو دل پاگل ہو رہا ہے۔ تمہاری زبان سے سننے کو بے قرار ہوئے جا رہا ہے۔" عالیان کی مدھم اور جذبوں سے چور آواز پر زرش نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھے گئی۔

"کہہ دو۔ صرف اک بار کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔" بہت معصوم پیار بھری التجا تھی۔ زرش اس کے لہجے کے سحر میں کھو گئی۔

"پلیز۔ میرے دل کو قرار آ جائے گا۔" وہاں بےبسی کی انتہا تھی اور زرش اس درجہ محبت پر اپنے معتبر ہونے پر اپنے آپ کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی۔

عالیان کی التجا پر وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی اور اپنے لب اس کے کان کے قریب لے جا کر بے اختیار کہہ بیٹھی۔

"آئی لو یو عالیان!" زرش کی اس ادا پر وہ جھوم اٹھا تو وہ اپنی بے اختیاری پر شرم سے پانی پانی ہو گئی اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا گئی۔

"اک بار پھر سے کہنا" عالیان نے شوخ لہجے میں اصرار کیا تو وہ مزید سمٹ کر رہ گئی اور اسے کچھ نہ سوجھا تو عالیان کے سینے میں منہ چھپا لیا اور عالیان نے اس کی اس سپردگی کو اپنے لیے انعام سمجھا اور اسے خود میں سمو کر گنگنانے لگا۔

اک بار پھر سے کہنا
تمہیں مجھ سے محبت ہے
تمہیں میری ضرورت ہے

......☆......

نینا خان

افسانہ

نماخیں، بھول اور شعلے

"اللہ اکبر!" کی پہلی صدا پر ان کی آنکھ کھلی تھی، کمبل ہٹا کر وہ بیڈ سے اتر آئیں۔ اپنے شریک حیات کو نماز کے لیے اٹھا کر وہ خود بھی وضو کر کے نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں۔



جائے نماز سمیٹ کر وہ سیدھے اپنے لاڈلے کے کمرے کی طرف آئیں جہاں وہ گہری و میٹھی نیند کے مزے لے رہا تھا۔ پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔ یہ ان کے روز کا معمول تھا۔ اپنے لاڈلے کو اٹھانے کے لیے انہیں یہی طریقہ سب سے اچھا لگتا تھا۔ شروع سے وہ اسے یونہی اٹھاتی تھیں۔

''شاہ...... شاہی بیٹا اٹھو نماز کا وقت نکلے جا رہا ہے۔'' اسے ابھی تک پڑے دیکھ کر وہ بالآخر بول پڑیں۔ وہ صبح اٹھنے میں بالکل بھی تنگ نہیں کرتا تھا۔ نہ جانے کیوں آج وہ آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔

''بیٹا! نماز قضا ہو جائے گی آپ کی۔ اٹھو شاباش۔'' اس کے ماتھے پر بکھرے بال پیچھے کرتیں وہ پچکارنے لگیں۔

''اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ماما!''

''کیوں؟'' وہ حیران ہوئیں۔

''پتا نہیں ماما! دل چاہ رہا ہے یونہی ہلکا ہلکا اندھیرا ہو۔ کبھی صبح نہ ہو اور آپ میرے بالوں میں یوں ہی انگلیاں پھیرتی رہیں۔ یہاں تک کہ میں پھر سے سو جاؤں اور پھر سے وہی خواب دیکھوں۔'' وہ آنکھیں



مونڈھے بولا۔

''کون سا خواب بیٹا؟'' ان کی بالوں میں پھرتی انگلیاں پل بھر کے لیے ساکت ہوئی تھیں۔

''رات میں نے خواب میں ایک حسین وادی دیکھی ماما بالکل آپ کی بتائی ہوئی جنت کی طرح۔ وہاں ہر طرف پھول ہی پھول تھے۔ رنگ برنگی تتلیاں پھولوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف ٹھنڈے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ میں، حذیفہ، معاذ، حمزہ، فواد، شہروز، معیز، عثمان بہت سارے بچے وہاں کھیلتے ہیں۔ وہ بہت اونچی جگہ تھی ماما، بہت اونچی۔ سب وہاں خوش ہوتے ہیں اور میں بھی لیکن میں وہاں اکیلا ہوتا ہوں۔ آپ میرے پاس نہیں ہوتیں۔ میں ہر جگہ آپ کو ڈھونڈتا ہوں لیکن آپ کہیں نہیں ہوتیں۔ پتہ نہیں ماما عجیب خواب تھا۔ عجیب وادی تھی بہت ہی خوب صورت اور پرسکون اگر آپ بھی وہ جگہ دیکھ لیں تو حیران رہ جائیں گی اور اللہ سے دن رات وہاں جانے کی دعائیں کریں گی۔'' وہ بہت ہی مدھم خواب ناک لہجے میں بولتا کسی اور جہاں میں پہنچا ہوا تھا۔ وہ خواب بہت کم دیکھتا تھا لیکن جب بھی دیکھتا کئی دنوں تک وہ اپنے خواب کے سحر سے باہر نہیں آتا تھا۔ وہ اسے وقتی طور پر خواب کے اثر سے نکالنا چاہتی تھیں۔

''بیٹا! خوابوں کو خود پر سوار نہیں کرتے۔ اٹھو بیٹا نماز پڑھو اللہ سے دعا کرو۔'' ان کے کہنے پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھا تھا۔

''تم نماز پڑھو، میں تمہارا یونیفارم پریس کردوں۔'' اسے واش روم بھیج کر وہ خود اس کا یونیفارم پریس کرنے لگیں۔ نہ جانے کیوں آج ان کا دل عجیب سا ہو رہا تھا۔ ہر خیال اور شیطانی وسوسے کو جھٹک کر وہ مکمل یکسوئی سے ناشتہ بنانے لگیں۔

ناشتہ بنانے کے دوران بار بار شاہ زیب کے کمرے کے چکر بھی معمول کی طرح لگاتی رہیں۔ جب وہ اس کے کمرے میں آئیں تو وہ یونیفارم پہن چکا تھا اور اب شوز پہن رہا تھا۔

''میں پیارا لگ رہا ہوں نا ماما؟'' انہیں یوں مسلسل خود کو تکتے پا کر وہ شرارت سے بولا۔

''میرا بیٹا ہے ہی پیارا بالکل اپنی ماما کی طرح۔'' جواباً وہ بھی شرارت سے بولیں وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''اس میں کوئی شک نہیں۔'' وہ سوکس پہنتے ہوئے مسکرایا۔

''مجھے یقین تھا آپ یہاں ہی پائی جائیں گی۔'' طارق خان چار سال زرلالہ کو گود میں اٹھائے کمرے میں آتے ہوئے بولے۔

''ماما۔'' زر انہیں دیکھ کر پھر سے رونے لگی۔

''کیا ہوا ماما کی جان۔'' انہوں نے لپک کر اسے گود میں اٹھایا تھا۔ رات سے ہی زرلالہ کی طبیعت خراب تھی اس لیے وہ کچھ چڑچڑی سی ہو رہی تھی۔

''تم تیار ہو جاؤ شاہ! میں زر کو چینج کروا دوں۔'' کمرے سے نکلتے ہوئے وہ مصروف سے انداز میں بولیں۔

ان کے جانے بعد وہ اپنی چیزیں سمیٹنے لگا جو اسے آج اسکول لے کر جانی تھی۔

☆......☆

''ناشتہ کیوں نہیں کر رہیں آپ؟'' طارق اپنی خوب صورت بیوی کے معصوم چہرے پر نرم سی نگاہ ڈال کر بولے۔ وہ زرلالہ کا ناشتہ کروانے کے بعد خاموش بیٹھی نہ جانے کیا سوچ رہی تھیں۔

''کیا ہوا کوئی پریشانی ہے؟'' انہیں یوں گم صم دیکھ کر وہ خود بھی پریشان ہو اٹھے۔ وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

''نن......نہیں......زر کو بخار ہے تو سوچ رہی ہوں اسے بھابھی کے پاس چھوڑ کر اسکول چلی جاؤں۔''

''ہوں۔ ٹھیک ہے۔'' بریڈ پر جیم لگاتے وہ مختصر سا بولے۔

"میں شاہ کو دیکھ لوں ابھی تک آیا کیوں نہیں۔" وہ کرسی چھوڑ کر اپنے بیٹے کے کمرے کی طرف بڑھیں۔

"شاہ بیٹا! دیر ہو رہی ہے جلدی کرو۔ دین کے آنے کا ٹائم ہو گیا ہے اور تم نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا۔"

"میں تیار ہوں ماما! آپ چلیں میں بس آرہا ہوں۔" انہیں تسلی دے کر وہ نوٹ بک اٹھا کر اسٹڈی ٹیبل پر رکھنے کے لیے بڑھا۔

"نہیں میرے ساتھ چلو۔ تم آج پھر ناشتہ گول کرنے کے چکر میں ہو۔" اس کی نیلی بڑی بڑی آنکھوں کو دیکھتی وہ مصنوعی غصے سے اسے گھورنے لگیں۔

"افوہ۔ ماما! آپ کیسے جان لیتی ہیں میرے دل کا حال؟"

"میں ماں ہوں بیٹا! بچوں کے دل کا حال مائیں بغیر کہے ہی جان جاتی ہیں۔ تمہارے چہرے کو دیکھ کر میں سب جان لیتی ہوں۔" اس کے پھولے سرخ گال پر بوسا لے کر وہ بولیں۔ جواباً وہ مسکراتے ہوئے بڑی عقیدت سے اپنی ماں کو دیکھنے لگا اور ان کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں آیا تھا۔

"آپ میرے دل کا حال جان لیتی ہیں نا تو بتایئے اس وقت میرا دل کیا چاہ رہا ہے؟" کرسی پر بیٹھتے وہ آنکھوں میں شرارت کی چمک لیے مسکرایا۔

"میرے بیٹے کا دل اس وقت گرم گرم پراٹھے کے ساتھ آملیٹ کھانے کو چاہ رہا ہے۔" ان کے سو فیصد صحیح اندازے پر وہ بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ اسے ہمیشہ سے اپنی ماں سے بڑی عقیدت تھی، ہر بچے کی طرح وہ بھی اپنی ماں سے لاڈ اٹھواتا تھا۔ اسے اپنی ماں سے شدید محبت تھی۔ زندگی کے سترہ سالوں میں ایک بار بھی وہ اپنی ماں سے الگ نہیں ہوا تھا۔ اس کی ماں بیٹے کی اس قدر محبت جانتی تھیں اسی لیے وہ خود بھی اس سے کبھی دور نہیں ہوئی تھیں۔ اسی لیے ہی انہوں نے اس کے اسکول میں جاب کر لی تھی۔ فطری سی بات ہے کہ ہر بچے کو اپنے والدین سے محبت ہوتی ہے جو قدرت کی طرف سے اس کے خمیر میں شامل کر دی جاتی ہے لیکن ان کا بیٹا باقی بچوں سے الگ تھا۔

ان کے دو بچے ایک بیٹا اور بیٹی اور بھی تھے لیکن شاہ زیب جیسے حساس نہیں تھے وہ عام بچوں کی طرح نارمل سا رویہ رکھنے والے بچے تھے جب کہ شاہ زیب بہت منفرد فطرت کا مالک تھا۔

انہیں اپنے دونوں بیٹوں سے محبت تھی لیکن وہی فطری سی بات کہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے شاہ ان کے زیادہ قریب تھا۔ بڑے بھائی زوہیب کے ہاسٹل جانے کے بعد ان کی ساری توجہ و پیار کے لیے وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ ان ماں بیٹے کی سانسیں [illegible] دوسرے کو دیکھ کر چلتی تھیں۔

اس کے سامنے ناشتہ رکھ کر وہ بڑی محبت سے اسے ناشتہ کروانے لگیں۔ وہ سترہ سال کا خوب صورت نوجوان تھا لیکن آج بھی چار سالہ زری کی طرح ماں کے ہاتھ سے کھاتا تھا۔

"اونٹ جتنے لمبے ہو گئے ہو پھر بھی بچوں کی طرح ماما کے ہاتھ سے کھاتے ہیں۔ اب تو بخش دو ماما کو۔" زوہیب نے بیٹھتے ہی اسے چھیڑا تھا۔

"ماما! جلنے کی بو آرہی ہے نا؟ دیکھیے تو زوہیب جل کر کوئلہ تو نہیں ہو رہا؟" وہ معصوم سی شکل بنا کر بولا تو زوہیب کے ساتھ اس کے ماما، بابا بھی مسکرائے۔

"ہاں تو تم نے ماما پر پورا قبضہ جما لیا ہے۔ جیسے ماما پر صرف تمہارا ہی حق ہے۔ اب اسے میں کھل کر گلاب بننے سے تو رہا۔ جل کر کوئلہ ہی بنوں گا نا اور ماما...... ماما آپ کو بھی اپنے شاہ کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا؟"

"چھوڑیں ماما! جلنے والوں کو جلنے کا بہانہ چاہیے۔

دھیان مت دیں اِدھر اُدھر کی باتوں پر۔" انہیں کچھ کہنے کے لیے منہ کھولتے دیکھ کر وہ زوہیب کی طرف منہ چڑھا کر بولا۔ زوہیب نے مصنوعی غصے سے اسے گھورا تھا۔

"وین والا ابھی تک آیا کیوں نہیں؟ اب تک تو آجانا چاہیے تھا۔" شاہ کو ناشتہ کروانے کے بعد وہ گھڑی پر نظر ڈال کر برتن سمیٹنے لگیں۔

"انہیں میں نے میسج کر کے منع کر دیا ہے ماما۔" وہ ٹیکلین سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔

"کیوں؟" ان تینوں نے اسے دیکھا تھا۔

"بابا ہیں نا، بابا چھوڑ آئیں گے ہمیں۔" وہ پہلے سے ہی پلان ترتیب دے چکا تھا۔

"او کے چلو اسی بہانے میں عثمان (دوست) سے بھی مل لوں گا۔"

"زوہیب، زری کو بھابھی کے پاس چھوڑ آنا او کے۔" چادر پہنتے ہوئے ماما بولیں۔

"کیا مطلب؟ تم نہیں جا رہے ہمارے ساتھ؟" شاہ زیب کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر مرکوز ہوئیں۔

"نہیں یار! تم جاؤ مجھے کام ہے میں وہ مکمل کر لوں گا۔"

"سچ کہہ رہے ہو؟"

"میں جھوٹ کیوں بولوں گا یار؟" اس کا جواب سن کر وہ جانے لگا۔ لیکن پھر نہ جانے دل میں کیا سمائی کہ وہ پلٹا۔

"اسکول تک تو جا سکتے ہو نا...... ہمیں چھوڑ کر بابا کے ساتھ واپس آجانا پھر کرتے رہنا اپنے کام۔" زری کو اٹھا کر اس کا ہاتھ پکڑے وہ زبردستی اسے باہر لے آیا۔

راستے میں بھی دونوں کی نوک جھونک چلتی رہی۔ اسکول گیٹ کے سامنے گاڑی روک کر اس کے بابا اور ماما گاڑی سے اترے، وہ کچھ دیر بیٹھا رہا اور پھر زوہیب کے ساتھ وہ بھی اترا تھا۔

"چلو نا شاہ۔" اسے کھڑے دیکھ کر اس کی ماما پلٹ کر بولیں۔

"آپ چلیں ماما میں آرہا ہوں۔" انہیں بھیج کر وہ تھوڑی سی دیر زوہیب اور زری کے ساتھ کھڑا رہا۔

"ماما سے بدگمان مت ہوا کرو زوہیب۔ وہ تم سے بھی اتنا ہی پیار کرتی ہیں جتنا مجھ سے کرتی ہیں۔ بس میں ہی انہیں اپنے ساتھ لگا کر تمہاری اور زری کی محبت بھی لے لیتا ہوں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں ماما پر تمہارا بھی حق ہے لیکن پتہ نہیں کیوں میں...... مجھے ہر پل ہر لمحہ یہی لگتا ہے جیسے ماما کی محبت و توجہ سمیٹنے کے لیے میرے پاس صرف یہی وقت ہے۔ تمہیں مجھ پر غصہ ہے میں جانتا ہوں لیکن آج کے بعد ایسا نہیں ہو گا میں وعدہ کرتا ہوں آج کے بعد تمہارے حصے کی توجہ و پیار تمہیں ہی ملے گا۔ بس تم میری پچھلی باتیں معاف کر دو۔"

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو شاہی، میں جانتا ہوں ماما مجھ سے بھی پیار کرتی ہیں۔ وہ ماں ہیں۔ ماں کی محبت پر شک کر کے اور ان سے بدگمان ہو کر میں گناہ گار نہیں بننا چاہتا۔ یہ تو میں تمہیں تنگ کرنے کے لیے الٹا سیدھا بول لیتا ہوں۔ مجھے اچھا لگتا ہے تمہیں تنگ کرنا۔ تمہیں غصہ دلا کر بہت مزہ آتا ہے۔ مہینہ دو مہینے بعد گھر آکر دو دن تمہارے ساتھ گزار کر ہی مجھے لگتا ہے۔ میں نے اپنی ساری زندگی جی لی شاہ۔ اور تمہیں لگتا ہے مجھے تم پر غصہ ہے۔ نہیں میرے یار مجھے ماما اور تم سے کوئی گلہ نہیں۔ میں نے تم سے پہلے ماما کی محبتیں چار سال تک اکیلے ہی سمیٹی ہیں۔ ماما سے لاڈ اٹھواتے تم ہی اچھے لگتے ہو آئندہ...... آئندہ ایسی غیروں والی باتیں نہیں کرنا۔ ورنہ میں تمہارے اس لمبے قد کا بالکل بھی لحاظ نہیں کروں گا۔"

"سمجھے۔" اسے گلے لگاتے مسکرایا۔

"تھینکس۔"

''اوکے! اب تم جاؤ دیر ہو رہی ہے تمہیں۔ وہ دیکھو بابا واپس بھی آگئے ہیں۔ اس سے الگ ہوتے زوہیب نے گھڑی کی طرف اشارہ کیا۔

''چاہ بھائی مدھے آپ کے تات داناا ہے'' (شاہ بھائی مجھے آپ کے ساتھ جانا ہے) زری اپنی توتلی زبان میں منہ بسورتے ہوئے بولی۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے نا بے بو۔ آپ زوہی بھیا کے ساتھ ڈاکٹر انکل سے مل آؤ اوکے۔''

''نئیں مدھے آپ کے تات دانا ہے۔'' (نہیں مجھے آپ کے ساتھ جانا ہے)۔

''آپ گھر جاؤ میں اسکول سے آتے ہوئے اپنی بے بو کے لیے بہت ساری چاکلیٹ لاؤں گا ٹھیک ہے ناں؟'' اس کے گیلے گالوں کو چومتا بہت پیار سے بولا۔

''کتنے چاکلیٹ؟''

''جتنی آپ کہو گی۔'' وہ مسکرایا۔

''اتنی۔'' وہ دونوں ہاتھ پورے پھیلا کر بولی۔

''اوکے میڈم۔ زوہیب گھر جا کر برتن دھو لینا میرے انتظار میں نہیں بیٹھنا اور بابا آپ پلاؤ بنا لیجیے گا۔ ماما آنے کے بعد کافی تھکی ہوئی ہیں۔'' اس کی چالاکی پر زوہیب اور بابا مسکرائے تھے۔

''اوکے سر اللہ حافظ۔'' اس کے بابا نے باقاعدہ سلوٹ کیا۔ وہ تینوں ہی ہنس پڑے۔

''اللہ حافظ۔'' زری کو پیار کر کے وہ اسکول کی طرف بڑھا۔ مین گیٹ پر پہنچ کر اس نے مڑ کر دیکھا بابا اور زوہیب اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ اس نے ہاتھ ہلا کر انہیں دیکھا اور گیٹ کے اندر غائب ہو گیا۔

☆......☆

تقریباً آدھے اسٹوڈنٹس ہال میں پہنچ چکے تھے۔ پورا ہال ہنستے مسکراتے چہروں سے بھر چکا تھا۔ ہر بچے کے انگ انگ سے خوشی چھلک رہی تھی۔ سب ہی اپنے اپنے نتیجے کے لیے ایکسائیٹڈ تھے۔ اسمبلی کے بعد وہ اپنی ماما کو ڈھونڈتا اسٹیج کے قریب آیا۔ وہ وہاں بھی نہیں تھیں۔

''سنو حذیفہ تم نے میری ماما کو دیکھا ہے؟'' حذیفہ جو معاذ کے ساتھ کھڑا تھا پلٹ کر اسے دیکھنے لگا۔

''روز ہی تو دیکھتا ہوں کلاس میں یار۔'' اس کی شرارت سمجھ کر وہ خود بھی مسکرایا۔

''میں آج، ابھی کی بات کر رہا ہوں یار۔''

''میری ماما کے ساتھ شاید آفس گئی ہیں۔''

''شاہ زیب ٹائم کیا ہو رہا ہے؟ پروگرام کب شروع ہوگا؟ اور رزلٹ کب تک ملے گا؟'' معیز کے لہجے میں بے چینی سی تھی۔

''سوا آٹھ ہو رہے ہیں۔ تمہیں جلدی کس بات کی ہے یار۔ نو بجے تک شروع ہوگا شاید۔'' انہیں آج رزلٹ ملنا تھا جب کہ سیکشن بی میں پیپرز چل رہے تھے۔

''ابھی ٹائم ہے چلو آؤ میں تمہیں اپنی کل والی پکچرز دکھاؤں۔'' وہ تینوں آگے پیچھے معاذ کے ساتھ کلاس میں آگئے تھے۔ ارد گرد دیکھتے معاذ نے بہت احتیاط سے اپنا موبائل پینٹ سے نکالا۔

''موبائل نیچے کرو میم دیکھ لیں گی۔'' کھڑکی کے پاس سے گزرتی میم شبانہ کو دیکھ کر حذیفہ نے اس کا موبائل والا ہاتھ نیچے کیا۔

''مورے، واجی لالہ اور آخر میں اپنی بچپن کی پکچر کی تصویریں دکھاتے معاذ کی شہد رنگ آنکھوں میں عجیب سی چمک اتری تھی۔ وہ ہاسٹل میں رہتا تھا۔ مہینہ بعد گھر جا کر وہ بہت ساری تصویریں کھنچوا لیتا تھا اور پھر پورا مہینہ اسی تصویروں کے سہارے گزارتا تھا۔ ابھی بھی تصویریں دکھاتے اس کا ذہن گھر پہنچا ہوا تھا۔

''ماما کی تصویریں دکھاتے ہوئے تم اتنے سرخ کیوں پڑ جاتے ہو؟'' حذیفہ نے شاہ زیب کو آنکھ

ماری۔ انہیں موقع مل گیا معاذ کو تنگ کرنے کا۔ اس نے جھینپ کر شاہ زیب کے ہاتھ سے موبائل چھینا۔ اس کی حرکت پر دونوں نے قہقہہ لگا کر تالی بجائی۔

''بوائز۔'' میڈم فاطمہ نے باہر سے انہیں آواز دی تھی۔

''چھپاؤ......میڈم......میڈم فاطمہ۔'' شاہ زیب کے ساتھ معیز اور حذیفہ نے بوکھلا کر باہر کی طرف دوڑ لگائی۔ جب کہ معاذ وہیں کھڑا موبائل پینٹ میں رکھنے لگا۔

''یس......یس میم۔'' وہ تینوں ان کے سامنے نظریں جھکا کر کھڑے ہوئے۔

''شور کیوں ہو رہا ہے بیٹا؟ آپ کو معلوم ہے نا ساتھ والے سیکشن میں پیپر ہو رہا ہے۔'' میڈم فاطمہ نے پین پر کیپ لگاتے ہوئے کہا۔ ان کے الفاظ سخت نہیں تھے۔ ہاں لہجہ ضرور سخت تھا۔

''سوری میم۔'' معاذ بھی ان تینوں کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

''اب خیال رکھیے گا اوکے۔'' ان کی شخصیت میں عجیب سا رعب تھا۔

''اوکے میم۔ اب ہم جائیں میم؟'' شاہ زیب نے آہستگی سے ان سے اجازت طلب کی تھی۔

''یس۔'' اجازت ملتے ہی وہ چاروں ہال کی طرف بھاگے تھے۔

''تھینک گاڈ'' انہوں نے تمہارا سیل نہیں دیکھا۔ ورنہ آج ہماری پنشمنٹ یقینی تھی۔'' معیز خدا کا شکر ادا کرتا کرسی پر گرنے والے انداز میں بیٹھا۔ آگے کی کرسیاں بھر چکی تھیں وہ درمیانی کرسیوں پر بیٹھے۔

''میری کرسی کا خیال رکھنا میں آ رہا ہوں۔'' اپنی ماما کو آفس جاتے دیکھ کر اس نے معاذ سے کہا۔

''ماما۔'' آفس اس وقت بالکل خالی تھا وہ بھاگ کر ان کے گلے لگا۔

''کیا ہوا بیٹا؟'' اس کے یوں گلے لگنے سے وہ پریشان ہوا تھیں۔

''کچھ نہیں ماما۔ بس دل چاہا آپ کے گلے لگوں۔'' وہ ان کے ہاتھ عقیدت سے چومتا معصومیت سے بولا۔ انہوں نے مسکرا کر اس کے چوڑے ماتھے پر بوسہ لیا۔

''ہال میں چلیں نا ماما۔'' اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی بے چینی تھی۔

''تم جاؤ میں یہ کاپیاں فاطمہ کو دے کر آ رہی ہوں۔'' وہ اس کے ساتھ ہی آفس سے نکل آئیں۔ ان کا ہاتھ تھامے وہ کوریڈور عبور کرتا ہال تک آیا۔

''جلدی آئیے گا ماما۔'' ان کا ہاتھ چھوڑتے وہ بالکل چھوٹے بچوں کی طرح بولا۔ وہ جانتی تھیں ان کا ''شاہ'' ان کو دیکھے بغیر بے چین ہو جاتا ہے۔ اس کی اس قدر محبت پر وہ فخر سا محسوس کرتی تھیں۔ انہیں اپنے شاہ سے بہت سی امیدیں تھیں۔ وہ کئی بار تصور کی آنکھ سے شاہ کو اپنے پسندیدہ روپ میں دیکھ چکی تھیں۔

''معاذ کہاں ہے حذیفہ؟'' وہ ہال میں آیا تو معاذ نہیں تھا جب کہ حذیفہ اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

''وہ......''

''دھڑ دھڑ دھڑ۔'' حذیفہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ ماحول میں یک دم شور سا اٹھا۔

''یہ کیسی آواز تھی؟'' تمام بچے کرسیاں چھوڑ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ فائر کی آواز تھی جو کافی قریب سے سنائی دی تھی۔ تمام بچے منتشر ہو چکے تھے۔ ہر طرف افراتفری کا سماں تھا۔ ہر ایک کو ہال سے نکلنے کی جلدی تھی۔ زرد، رنگت، ہراساں چہرے، بھیگی آنکھوں میں زندگی کی امید لیے ہر ایک جان بچانے کی کوشش میں تھا۔ ان کا اسکول یرغمال کر دیا گیا تھا۔

پشاور آرمی پبلک اسکول کے در و دیوار معصوم بچوں کی چیخ و پکار اور گولیوں کی آواز سے گونج اٹھے۔ قائداعظم کی پاک سرزمین اس کھلے ظلم پر لرز رہی تھی۔

یہ کون لوگ تھے جو معصوم پھولوں کو جڑ سے اکھاڑنے آئے تھے۔ یہ کون سے اسلام کے ماننے والے تھے جو بے گناہ صاف و شفاف چہروں کو خون میں رنگتے چلے گئے؟ یہ کون سا کلمہ پڑھنے والے تھے جو ہنستے مسکراتے چہروں کو ہمیشہ کے لیے ویران کر گئے۔ یہ کون سے نبی کے ماننے والے تھے جو معصوم امتِ محمدی کو موت کے گھاٹ اتارتے گئے۔ یہ کون سے خدا کو ماننے والے تھے جن کے دل معصوم بچوں کو مارتے ہوئے لمحہ بھر خوف خدا سے نہیں کانپے؟

ہر طرف ہر جگہ معصوم بچے ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح زمین پر گرتے گئے۔ چند لمحوں میں قیامت برپا ہوگئی تھی۔ پورے اسکول میں خون کی ہولی شروع تھی۔

”مجھے ڈر لگ رہا ہے شاہ...... مجھے...... مجھے چھپا لو...... پلیز وہ ہمیں مار دیں گے۔ وہ ہمیں بھی مار دیں گے۔“ حذیفہ کا خوب صورت چہرہ آنسوؤں سے مکمل بھیگ چکا تھا۔

وہ اپنی نظروں کے سامنے اپنے دوستوں کو تڑپ تڑپ کر مرتے دیکھ رہے تھے۔

”اللہ...... اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ حذیفہ وہ ہمیں بچا سکتا ہے۔ یاد نہیں ماما نے کہا تھا اس کے حکم کے بغیر درخت سے ایک پتہ تک نہیں گر سکتا۔“ حذیفہ سے کہتے ماما کے ذکر پر اس کے آنسو بھی نکلے۔ ”پتہ نہیں اس کی ماما کہاں تھی؟ ٹھیک تھیں یا......“ اس سے آگے اس سے سوچا ہی نہ گیا۔

”چلو شاہ زیب۔“ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے وہ دونوں پنجوں کے بل چلتے ہال سے نکل آئے۔ کوریڈور میں بھاگتے ہوئے ان دونوں نے بہت سارے بچوں میں معاذ کی لاش کو بھی دیکھا تھا۔ وہ دونوں بھاگتے ہوئے میڈم کے قریب آئے جو بے تحاشا روتے ہوئے بچوں کو باہر نکال رہی تھیں۔ تب انہیں ہال سے ایک زوردار دھماکے کی آواز سنائی دی تھی۔

حذیفہ بھاگ کر میڈم کے سینے سے آلگا۔

”یہ...... یہ کیا ہو رہا ہے میڈم؟ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ ہمارا قصور کیا ہے میڈم؟ ہمیں بچا لیں میڈم...... ہمیں......“ ایک مضبوط ہاتھ نے اسے میڈم سے الگ کر کے زمین پر گرایا تھا۔

”یہ...... تمہیں کیا بچائے گی...... یہ خود کو بھی نہیں بچا سکتی۔“ بڑی بڑی داڑھیوں والے دو آدمیوں نے ان کے سامنے ہی ان کی میڈم کو گولیاں مارنے کے بعد جلا دیا اور پھر وہاں بھی دھڑا دھڑ لاشیں گرنے لگیں۔ بہت ساری آنکھیں زندگی کی امید لیے بند ہوگئی تھی۔

”پلیز...... پلیز انکل ہمیں مت ماریں...... ہم...... میں نے...... میں نے کچھ نہیں کیا۔ ہم بے قصور ہیں۔ مجھے مت ماریں۔“

حذیفہ نے جان بچانے کی آخری کوشش کی۔ وہ جیسے ان کے پیر پڑنے لگا اس کی منت سماجت کا انداز ایسا تھا کہ ایک لمحے کے لیے وہ شخص بھی ساکت ہوا تھا لیکن اگلے ہی پل سر جھٹک کر اس نے مشین گن کا رخ حذیفہ کی طرف موڑا۔ شاہ زیب لپک کر اس کے سامنے آیا تھا۔ اپنے دوست کو بچانے کے لیے وہ گولیوں کے سامنے آیا ایک شور کے ساتھ کئی گولیاں اس کے جسم کے آر پار ہوئیں تھیں اور پھر ٹھیک اسی لمحے اس نے حذیفہ کو بھی گرتے دیکھا تھا۔ اس کی آہ و بکا کوئی رنگ نہیں لائیں۔ شاہ نے زمین پر پڑے پڑے ہی اس کے جسم کو ساکت ہوتے دیکھا تھا۔

تم نے کتنی بے رحمی سے مار ڈالا [illegible]

ایک بار میری ماں سے تو پوچھا ہوتا کتنا لاڈلا تھا میں

اس کی بھیگی بڑی بڑی نیلی آنکھوں میں، ماما، بابا، زوہیب اور زری کے چہرے دھندلا سے گئے تھے۔

''ماما'' وہ درد سہہ نہیں پارہا تھا۔ ہر ذی نفس تکلیف میں سب سے پہلے اپنی ماں کو آواز دیتا ہے۔ اس نے بھی اپنی ماں کو پکارا تھا۔

''شاہ!''

دوسری طرف اس کی ماں کا دل پھڑ پھڑا کر گہرے کسی بہت گہرے پاتال میں گرتا چلا گیا۔ وہ دل تھام کر واش روم کا دروازہ کھولنے لگیں۔

''یہ...... یہ کیا کر رہی ہو تم؟'' دوسری ٹیچرز نے انہیں پیچھے دھکیلا۔

''شاہ...... میرا شاہ زیب...... وہ...... وہ وہاں اس نے...... میرے شاہ نے مجھے آواز دی ہے۔ وہ مجھے بلا رہا ہے شاہ...... وہ...... اسے تکلیف ہو رہی ہے۔ میں جانتی ہوں شاہ۔ وہ تکلیف میں ہے...... مجھے جانے دو...... مجھے میرے بیٹے کے پاس جانے دو۔'' متغیر رنگت کے ساتھ بے ربط جملے ادا کرتے وہ سسکیوں سے رونے لگیں۔ ان کے ساتھ واش روم میں پناہ لینے والا ہر چہرہ اپنی بے بسی پر رو رہا تھا۔ آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے چہرے پر بکھرے تھے۔

☆......☆

دن کا اجالا شام اور شام کا ملگجا اندھیرا رات کی سیاہی میں بدلنے لگا تھا لیکن صبح سے شروع ہونے والا خون ریزی کا کھیل ابھی تک جاری تھا۔

پاک فوج اپنی بھرپور کوشش کے باوجود ابھی تک فتح حاصل کرنے میں ناکام تھی۔ ایک ہی دن میں کئی مائیں بے اولاد ہو گئی تھیں اور نہ جانے کتنی ماؤں کی دل کی بستیاں اجڑنی تھیں۔ کتنے زندگی کے چراغ بجھنے تھے۔ والدین اسکول سے نکالے جانے والی ہر ایک لاش اور زخمیوں میں اپنے بچوں کو دیکھنے کے لیے ایمبولینس کی طرف دوڑتے۔

''بابا...... میرا شاہی...... میری ماما...... کہاں ہے بابا؟ ماما اور شاہی ابھی تک باہر کیوں نہیں آئے ان سے کہیے نا بابا وہ میری ماما اور شاہی کو باہر نکالیں۔'' شاید وہ انتظار کرنے کی اذیت سہتے سہتے تھک چکا تھا۔ اپنے بابا کے گلے لگے وہ چیخ چیخ کر رونے لگا۔ اس کے بابا کی آنکھوں سے نکلنے والے کئی آنسو زوہیب کی شرٹ میں جذب ہوئے تھے۔

☆......☆

اسپتال میں بھی وہی منظر تھا۔ ہر طرف وہی پریشان، خوف زدہ چہرے، ایمبولینس کی شور مچاتی آوازیں ایک افراتفری کا سماں تھا۔ کوئی آ رہا تھا کوئی جا رہا تھا۔ آپریشن تھیٹر کے باہر کھڑے لوگ اللہ کے حضور اپنے معصوم بچوں کی زندگی کے لیے گڑگڑا رہے تھے۔

''طاہر......'' راہداری میں بھاگتے طارق نے بھائی کو آواز دی۔ ان کی آواز میں کئی خدشے بول رہے تھے۔

تھوڑی دیر پہلے ہی طاہر نے انہیں فون کر کے فوراً اسپتال پہنچنے کا کہا تھا۔ وہ اندھا دھند بھاگتے زوہیب کے ساتھ اسپتال پہنچے تھے۔ بھائی کے گلے لگتے ہی ان کے ضبط کے تمام بند ٹوٹ چکے تھے۔

''دعا کریں طاہر بھائی ہمارے شاہی کو کچھ نہ ہو...... کچھ نہ ہوا ہے۔''

☆......☆

اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ڈاکٹرز ناکام ہو چکے تھے۔ وہ آرمی کمانڈر طارق خان کے خوب صورت لاڈلے بیٹے شاہ زیب کو نہیں بچا سکے۔ چاہ کر بھی اسے زندگی نہیں دے سکے۔

اس کی خوب صورت نیم وا نیلی آنکھوں کو بند کرتے ڈاکٹرز ایک بار پھر خون کے آنسو رو پڑے۔ صبح سے کئی خوب صورت معصوم چہرے ان کے سامنے زندگی سے ناتہ توڑ چکے تھے۔ وہ اپنے پورے اسٹاف سمیت رو رہے تھے۔ آج ہر آنکھ نم تھی۔ ہر دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ ہر روح لرز رہی تھی۔ ہر ماں تڑپ رہی تھی۔

کیا خوب پسند تھی تیری اے فرشتہ اجل
پھول بھی وہ چنے جو سارے گلشن کو ویران کر گئے"
معصوم پھول کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گئے۔ بلکہ
گئے۔ ابھی تو ان کلیوں کے کھلنے کی عمر تھی۔
ان کے خواب دیکھنے کے دن تھے۔ ابھی تو
بہت ساری امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ ابھی
ب دیکھنا شروع ہوئے تھے اور تعبیر ملنے سے
ان کی آنکھوں سے خواب نوچ لیے گئے۔
دل تھے ان کے جو معصوم پھولوں کو جڑ سے
چکے تھے۔ کیا لمحہ بھر انہیں خوفِ خدا نہیں آیا؟
پھولوں کو مارتے ان کے ہاتھ کیا بالکل بھی
نپے؟ ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے
مجید میں ارشاد فرمایا: "اور ان کے دلوں اور
پر مہر ہے اور آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور ان ہی
کے لیے دردناک عذاب ہے۔"
آئی سی یو سے باہر آئے۔ زوہیب لپک کر
سے ان کے پاس گیا تھا۔
نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور نفی میں
تھا۔ اس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ انہیں
سے ہٹا کر وہ بھاگتے ہوئے آئی سی یو میں
موت کی خاموشی اوڑھے اس کا پیارا بھائی
لیے انہیں چھوڑ چکا تھا۔ اس کا ذہن بری
ب ہو چکا تھا۔

ساتھ گھر سے نکلنے والا شاہ زیب واپسی میں چار کندھوں پر گھر لایا گیا۔

رات گیارہ کے قریب پاک آرمی نے ان درندوں کو جہنم رسید کر کے فتح حاصل کر لی تھی لیکن تب تک بہت سی ماؤں کا بہت بڑا نقصان ہو چکا تھا۔ کسی کا شاہ، کسی کا حذیفہ، کسی کا معاذ، کسی کا معیز اور بھی بہت سے لوگوں کے پیارے نہیں رہے تھے۔ انہیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر موت کی نیند سو گئے تھے۔ ایک سو چالیس زندگیوں کے چراغ بجھ گئے تھے۔

غم و خوف سے نڈھال گرتے پڑتے اپنے اپنے گھروں کو پہنچنے والوں میں ایک اس کی ماں بھی تھیں۔ انہیں چاچو کے ساتھ زندہ سلامت آتے دیکھ کر زوہیب بھاگ کر ان کے سینے سے لگا۔

"آپ نے دیر کر دی ماما۔ آپ نے دیر کر دی۔ کچھ بھی نہیں رہا ماما...... سب ختم ہو گیا۔ ...... ہمارا...... ہمارا شاہی چلا گیا ماما...... وہ ہمیں چھوڑ کر چلا گیا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا ماما...... ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

ان کے کانوں میں جیسے زوہیب نے گرم پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا تھا۔ وہ پتھرائی نظروں سے صحن کے بیچ چارپائی میں زندگی کی جنبش سے محروم ساکت

کرو۔'' آہستگی سے کہتیں وہ یک دم چیخنے لگیں۔ ان کی بھابھی ان کے ساتھ لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

''اٹھو بیٹا، اٹھو میرے لیے۔ اپنی ماما کے لیے..... دیکھو میں..... میں رو رہی ہوں بیٹا..... تم تو میری ہر بات مان لیتے ہو۔ پھر اب کیوں نہیں مان رہے۔ کیوں نہیں سن رہے میری بات بیٹا۔ بات کرو نا شاہ..... کچھ تو بولو..... یوں خاموشی کی مار مت مارو مجھے..... بیٹا مت کرو ایسا..... مت کرو۔''

''دیکھیں اماں میرا شاہ..... میرا شاہی مجھ سے نہیں بول رہا۔ شاہی ناراض ہو گیا ہے مجھ سے اماں..... اسے کہیں نا اماں اپنی ماں سے ناراض نہیں ہوتے..... کوئی ہے جو میرے شاہی کو اٹھائے؟ اللہ کے واسطے کوئی تو اسے اٹھاؤ۔ کوئی تو جگاؤ میرے شاہی کو خدا کے واسطے..... خدا کے واسطے۔'' وہاں موجود سب کے دلوں میں سوئیاں سی چبھنے لگیں۔ ایسی سوئیاں جس کی چبھن دل سے ہوتی روح میں سرایت کر گئی۔ ان کی چیخیں عرش کو ہلانے لگیں۔ ان کے دل پر چوٹ لگی تھی ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہو گئی تھیں۔

''یہ کیا ہو گیا شارق بھائی؟..... یہ کیا ہو گیا؟'' جواں سالہ بیٹے کی اچانک موت..... بیوی کی غیر ہوتی حالت، یک دم ہی ان کے کندھوں پر بوجھ بڑھا تھا۔ ایک ہی دن میں بوڑھے اور برسوں کے بیمار لگنے لگے تھے۔ خود سے بڑے بھائی کے گلے لگے طارق دھاڑیں مار کر رونے لگے۔ آنسوؤں کا ایک بڑا گولا شارق کے گلے میں پھنسا۔

''صبر کرو طارق..... صبر کرو..... شہیدوں کے لیے روتے نہیں..... خود کو مضبوط بناؤ..... حوصلہ کرو۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے ہم سب بے بس ہیں..... چپ کرو میرے بھائی چپ کرو۔''

''کیسے..... کیسے کروں صبر شارق بھائی..... میرے جگر کا ٹکڑا..... میرا بیٹا میرا شاہی چلا گیا۔ میں ایک بازو سے محروم ہو گیا اور آپ کہتے ہیں میں صبر کروں۔ میں روؤں بھی نا؟ میرا ہنستا مسکراتا معصوم بچہ میری آنکھوں کے سامنے کفن میں لپٹا پڑا ہے اور آپ چاہتے ہیں میں حوصلہ کروں۔ بتایئے مجھے کیسے کر لوں میں صبر؟ کیسے رکھوں میں حوصلہ بلند آواز میں روتے طارق کہیں سے بھی آرمی کمانڈر نہیں لگ رہے تھے۔ وہاں سب کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

اور پھر اسے لحد میں اتارتے ہوئے وہی شارق جو بھائی کو صبر کی تلقین کر رہے تھے۔ ہچکیوں سے رونے لگے۔ انہیں لگا ان کا دل پھٹ جائے گا۔ اسے لحد میں اتارنے کے بعد کسی میں بھی اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ اس کے خوب صورت چہرے کو ہمیشہ کے لیے خاک کی چادر اوڑھائیں۔ لیکن انہیں اللہ کا حکم ماننا تھا اور اسے خاک کے سپرد کرنا ہی تھا سو دل پر پتھر رکھے طارق اپنے جگر کا ٹکڑا اپنا شاہی ہمیشہ کے لیے خاک کے سپرد کر گئے۔

☆......☆

آج پورے پانچ دن ہو گئے تھے۔ ان کے شاہ کو گئے ہوئے تعزیت کرنے والوں میں بہت سے میڈیا والے بھی تھے جو ان سے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے لیکن وہ ایک بھی سوال کا جواب نہیں دے پائے۔ بس خاموشی سے ان کے سوال سنتے انہیں دیکھتے رہے۔ جو بظاہر ان سے ہمدردی لیکن حقیقت میں اپنے اپنے چینلز کے لیے رپورٹ تیار کرنے آئے تھے۔ وہ انہیں کیسے بتاتے کہ محض پانچ دنوں میں ان کی زندگی کیا سے کیا ہو گئی تھی اور ان کی بیوی وہ تو جیسے دیوانی ہو گئی تھیں۔ پچھلے پانچ دنوں وہ پل بھر نہیں سوئی تھیں۔ اس کے کمرے میں بیٹھی وہ شاہ کے ایک ایک چیز کو گھنٹوں تکتی کبھی اس کے پہلے سے پریس ہوئے کپڑے پھر سے پریس کر کے رکھتیں تو

ھی اس کے شوز پالش کرتیں اور کبھی اس کی کتابیں
ے کر بیٹھیں۔ اس کے بیڈ پر یوں ہاتھ پھیرتیں جیسے
ں کے بالوں میں پھیر رہی ہوں۔ ابھی بھی وہ
ری میں اس کے ہینگ کیے کپڑے پھر سے ترتیب
ے رکھ رہی تھیں۔

''ماما۔'' معاً انہیں شاہ کی آواز سنائی دی۔ ان کا
دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ انہیں اپنی طرف
ھتے دیکھ کر وہ پلٹ کر جانے لگا۔

''شاہ...... میرا بیٹا...... یہا...... یہاں آؤ بیٹا......
بیٹا۔ بات سنو میری بات تو سنو بیٹا رکو...... رکو نا
ے۔'' دروازے کی طرف پاگلوں کی طرح بھاگتیں
کا پاؤں مڑا اور دھڑام سے گری...... ناک اور
سے نکلنے والے خون کی پروا کیے بغیر وہ دیوانوں
طرح اٹھیں۔

''شاہی اپنی ماما کے لیے رکو...... میرا بات تو
''
ے۔

''ہوش کرو بیٹا۔ تمہارا بیٹا اب کبھی نہیں آ سکتا۔ وہ
یں نہیں مر گیا تمہارا شاہ۔ مر گیا ہے وہ۔'' فاطمہ
ھی انہیں جھنجھوڑنے لگیں۔

''خبردار...... خبردار میرے بیٹے کو مرا ہوا کہا تو۔
بیٹا مرا نہیں وہ زندہ ہے...... وہ کبھی نہیں مر
...... میرا بیٹا شہید ہے اور شہید کبھی نہیں مرتے۔
یشہ زندہ رہتے ہیں۔ اللہ نے شہیدوں کو زندہ
دیا ہے۔ پھر تم کون ہوتی ہو میرے شاہ کو مرا ہوا
والی۔ وہ زندہ ہے...... میرا شاہ زندہ ہے......
شاہ زندہ ہے...... وہ نہیں مر سکتا وہ شہید ہے۔ وہ
ہے۔'' وہ ایک جملے کی گردان کرنے لگیں۔
تے روتے وہ یک دم ہی ہنسنے لگتیں۔ پچھلے پانچ
سے وہ ایسا ہی کر رہی تھیں۔ کبھی روتی کبھی
ں۔ طارق خان اپنی قابل اور خوب صورت بیوی
الت دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ وہاں
ے آنکھ ان کے حال پر اشکبار تھی۔ وہ ہمیشہ کے

لیے اپنا ذہنی توازن کھو چکی تھیں۔

☆......☆

قیامت ٹوٹ چکی تھی اس ماں پر جو اپنے بچوں کو دیکھ کر جیتی تھی۔

قیامت ٹوٹ چکی تھی اس باپ پر جو اپنے بیٹے میں مستقبل کا ڈاکٹر ڈھونڈتا رہا لیکن آج کے ڈاکٹر اسے بچا نہیں سکے۔

قیامت ٹوٹ چکی اس بھائی پر جو ہر وقت اپنے بھائی سے اسی بحث میں لگا ہوتا تھا کہ میرا اسکول تمہارے اسکول سے کہیں زیادہ اچھا ہے۔

قیامت ٹوٹ چکی اس بہن پر جو آج بھی اپنی توتلی زبان میں اپنے بابا سے پوچھتی ہے کہ...... ''بابا بھائی اسکول سے چاکلیٹ لے کر کب آئیں گے؟''

یہ تو صرف ایک شاہ کی مختصر سی کہانی تھی جس کے جانے کے غم میں اس کی ماں ذہنی توازن کھو چکیں۔ ذرا سوچیے اس ماں کا کیا حال ہوگا جس کے پانچ حافظِ قرآن بیٹے ایک ساتھ موت کی وادی میں کھو گئے۔

''اس ماں کا کیا حال ہوا ہوگا جس کے صرف دو ہی بیٹے تھے جو اس کے سامنے تڑپ تڑپ کر لقمہ اجل بنے۔''

''اس ماں کا کیا حال ہوا ہوگا جس کے تو بیٹیوں کے بعد پیدا ہونے والا خوب صورت معصوم بیٹا ماں بہنوں کا سہارا بننے سے پہلے ہی موت کی ابدی نیند سو گیا۔

اور نہ جانے اور کتنوں کے بیٹے، ان کے شاہ ہمیشہ کے لیے ماما سے بچھڑ گئے تھے نہ جانے ان کا کیا حال ہوا ہوگا۔

☆......

رابعہ افضال خان

افسانہ

دردِ محبت بیاں نہیں



محبت جب کسی عام چہرے پر اپنا عکس ڈالتی ہے، تو اس چہرے کو اتنا خاص اور روشن بنا دیتی ہے کہ اس سے زیادہ حسین کوئی دوسرا چہرہ نہیں ہوتا، کچھ ایسی کہانی انعم سفیر احمد کی بھی ہے۔

انعم سفیر احمد اپنے گھر میں اکلوتی اور بھائی سے چھوٹی ہونے کے ناتے ماں باپ کے علاوہ بھائی کی بھی نغی بے حد لاڈلی اپنی ہر جائز و ناجائز ضد منوانے والی بے انتہا خوبصورت خوش مزاج اور پر اعتماد لڑکی ہوا کرتی تھی، مگر آج وہی نٹ کھٹ سی لڑکی کسی لٹے ہوئے مسافر کی مانند کسی اجڑے ہوئے ٹنڈ منڈ درخت کی مانند ہونٹوں پر جامد خاموشی لیے اپنے آپ سے لاپرواہ خلا میں نہ جانے کیا تلاش کرتی ہے؟

چند سال پہلے کی بات ہے جب وہ گھر میں اکیلی بہت بور ہو رہی تھی، راحت بیگم گھر کا سودا سلف لینے مارکیٹ تک گئی تھیں، بھائی ابھی تک آئے نہیں تھے وہ کچھ دیر یوں ہی ٹی وی آن کر کے چینل سرچنگ کرتی رہی تھی۔ پھر ٹی وی آف کرتی وہ کچن میں جانے کے ارادے سے اٹھنے والی تھی کہ اس کے سیل پر کال آنے لگی اس نے بے دھیانی میں بنا اسکرین پر دیکھے سیل کا بٹن پش کر دیا اور سیل کان سے لگا لیا۔

''السلام علیکم!'' عادت کے مطابق اس نے سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' جواباً اسے ایک اجنبی خوبصورت اور گھمبیر سی مردانہ آواز سنائی دی۔

''جی آپ کون؟'' اس نے لمحہ بھر سیل کان سے ہٹا کر سیل کو گھورا اور پھر واپس کان سے لگاتے پوچھا تھا۔

''جی آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔'' دوسری طرف سے بڑی خوشدلی کے ساتھ پوچھا گیا۔

''نہیں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں مختصر بولی تھی۔

''میں عمر اعظم فرام ایران۔'' اس نے اپنی طرف سے تعارف کی رسم ادا کی تھی۔

''ایکسکیوز می مسٹر! میں کسی عمر اعظم کو نہیں جانتی ہوں......''

''سوری رانگ نمبر کہہ کر کال ڈسکنکٹ مت کریے گا۔'' انعم کی بات بیچ سے اچکتے اس نے جملہ مکمل کیا تھا۔

''کیوں یہاں کوئی فرمائشی پروگرام چل رہا ہے کیا۔'' اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔

''ایکچولی میں اپنے دوست کو کال کر رہا تھا، مگر اس کا نمبر مسلسل بزی جا رہا ہے اور اب غلطی سے ہی صحیح لیکن آپ کی کال لگ چکی ہے، تو آپ مجھ سے کچھ دیر بات کر لیں میں بہت بور ہو رہا ہوں۔''

''تو میں کیا کروں؟'' اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''چلیں ایسا کرتے ہیں کہ ہم دوستی کر لیتے ہیں۔'' کچھ دیر سوچنے کے بعد عمر اعظم نے جیسے بیچ کی راہ نکالی تھی۔

''دوستی لیکن میں تو آپ کو جانتی تک نہیں اور دوستی کر لوں؟'' اس نے کچھ دیر کے بعد الجھن آمیز انداز میں جیسے خود کلامی کے سے انداز میں کہا تھا۔

''بات کریں گی تو دوستی بھی ہو جائے گی اور جان پہچان بھی ہو جائے گی۔'' عمر اعظم نے اسے جیسے خود ساختہ الجھن سے نکالا تھا اور یوں ان کی دوستی کا آغاز ہوا تھا اور پھر کچھ ہی دنوں میں ان دونوں کی آپس میں بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی۔ وہ لوگ فون پر گپ شپ کے علاوہ نیٹ پر بھی لمبی لمبی گفتگو کرنے لگے تھے اور پھر یہ دوستی کب محبت میں بدلی انہیں کچھ پتہ ہی نہ چل سکا۔

☆......☆

''عمر تم کراچی کب آؤ گے؟'' اس رات اس نے عمر کے کال کرنے پر پوچھا تھا۔

''کیوں خیریت؟'' وہ چند پل کی خاموشی کے

بعد بولا تھا۔

"امی، ابو جلد از جلد میری شادی کر دینا چاہتے ہیں اور تم جانتے ہو کہ میں تمہارے علاوہ کسی اور کا تصور بھی نہیں کر سکتی کیا کہ شادی کرنا۔"

"یار! اتنی جلدی کیا ہے تمہارے پیرنٹس کو تمہاری شادی کی کونسی تم بوڑھی ہو رہی ہو۔" وہ کچھ جھنجلائے سے لہجے میں بولا تھا۔

"عمر! ہر ماں باپ کو بیٹی کے ہاتھ پیلے کرنے اور اسے اپنے گھر کا ہوتے دیکھنے کی جلدی ہوتی ہے۔" اس نے کچھ ناراض لہجے میں کہا تھا۔

"ارے یار! میرا وہ مطلب ہرگز نہیں ہے۔" وہ ایک دم ہی گھبرا گیا اس کی ناراضی کے ڈر سے۔

"سب چھوڑو تم یہ بتاؤ تم کب آؤ گے، میرے پیرنٹس سے ملنے؟" اس نے ایک مرتبہ پھر اپنا سوال دوہرایا تھا۔

"بہت جلد۔" وہ کچھ سوچتے لہجے میں بولا تھا۔

"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گی۔" وہ جیسے مطمئن سی ہو کر مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

☆......☆

وہ کسی پتھر کے مجسمے کی طرح بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ راحت بیگم نے ایک افسردہ سی نظر اس کے چہرے پر ڈالی اور پھر عباس کو اشارہ کرتی باہر نکل گئیں۔ سفیر احمد تو پہلے ہی جا چکے تھے، عباس آہستہ سے اس کے قریب آ کر بیٹھا اور بنا کچھ کہے اپنا ہاتھ تسلی آمیز انداز میں اس کے سر پہ رکھ دیا اور وہ تو جیسے سہارے کی تلاش میں تھی، اس کے شانے سے سر ٹکاتے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

"بھیا! میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا، میں نے کسی کا کیا بگاڑا تھا، میں نے تو جان بوجھ کر کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا تو پھر میرا دل کیوں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس سے بہتر تھا کہ عمر اعظم کبھی یہاں نہیں آتا، کم از کم اس کی محبت کا بھرم ہی رہ جاتا میرا دل اس طرح سے ٹکڑے ٹکڑے تو نہ ہوتا، محبت کرنے کی اتنی بھیانک سزا کیوں ملی مجھے؟

میرے دل کو ناسور بنا دے گی عمر اعظم کی محبت، اچھا نہیں کیا عمر اعظم نے میرے ساتھ' یہ بالکل اچھا نہیں کیا۔" وہ ہچکیوں سے روتے ہوئے مسلسل بول رہی تھی اور پھر بے ہوش ہو گئی تھی عباس اسے بازوؤں میں لے کر باہر کی طرف بھاگا تھا۔

☆......☆

عمر اعظم نے لمحہ بھر احمد ولا کے گیٹ کے باہر کھڑے ہو کر سوچا تھا اور پھر ڈور بیل پر انگلی رکھ دی تھی۔ گیٹ راحت بیگم نے کھولا تھا۔

"السلام علیکم! مجھے عمر اعظم کہتے ہیں۔" اس نے شائستہ لہجے میں اپنا تعارف کروایا۔

"وعلیکم السلام! میں نے آپ کو پہچان لیا۔" وہ اسے اپنے ساتھ لیے ڈرائنگ روم میں چلی آئیں۔

"دیکھو بیٹا! انعم میری اکلوتی بیٹی ہے۔ میں اسے اپنی نظروں سے اتنی دور ایران تو نہیں بھیج سکتی، اس لیے اگر آپ کو انعم سے شادی کرنی ہے تو یہاں کراچی میں سیٹل ہونا پڑے گا، آپ اپنے گھر والوں کی رضامندی سے انہیں ساتھ لے کر آئیں پھر آگے بات ہوگی۔" انہوں نے خاموشی کو توڑتے بات کا آغاز کیا تھا۔

"مجھے یہاں کراچی میں سیٹل ہونے میں ذرا بھی اعتراض نہیں ہے مگر......" وہ کچھ کہتے کہتے چپ سا ہو گیا۔

"مگر کیا بیٹا؟" انہوں نے ایک ناقدانہ نگاہ سامنے بیٹھے نہایت خوبصورت اور سنجیدگی لیے عمر اعظم پر ڈالی تھی۔

"وہ آنٹی!" وہ الجھن آمیز انداز میں کہے نہ کہے کی شش و پنج میں گھرا تھا۔

"جو بھی مسئلہ ہے کھل کر بتاؤ۔" اتنی دیر سے خاموشی کے ساتھ بیٹھے سفیر احمد نے گفتگو میں حصہ لیا،

تھا۔

''دیکھیں آنٹی! میں آپ لوگوں کو اور اسپیشلی انعم کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا۔ میں انعم سے بہت محبت کرتا ہوں، اسے ہمیشہ خوش رکھنے کی گارنٹی بھی دے رہا ہوں مگر ایک بات ایسی ہے جس کے لیے کمپرومائز آپ لوگوں کی طرف سے ہوگا۔''

''مسٹر عمر اعظم! صاف صاف بات کیجیے اتنی لمبی تمہید کی ضرورت نہیں ہے۔'' عباس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''ہم لوگ دوسرے مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور شادی کے بعد انعم کو بھی ہماری طرح رہنا ہوگا۔'' عمر اعظم نے اٹل فیصلہ سنایا تھا۔

''بہت شکریہ کہ آپ نے ہمیں دھوکے میں نہیں رکھا، بلکہ اپنے بارے میں سچ بتایا ہے یہ احسان ہم آپ کا مرتے دم تک نہیں بھولیں گے۔ ہاں لیکن آپ کو انعم کو بھولنا پڑے گا، کیونکہ انعم کا رشتہ 3 مہینے پہلے ہم لوگ طے کر چکے ہیں، یہ تو انعم کو ضد تھی کہ ایک دفعہ آپ سے مل لیا جائے تو ہم مجبور ہو گئے تھے آپ سے ملنے کے لیے۔'' راحت بیگم اور سفیر احمد کو چپ دیکھ کر عباس نے طریقے سے بات سنبھالی تھی۔ وہ دونوں تو جیسے کچھ کہنا ہی بھول گئے تھے۔

عمر اعظم ڈرائنگ روم سے نکل رہا تھا، جب اس کی نظر ڈرائنگ روم کا پردہ ہاتھوں میں بھینچے ساکت کھڑی انعم کے چہرے سے ٹکرائی تھی۔

''سوری انعم! میں نے بہت کوشش کی کہ تمہیں بتادوں لیکن پھر بتا نہیں سکا ڈر لگتا تھا تم سے بچھڑ ہی نہ جاؤں لیکن دیکھو بچھڑنا تو شاید ہماری تقدیر میں لکھا تھا۔'' وہ ایک دکھ بھری نظر اس کے ویران ہوتے چہرے اور نم آلود آنکھوں پر ڈالتے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔ انعم یقیناً اندر ہونے والی گفتگو سن چکی تھی تو اب کچھ چھپانا فضول ہی تھا۔

☆......☆

بارہ دن ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہ کر گھر واپسی ہوئی تھی، مگر ہنستی مسکراتی انعم کے لبوں پر ایک جامد چپ نے ڈیرہ ڈال لیا تھا۔ وہ خاموشی سے گھنٹوں خلا میں نجانے کیا تلاش کرتی رہتی۔ انہی دنوں انعم کے لیے راحت بیگم کی قریبی دوست نے اپنے بیٹے اریب کا پرپوزل دے دیا۔ اریب لندن سے MBA کی ڈگری لے کر حال ہی میں پاکستان آیا تھا اور اب اپنا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس بہت اچھا چلا رہا تھا۔

راحت بیگم نے جب انعم سے اس کی مرضی معلوم کی تو چند لمحے خاموش رہنے کے بعد ''جیسا آپ لوگوں کو ٹھیک لگے'' کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ راحت بیگم نے بڑے دکھ سے اپنی لخت جگر کو محبت کے غم میں گھائل ہوتے دیکھا اور اپنی نم آلود آنکھوں کو صاف کرتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

اور پھر دو مہینے میں وہ انعم سفیر احمد سے انعم اریب سکندر بن گئی۔

☆......☆

اس کی شادی کو ڈھائی ماہ ہو گئے تھے مگر وہ کہیں سے بھی نئی نویلی دلہن نہ لگتی تھی، فائزہ بیگم اس کے لاڈ اٹھاتے نہ تھکتی تھیں۔ اریب بھی اس کا بھرپور خیال رکھتا جیسے وہ کوئی نازک بلوری کانچ کی گڑیا ہو، مگر انعم پر ان سب باتوں کا اریب کی محبت کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ وہ ہمیشہ اکتاہٹ اور بیزاریت کا شکار رہتی، اس کا انداز ایسا ہوتا جیسے وہ زبردستی اپنے سے بندھے رشتوں کو نبھا رہی ہو، اب تو اس کا رویہ اریب سکندر کو بھی الجھن میں مبتلا کرنے لگا تھا۔

☆......☆

اریب کے دوست کی شادی تھی۔ انعم جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ اریب نے بڑی محبت سے اسے ساڑھی باندھنے کی فرمائش کی تھی، اریب کو ساڑھی

بہت پسند تھی مگر انعم نے جیسے اس کی فرمائش کو سرے سے سنا ہی نہ تھا۔ انعم بلیک شیفون کا سوٹ پہنے بال باندھ رہی تھی جب اریب بیڈ روم میں آیا اسے ساڑھی کی جگہ سوٹ پہنے دیکھ کر وہ لمحہ بھر چپ سا رہ گیا۔ اریب اس کے پیچھے آ کر خاموشی سے کھڑا ہو گیا اور بال باندھتی انعم کا رخ اپنی طرف ایک جھٹکے سے موڑا تھا۔ وہ اس اچانک افتاد پر جیسے گھبرا سی گئی تھی۔

"انعم! ایک بات سچ سچ بتانا ہماری شادی تمہاری مرضی کے خلاف زبردستی ہوئی ہے یا پھر تم کسی اور سے محبت کرتی ہو؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں کسی سے محبت نہیں کرتی۔" انعم نے جھٹ سر کو نفی میں ہلاتے پرزور انداز میں اس کی بات کی تردید کی تھی۔ لمحہ بھر کو اس کا دل کانپ سا گیا تھا اریب کے تیکھے تیور دیکھ کر چند سیکنڈ کے لیے اس کا وجود ساکت ہوا تھا مگر اس نے لمحے کے ہزارویں حصے میں خود کو سنبھالا تھا۔

"میں تمہیں سمجھ نہیں پا رہا، ہماری شادی کو ڈھائی ماہ بیت چکے ہیں مگر میں نے تمہیں عام لڑکیوں کی طرح خوش ہوتے نہیں دیکھا، مجھے لگتا ہے میں نے کسی ریموٹ کنٹرول گڑیا سے شادی کی ہے، جسے جیسا کہو وہ ویسا کر دیتی ہے۔ ہر جذبات سے عاری سپاٹ چہرہ سپاٹ دل ہے جسے نہ میری قربت سے کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ میری دوری اسے تڑپاتی ہے، ایسا لگتا ہے جیسے تم کوئی ریموٹ کنٹرول سے چلنے والی گڑیا ہو جس کی اپنی کوئی خواہش کوئی خوشی نہیں ہے۔" اس کے اس طرح کہنے پر وہ نگاہ جھکا گئی تھی۔

"انعم! میں نے تمہیں بہت محبت و چاہت سے اپنایا ہے اور مجھے تم سے بے پناہ محبت ہے، مگر اتنا ضرور یاد رکھنا کہ میرے انتظار کو جلد ختم کر دینا کیونکہ اگر انتظار طویل ہو جائے تو محبتیں بے یقین ہو کر رہ جاتی ہیں اور جس سے محبت ہو اور اس کی طرف سے اظہار کا پانی میسر نہ ہو تو وہ اپنا وجود کھو دیتی ہے، ایسا نہ ہو کہ جب تم میری طرف پلٹو تو تمہیں دینے کے لیے میرے پاس کچھ نہ ہو۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ ایک جھٹکے سے باہر نکل گیا تھا پیچھے وہ لڑکھڑاتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ رک کر بیٹھتی چلی گئی۔

"تمہیں کیا پتہ اریب سکندر! محبت کھو جائے تو دل میں ویران کھنڈر آباد ہو جاتا ہے پھر اس کھنڈر میں محبت کا کوئی موسم آباد نہیں ہوتا، محبت اور بارش ایک جیسی ہوتی ہے۔ دونوں ہی یادگار ہوتی ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ بارش ساتھ رہ کر جسم بھگوتی ہے اور محبت بچھڑ کر آنکھیں بھگوتی ہے اور دل کو کھنڈر اجڑا قبرستان بنا دیتی ہے۔" وہ روتے ہوئے مسلسل خود کلامی کے سے انداز میں بول رہی تھی۔

☆......☆

ساڑھے بارہ سے اوپر کا ٹائم ہو رہا تھا، مگر اریب سکندر ابھی تک گھر نہیں لوٹا تھا وہ بے چینی کے عالم میں کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی، ایک بجے کے قریب اس کی گاڑی کا ہارن بجا تھا اور گاڑی پورچ میں آ کر رکی تھی۔ وہ شل ٹانگوں کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی اریب کمرے میں آیا تو پہلی نظر صوفے پر بیٹھی انعم پر پڑی وہ ایک سرسری سی نظر ڈالتا کوٹ کو صوفے پر پھینکتا سیدھا وارڈروب کی طرف گیا تھا، پھر جو سوٹ ہاتھ لگا کھینچ کر سیدھا واش روم میں جا گھسا اچھی طرح ہاتھ لے کر جب وہ واش روم سے نکلا تو انعم نے کمرے میں موجود کرسٹل کی چھوٹی سی ٹیبل پر کھانے کی ٹرے رکھ دی تھی، وہ ایک سرسری نظر اس پر ڈالتا ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا۔

"اریب! کھانا کھا لیں۔" وہ بیڈ پر تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گیا جیسے انعم کی بات اس نے سنی ہی نہ ہو، وہ کچھ لمحے آنکھوں پر بازو رکھے اریب سکندر کو دیکھتی

رہی اور پھر ایک دم گھوم کر اس کے پیروں کی سائیڈ پر آ کر گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھتے اس کے پیر پکڑ کر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

''پلیز انعم! اٹھو یہ کیا کر رہی ہو۔'' اریب جواب تک اسے نظر انداز کر رہا تھا ایک جھٹکے سے اٹھا تھا اور اس کا سر اپنے پیروں پر سے ہٹا کر اسے اپنے سامنے بٹھایا تھا۔ وہ منہ نیچے کیے مسلسل آنسو بہا رہی تھی۔ اریب نے کچھ لمحوں تک خاموشی سے اس کے چہرے اور بھیگی لرزتی پلکوں کو دیکھا تھا۔

''اس طرح کیوں رو رہی ہو؟'' اس کے آنسو صاف کرتا وہ بہت محبت سے بول رہا تھا وہ یک دم ہی اس کے سینے پر سر رکھے رو دی چلی گئی۔

''مجھے معاف کر دیں اریب! مجھے آپ کے ساتھ مس بی ہیو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن آپ میرا یقین کریں میں کسی سے محبت نہیں کرتی، میرے دل سے ابھی کا گزر نہیں ہوا ہے، آئندہ میں آپ کو بھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی لیکن آپ مجھے اس طرح اگنور مت کریں۔'' وہ ہچکیوں سے روتے اٹک اٹک کر بول رہی تھی اور اریب کو لگا کہ اس کے صاف شفاف موتیوں کی مانند بہنے والے آنسو دل پر جمی شک کی ہلکی سی گرد کو صاف کر گئے ہیں۔ اس نے ہچکیوں سے روتی انعم کے بالوں کو بڑی محبت سے سہلایا تھا، اریب کو کہاں برداشت تھا کہ اس کی محبت اس طرح اس کے سامنے شرمندہ ہو کر روئے معافی مانگے، اس کی آنکھوں سے گرنے والے آنسو اسے ندامت میں مبتلا کرنے لگے تھے۔ وہ تو پہلی نظر میں ہی انعم کو دیکھ کر دل ہار بیٹھا تھا، سرخ و سفید چہرے پر بڑی بڑی براؤن آنکھیں لمبی گھنی سیاہ پلکیں کھڑی سی تیکھی مغرور ناک کے نیچے چھوٹے سے گلابی ہونٹ براؤن بال جو کمر کو چھوتے تھے، نازک سا سراپا ساڑھے پانچ فٹ سے نکلتا قد وہ مجسم حسن کا شاہکار تھی۔ اور وہ اس کا دیوانہ......

''انعم! چپ ہو جاؤ یار! تم روتی ہوئی بالکل اچھی نہیں لگتی ہو۔ اس سے بہتر تو تم ریموٹ کنٹرول والی گڑیا کے روپ میں لگتی ہو۔'' وہ اس کا چہرہ اٹھائے اس کے آنسو صاف کرتے مسکراتے ہوئے بول رہا تھا اس کی بات پر انعم نے اسے فوراً گھور کے دیکھا تھا۔

''سوری!'' اس سے پہلے کہ انعم کچھ کہتی اریب نے فوراً اس کے کان پکڑے تھے۔

''میرے نہیں اپنے پکڑیں۔'' وہ اپنے کان چھڑاتے ہوئے بولی تو اریب نے ہنستے ہوئے اسے خود میں سمیٹ لیا تھا اور وہ اریب سکندر کے شانے پر سر رکھ چکی تھی۔

''مجھے معاف کر دینا اریب کہ میں کبھی چاہ کر بھی تمہیں اس حقیقت سے آگاہ نہیں کر سکتی کہ میرے دل کے کورے پنے پر عمر اعظم کی محبت کا گزر ہو چکا ہے۔ میرے دل کے کورے کاغذ پر عمر اعظم کا عکس بن چکا ہے، ہاں مگر میرا خود سے وعدہ ہے کہ آج سے تم سے بندھے اپنے رشتے کو دیانت داری کے ساتھ نبھانے کی پوری کوشش کروں گی، کچھ عرصے بعد شاید محبت بھی جگہ بنا ہی لے۔ مگر میرے دل سے پہلا گزر عمر اعظم کی محبت کا ہے، میرے دل کے پنے پر اس کا عکس آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے، جو میں چاہ کے بھی خود سے الگ نہیں کر سکتی کہ دل میرے اختیار میں نہیں ہے، خود کو سمجھا سکتی ہوں مگر دل کے معاملے میں مکمل بے بس ہوں اور میرا دل آج بھی عمر اعظم کی محبت کو کسی قیمتی متاع کی طرح سنبھالے ہوئے ہے۔'' وہ اریب سکندر کے شانے پر سر رکھے خود سے اعتراف کر رہی تھی اور پھر ایک گم نام آنسو اس کی آنکھ سے نکل کر اریب سکندر کے شانے میں کہیں گم ہو گیا۔

......☆......

عائشہ خان

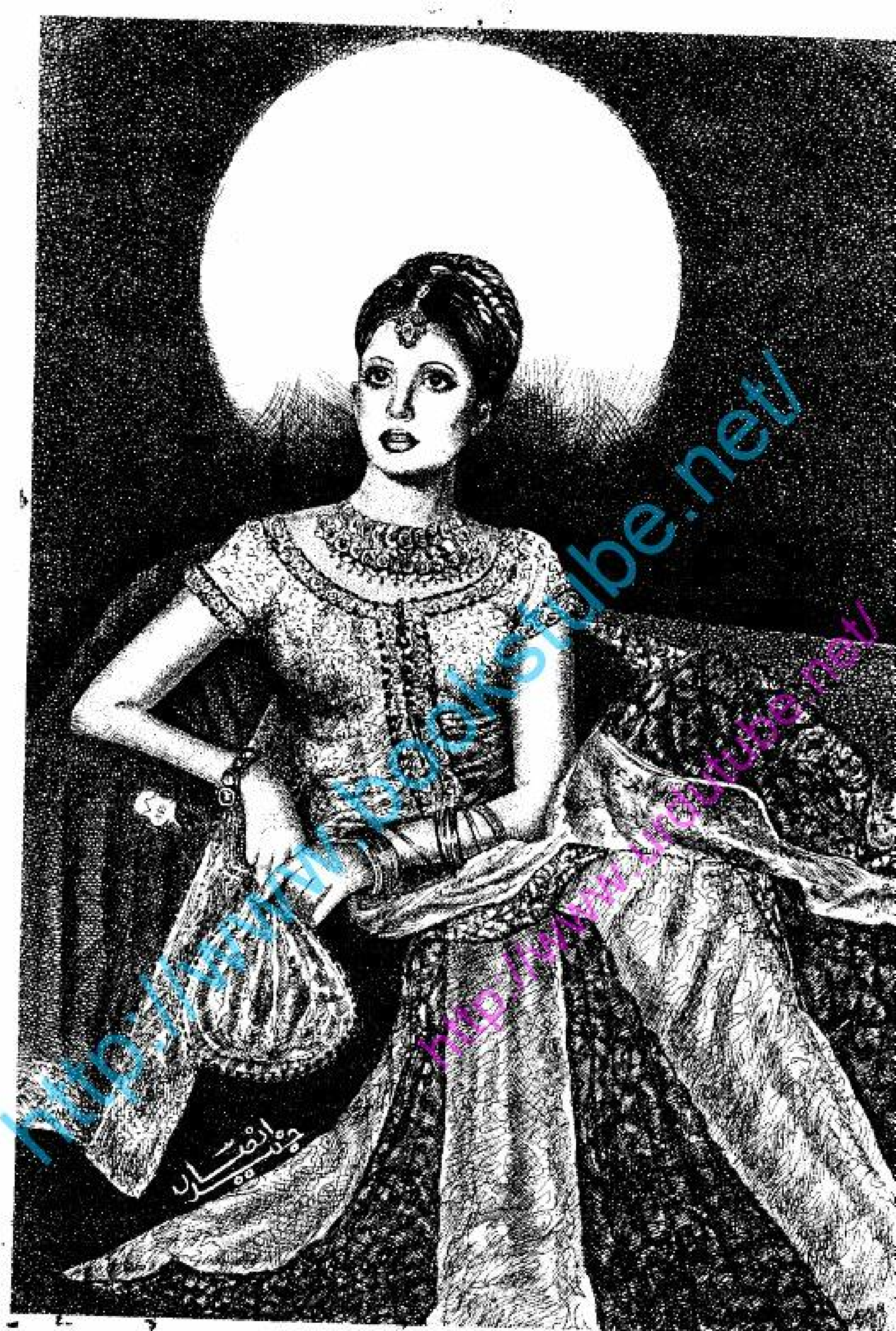
افسانہ

محبت دھنک رنگ

موٹا سا عدسہ نما چشمہ لگائے وہ باوا آدم کی موٹی موٹی کتابیں لیے کسی مفکر کی طرح گردن ہلا ہلا کر کچھ

پڑھ رہا تھا جس میں ایک صفحے پر جیومیٹری کی سی لائنوں جیسی اشکال بنی تھیں اور دوسرے صفحے پر کچھ لکھا





تھا‘ نجے انتہائی خستہ حالت اور زرد دکھائی دیتے تھے۔
اسی اثناء میں غزنی بھاگتا دوڑتا اس کے پاس پہنچا۔

”کیا ہوا کچھ سمجھ آیا؟“ غزنی نے استفسار کیا۔

حمزہ جو پچھلے ایک گھنٹے سے سر کھپا رہا تھا‘ مایوسی سے سر ہلا کر انکار کیا۔

”تو تُو بیٹھا تو ایسے ہے جیسے کشمیر فتح کر لیا ہے۔“ غزنی چیخا۔

”اب کیا اُٹھنے بیٹھنے سونے جاگنے سے بھی کامیابی کا پتہ چل جاتا ہے کیا؟“ حمزہ نے پوچھا تو غزنی نے اثبات میں سر ہلایا۔

”جی جناب! بالکل پتہ چل جاتا ہے اور اسے کہتے ہیں باڈی لینگویج۔“

”باڈی لینگویج؟ لفظ تو مجھے ایسا لگتا ہے جیسے شیما کرمانی ڈانس سکھا رہی ہو۔“ وہ بولتے بولتے ساتھ میں انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے ایک ہاتھ اوپر اور ایک ہاتھ نیچے کیے ڈانس کی سی پچویشن بنا کے بولا تو غزنی کا قہقہہ نکل گیا۔

”چل اب جلدی بتا کیا سمجھ نہیں آیا۔“ وہ عجلت میں بولا تو حمزہ بدک گیا۔

”بس بس مجھے سمجھ نہیں آرہا یہ علم نجوم تو کسی اور سے ہی رابطہ کر‘ ایک تو یہ باریک لکھائی اور اوپر سے تو کتابیں کتنی پرانی لے کر آیا ہے۔“

”تو کیا کروں؟ آج کل کنگلا ہو رہا ہوں۔ ردی کے ٹھیلے سے بیس بیس کی خریدی ہیں‘ تجھے تو پتہ ہے ابو سے پیسے تو کے ٹو کی پہاڑی سر کرنے کے برابر ہے۔“ وہ بیچارگی سے بولا۔ تو وہ بھی سوچ کر سر ہلانے لگا۔

وہ ٹی وی دیکھنے کے ارادے سے آیا تھا مگر ابو کو بیٹھا دیکھ کر پلٹا ہی تھا کہ ابو نے اسے دیکھ لیا۔

”کہاں کی تیاری ہے برخوردار؟“ انہوں نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔

”وہ ابو باہر جا رہا تھا۔“ وہ گھگھیایا۔

”اندر سے باہر‘ باہر سے اندر کوئی اور بھی کام ہے صاحب زادے کو یا بس دن بھر خواری کرتے ہو‘ امتحان کی فکر ہے یا نہیں۔“

”بتنگڑ بنانا تو کوئی ابو سے سیکھے۔“ وہ بظاہر سر جھکائے ان کا لیکچر سن رہا تھا لیکن جواب دینا نہ بھولا تھا۔

بھلا ہو ای کا جو اسی وقت کمرے میں داخل ہو کر اس کی مدد کو آ پہنچی تھیں۔ شکر ہے آ گئیں ورنہ تو ابو نے اگلی پچھلی ساری کسریں نکال دینی تھیں‘ وہ ایسے ہی تھے‘ غزنی ان کے ہاتھوں ہفتوں نہ لگتا تھا پر جب بھی ان کے ہتھے چڑھ جاتا تو بس ہتھے چڑھنے سے یاد آیا‘ غزنی اور حمزہ جو کہ چچا تایا زاد کزن ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے دوست بھی تھے‘ آج کل گھوڑی چڑھنے کے شوقین تھے‘ جب بھی ایک جگہ ملتے علم نجوم کے ذریعے اپنی تقدیر کے بارے میں معلوم کرنے کی ترکیبیں آزماتے اور یہ کوششیں تب سے تیز ہو گئیں تھیں‘ جب سے ان کے پڑوس کے گھر دو حسین و ماہ جبیں دوشیزہ آ گئیں تھیں۔

وہ دونوں لان میں بیٹھی تھیں۔ تب ہی خالہ انہیں پکارتی وہیں آ گئیں۔

”لِشا‘ یسریٰ بیٹا آج کیا پکانا ہے؟“ خالہ نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ بھی پکا لیں خالہ آپ کو تو پتہ ہے ہم سب کچھ کھا لیتے ہیں۔“ یسریٰ بولی۔

”ہوں...... دیکھی ہے میں نے تم لوگوں کی سادہ طبیعت۔“ خالہ نے طنزیہ سر ہلایا۔

”پرسوں جو ٹنڈوں کی سبزی بنوائی تھی‘ وہ فریج میں جوں کی توں پڑی دہائی دے رہی ہے‘ پکوائی تو تم ایسے ہو جیسے ساری چٹ کر جاؤ گی مگر اتفاق سے اسی دن تمہیں اپنی سہیلی سے ملنے جانا پڑ جاتا ہے اور پھر وہ سہیلی تمہیں کھانا کھلا کر ہی بھیجتی ہے۔“ وہ دور کی کوڑی لائیں‘ ان دونوں کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

ایں خالہ نے یہ بات کیسے نوٹ کرلی بات تو سچ ہے پر بات ہے رسوائی کی۔

"اچھا! تو پھر آج کدو پکا لیتی ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"کیا؟" دونوں حیرت سے ایک ساتھ چیخیں تو خالہ مسکرا کر اندر چلی گئیں۔

☆......☆

موسم بڑا سہانا تھا۔ دونوں کا موڈ بھی بڑا فریش تھا اوپر سے ابو کا سامنا بھی نہیں ہوا تھا سونے پہ سہاگہ۔

غزنی کے کمرے میں حمزہ کے علاوہ اس کے دو دوست علی (کیری جیسے منہ والا) اور احمد (چھوہارے جیسے منہ والا) بھی براجمان تھے۔ یہ خفیہ کوڈ نیم دونوں نے رکھے تھے جو علی اور احمد کو معلوم نہ تھے۔

"یار اتنی دیر سے آئے بیٹھے ہیں کچھ چائے پانی کا پوچھتے ہیں گھر میں کوئی مہمان آتا ہے تو۔" احمد نے مسکین سی آواز میں ارشاد کیا۔

"مہمان کو پوچھتے ہیں اگر کھانے کی اشیاء خود تشریف لائی ہوں تو۔" غزنی نے مبہم لفظوں میں کیری اور چھوہارے کا ذکر کیا...... اور دونوں مسکراہٹ روکنے لگے۔

مگر احمد اور علی کو ان کی یہ منطق سمجھ نہیں آئی تھی۔

"او کے او کے میں ابھی امی سے چائے اور پکوڑوں کا کہہ کر آتا ہوں۔" وہ چلا گیا اسپیڈ میں نیچے آیا تو امی تو کہیں نظر نہیں آئیں قیاس کیا کہ چچی کی طرف گئی ہوں گی۔

"چلو بھئی خود ہی طبع آزمائی کرتا ہوں۔" چائے کا پانی چڑھا کے جار میں چند بسکٹ دستیاب ہوگئے جنہیں چھوٹی پلیٹ میں سجا کر چائے کپوں میں نکال کے ٹرے سجا کے وہ اوپر جانے کو تیار ہی تھا کہ ڈور بیل بجی۔

"اوہو کون آگیا۔" وہ خود کلامی کرتا دروازہ کھولنے لگا۔ آنے والوں بلکہ آنے والیوں کو دیکھ کر بس اس کا ہارٹ فیل نہ ہوا۔

"آپ......!" وہ ہکلایا۔

☆......☆

ازراہ مذاق خالہ نے کدو پکانے کا کہہ دیا تھا مگر دونوں کی پتلی حالت دیکھ کر ان کو رحم آگیا تھا اور انہوں نے دوپہر کے کھانے پر خاصہ اہتمام کرلیا تھا۔ کباب، وہائٹ پلاؤ، چٹنی رائتہ بنالیا تھا اور ساتھ میں پڑوس میں بھی بھجوادیا۔

"آپ یہاں؟" وہ حیرت زدہ بولا۔

"اندر تو آنے دیں۔" ملیحا کہتی ہوئی آگے بڑھی۔

"یہ خالہ نے بھیجا ہے، جلدی سے پلیٹیں خالی کردیں۔" یسریٰ نے غزنی کے چہرے کے آگے چٹکی بجا کے کہا جو کہ حیرت زدہ کھڑا ملیحا کو دیکھے جا رہا تھا۔

وہ جلدی سے پلیٹیں خالی کر کے دے کر انہیں گیٹ تک چھوڑنے آیا۔

"ان کا تو لنچ بھی تیار ہے اور ہماری امی صاحبہ چچی کے یہاں سے برآمد ہی نہیں ہو رہی ہیں۔ چولہے ٹھنڈے ٹھار پڑے ہیں خیر یہ ہے نا گرم گرم پلاؤ ادم......ہم۔" وہ خوشبو سونگھتا جلدی سے ٹرے میں مزید اشیاء رکھتا اوپر لے گیا جہاں اس کے نکھٹو اور منگتے دوست دیکھتے ہی کھل اٹھے اور واہ مزہ آگیا بول کے ٹوٹ پڑے۔

"بھوکے ننگے لوگوں میرے لیے بھی کچھ چھوڑنا۔" غزنی چیخا۔

"آجا مقابلہ سخت ہے۔" علی منہ میں نوالہ ٹھونستے ہوئے بولا۔

مصروف انداز میں کھانا کھاتے ہوئے حمزہ نے منہ میں نوالہ ٹھونستے ٹھونستے پوچھا۔

"ویسے اتنے مزے کا کھانا آیا کہاں سے؟ کیوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے تائی امی تو ہمارے گھر بیٹھی ہیں۔"

اس نے جب یہ بتایا کہ دو لڑکیاں پڑوس میں سے دے کر گئی ہیں تو اب کے چیخنے کی باری حمزہ کی تھی۔

"لُبنیٰ یسریٰ۔" خالہ نے پکارا۔

"جی خالہ!" دونوں حاضر تھیں۔

"تمہاری ماں کا فون آیا تھا" کہہ رہی تھیں دونوں بچیوں کے رشتے کراچی میں ہی دیکھ لیں' حیدر آباد میں اب رہ ہی کون گیا ہے تمہارا ددھیال پہلے ہی لاہور شفٹ ہو چکا' اب تم لوگ بھی یہاں شفٹ ہو جاؤ' تمہاری ماں بھی فکر مند رہنے لگی ہے' اچھا ہے اپنے گھر بار کی ہو جاؤ۔" وہ متفکر ہوئیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کے مسکرا دیں۔

☆.....☆

"یہ تائی امی آج کل ہمارے گھر کچھ زیادہ ہی نہیں پائی جاتیں۔" حمزہ بولا۔

"پائی جاتیں سے کیا مراد ہے تیری۔ وہ جیتی جاگتی انسان میری امی جان ہے تو کوئی چینل جیو گرافک چینل نہیں دیکھ رہا۔" وہ غصے سے گویا ہوا۔

"اوہو میرا مطلب ہے امی اور تائی امی میں آج کل کچھ کھچڑی پک رہی ہے' جب دیکھو دونوں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں تو سر جوڑ لیتی ہیں۔ صمد بانڈ یا فیوی کول سے۔" غزنی سیب کا بائٹ لیتا ہنس کے بولا۔

"چپ کر یار تو ہر بات مذاق میں لیتا ہے یہ سنجیدہ بات ہے میں جا رہا ہوں بس وہ جانے لگا تو غزنی نے زبردستی اسے روکا۔

"اچھا چل اب بول کیا بات ہے؟"

"مجھے لگتا ہے دال میں کچھ کالا ہے۔" حمزہ نے ہونٹ بھینچ کے سر ہلا کر کہا۔

"کیا کالا لگے گا پوری کی پوری دال کالی ہے' میں ابھی کچن میں دیکھ کے آیا ہوں امی آج ملکہ مسور پکا رہی ہیں ناں۔" غزنی بولا تو اب حمزہ کے غصے کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ اٹھ کر چلا گیا اور وہ سوچتا رہ گیا اس کو کیا ہوا یہ کیوں چلا گیا۔

☆.....☆

موسم تبدیل ہو رہا تھا۔ صبح شام تیز سردی جبکہ دوپہر میں قدرے موسم بہتر ہو جاتا تھا' حمزہ اخبار لیے لان میں بیٹھا دھوپ لینے کے ساتھ امی کو خبریں کم اشتہارات زیادہ سنا رہا تھا۔ امی پالک کاٹنے میں اس کی سن رہی تھیں۔

محبوب آپ کے قدموں میں' محبوب کرے یوجا' تانا بنگالی اور اولاد نرینہ' اور بھی نہ جانے کیا کیا سناتا اگر چچی نہ ٹوکتیں۔

"بس کرو کیا الٹا سیدھا پڑھے جا رہے ہو' کوئی ڈھنگ کی خبریں نہیں ہے کیا؟"

"ہے ناں...... گو نواز گو......" بول کر وہ ہنسنے لگا تو وہ بھی مسکرا دیں۔

آج کل دھرنے کے حوالے سے خبریں کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھیں' کسی بھی موضوع پر کم اور دھرنے کی خبریں زیادہ گشت کرتی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد چچی گویا ہوئیں۔

"حمزہ بیٹا! تمہاری تائی امی اور میں آج کل تمہارے اور غزنی کے لیے لڑکی دیکھ رہے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ جس طرح میں نے اور تمہاری امی نے وقت کو مل جل کر گزارا ہے اسی طرح تمہاری اور غزنی کی دلہنیں بھی بہنوں کی طرح مل جل کر رہیں۔ اس لیے ہم جہاں جاتے ہیں کوشش کرتے ہیں کہ ایک ہی خاندان کی دو لڑکیاں تم دونوں کے لیے پسند کر لیں۔"

اور یہ بات سولہ آنے سچ تھی امی اور تائی امی بھلے سے رشتے میں کزن تھیں مگر سگی بہنوں کے رشتے کو مات دے دی تھی دونوں نے' مجال ہے جو کبھی کسی بات پر چپقلش ہوئی ہو۔

"یعنی کے ہماری ہونے والی دلہنیں بھی آپس میں کزن ہوں گی؟" حمزہ نے پوچھا۔

"ہاں کوشش تو یہی ہے۔" وہ بولیں۔

"اور اگر کزن کی جگہ آپ کو دو بہنیں مل جائیں

؟''حمزہ جسے غزنی نے اپنے باوثوق ذرائع سے معلوم کر کے بتایا تھا کہ دونوں سگی بہنیں ہیں کی بناء پر امی کو ہنٹ دیا۔

''کیا مطلب تمہاری نظر میں کوئی ہے کیا؟'' امی چونکیں۔

''آپ کی نظر میں بھی آسکتی ہے اگر آپ اپنے کمرے کی بالکونی سے پڑوس میں نظر دوڑائیں تو ......'' وہ کہہ کر چھپاک سے غائب ہو گیا اور وہ سوچ کے مسکرا دیں۔

☆......☆

خالہ آج دونوں کو زچ کرنے پر تلی ہوئی تھیں، سلیقہ سلائی مشین جو واقعی سلیقے کا منہ بولتا ثبوت صاف ستھری سی تیار رکھی تھی، لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ ان کے جہیز کی تیس سالہ پرانی مشین تھی۔ آج وہ لڑکیوں کو کھڑ بنانے پر مصر تھیں، لبنا جو سلائی میں تھوڑی دلچسپی رکھتی تھی ان کے بتائے ہوئے طریقے کو فالو کر رہی تھی، جبکہ سیری بے زاری سے بیٹھی قینچی سے بچی کچھی کپڑے کی کترنوں کو مزید کترنیں کر رہی تھی، اس سے پہلے کہ وہ خالہ کی سی ہوئی قمیص پر قینچی چلاتی لبنا نے گھورتے ہوئے جلدی سے قمیص چھین لی۔

''اُف یہ سلائی کرنا بھی مستقل مزاج بندے کا کام ہے، مجھ سے تو ایک ٹانکا غلط لگنے پر میرا دل اوب گیا، میں اب مزید نہیں کر سکتی۔'' سیری نے ہاتھ اٹھا دیے۔

خالہ کو غصہ ہی آ گیا۔

''دل لگاؤ گی تو لگے نا، ہر تھوڑی دیر بعد تو مُوا یہ موبائل بج جاتا ہے میسج آنا بند ہوں گے تو کچھ کر پاؤ گی ناں چھوڑو یہ فضولیات اور یہ تُرپائی کرنا سیکھو۔'' خالہ نے باریک سوئی بمع دھاگے کے اس کو پکڑائی اور کپڑا فولڈ کر کے سکھانے لگیں، وہ اس کے خالہ کے چنگل میں پھنسنے جانے پر مسکراہٹ روکتی مشین پر جھک گئی۔

☆......☆

چچی کب کی آئی بیٹھی تھیں، دونوں نہ جانے کیا باتیں کر رہی تھیں، غزنی کو ان کی باتوں سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ ٹی وی پر ایشین گیمز کی جھلکیاں دیکھنے میں مصروف تھا کان تو تب کھڑے ہوئے جب پڑوسن رابعہ، خالہ اور ان کی بھانجیوں کا ذکر آیا۔

وہ ہلکی سی آواز میں سرگوشی کر رہی تھیں،

''آپا میں نے بالکنی سے دیکھا ہے صورت شکل تو اچھی ہے دونوں کی اب جب آپ کہو جا کر سیرت بھی جانچ لیں۔''

''رابعہ کی عادت تو اچھی ہے یقیناً بھانجیاں بھی اچھی عادت کی ہی ہوں گی۔'' امی نے بھی قیاس کیا۔

''کیوں نہ ان کے گھر کا چکر لگا لیں۔''

''آپ نے تو میرے منہ کی بات چھین لی۔'' چچی خوش ہو کر بولیں تو غزنی بظاہر انجان بنا ہوا تھا چونک کر امی کے ہاتھوں کی جانب مشکوک نظروں سے دیکھنے لگا۔

''ٹھیک ہے آپ پانچ بجے تیار رہیے گا، میں آ جاؤں گی تو ساتھ چلتے ہیں۔'' چچی یاد دہانی کراتی اپنے گھر چلی گئیں اور غزنی اپنے دوست کی خبر لینے۔

☆......☆

وہ اس کے سر پر پہنچ گیا تھا خبر گیری کرنے۔

''اتنی بڑی بات تو نے مجھے نہیں بتائی؟'' غزنی چیخا۔

''کون سی بات! کیا چھپایا ہے میں نے؟'' حمزہ بولا۔

''یہی بات پڑوس میں لڑکی دیکھنے جانے والی بات کا یقیناً تو نے چچی سے ذکر کیا ہے تب ہی ان کے ذہن میں آئی ورنہ یہ بات تو ہم دونوں نے اپنے سائے سے بھی چھپائی تھی۔'' وہ بولا تو دونوں ہنس دیے۔

''ہاں امی کو میں نے ہی بتایا تھا۔'' حمزہ نے اعتراف کیا، تو وہ اس پر پل پڑا۔

☆......☆

پانچ بجے تیار ہو کر وہ ان کے پورشن میں داخل ہوئیں۔ ڈیسینٹ سا سوٹ پہنے وہ کافی اچھی لگ رہی تھیں۔

وہ دونوں ہی ہائی الرٹ بیٹھے تھے' بظاہر ٹی وی پر میچ دیکھتے ہوئے تبصرہ کر رہے تھے۔

"یار کیا شارٹ کھیلا ہے' اب لگ رہا ہے میچ ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

وہ کافی نک سک سے تیار ہو کر باہر آئیں تو چچی فوراً اٹھ گئیں۔

"چلیں۔"

"ہاں چلو۔" وہ دونوں باہر نکل گئیں۔

اور وہ دونوں جمپ لگاتے ہوئے پہنچے اوپر بالکنی میں جہاں سے پڑوس کا لان اور گیٹ آرام سے دکھتا تھا۔ دونوں خواتین ان کے گیٹ پر پہنچ چکی تھیں' علیک سلیک کے بعد سب اندر کی جانب بڑھے۔ اندر کا منظر دیکھنا ناممکن تھا سو دونوں مایوسی سے واپس نیچے آ گئے۔

"بڑی خوشی ہوئی' کافی دنوں کے بعد آئیں۔" خالہ نے مسکرا کے کہا۔

"بس بہن ٹائم نہیں ملتا اور اب تو دن بھی مختصر ہو گئے ہیں آج بھی وقت نکال کے خاص طور پر تمہارے گھر آئے ہیں۔ کوئی آیا ہوا ہے کیا؟" چچی نے وضاحت کرنے کے بعد پوچھا۔

"جی ہاں حیدر آباد سے بھانجیاں آئی ہوئی ہیں' کالج کی کلاسیں آف تھیں تو چند دن آ گئیں میرے پاس' ورنہ تمہیں تو پتہ ہے پورا سال اکیلے ہی گزارتی ہوں۔" خالہ نے تفصیلی جواب دیا۔

ان کا ایک ہی بیٹا تھا جو امریکہ میں مقیم تھا۔ میڈیکل کے آخری سال میں تھا' اس لیے سالہا سال وہ اکیلی رہتیں۔ وہ بس سال میں ایک چکر پاکستان کا لگا کے اپنی ماں کو خوشی دے جاتا تھا۔ شوہر کا ساتھ تو جوانی میں چھوٹ گیا تھا' انہوں نے اکیلے ہی پڑھایا لکھایا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ بھیجا۔ شوہر کا اچھے وقتوں میں جمع کیا ہوا پیسہ کام آ گیا۔

"بچیاں کہاں ہے ذرا بلائیں تو۔" چچی کو بے چینی ہوئی تو بولیں۔

"لِلتا یسریٰ! یہاں آؤ بیٹا۔" خالہ نے مسکرا کے آواز دی۔

وہ دونوں جو رف حلیے میں اوٹ پٹانگ سی بیٹھی تھیں جلدی جلدی کپڑوں کی سلوٹیں درست کرتی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں اور دو انجان خواتین کو دیکھ کر دل ہی دل میں خود کو کوستی ہاتھوں سے بالوں کی لٹیں کان کے پیچھے کرتی سلام کر کے وہیں صوفے پر ٹک گئیں۔

"وعلیکم السلام! ماشاء اللہ بڑی پیاری بچیاں ہیں۔" دونوں خواتین نے خوش دلی سے جواب دیا۔

خالہ کے اشارے پر وہ دونوں کچن میں چائے ناشتے کے انتظام کے سلسلے میں آ گئیں اور تینوں خواتین باتوں میں مگن ہو گئیں۔

رخصت ہوتے وقت انہوں نے رابعہ خالہ کو اپنے آنے کا عندیہ دے دیا تھا جسے سن کر ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

"آپ اپنی بہن سے ذکر کر دیجیے گا اور جو بھی آپ کا ارادہ ہو بتا دیجیے گا تاکہ ہم بات آگے بڑھا سکیں۔"

"جی جی ضرور' انشاء اللہ۔" انہوں نے خوشی خوشی رخصت کر کے اندر کی راہ لی اور دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کو دیکھ مسکرا دیں۔

☆......☆

وہ کافی دیر فون پر بات کرنے کے بعد اب امی کو اللہ حافظ کر رہی تھیں' یہ بات یسریٰ نے جا کر اسے بتائی تو دونوں ڈرائنگ روم میں خالہ کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ تو یسریٰ بولی۔

بڑی خوش دکھائی دے رہی ہیں کوئی خوشی کی خبر ہے کیا؟"

"ہاں ہے تو کل آرہی ہیں تمہاری ماں۔" خالہ نے انکشاف کیا۔

"کیا؟" دونوں ایک ساتھ چیخیں۔

"جب ہم نے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ چلیں تب منع کردیا تھا اب اچانک کیوں؟"

"اب کی بات الگ ہے اب وہ ایک خاص مقصد کے لیے آرہی ہیں۔" خالہ نے مسکرا کر کہا۔

☆......☆

دونوں خواتین گھر میں داخل ہوئیں تو غزنی' حمزہ آن وارد ہوئے۔

"پانی پلاؤ اپنی چچی کو۔" امی نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے غزنی کو حکم صادر کیا' وہ جلدی سے جگ بھر کے پانی لے آیا تاکہ دوبارہ غیر حاضر نہ ہو اور ان کی باتیں سن سکے' اس کی خوشامدی حرکت پر حمزہ مسکرادیا۔

"ویسے آپ دونوں تشریف کہاں لے گئی تھیں' جو اتنی ہانپتی کانپتی آرہی ہیں؟" حمزہ نے پوچھا۔

"لگتا ہے اس بار ایشین گیمز میں ٹیم کی جگہ امی اور چچی نے حصہ لیا تھا' جو کہ جیت کے آئی ہیں۔" غزنی نے قیاس کیا تو حمزہ بولا۔

"اس بھاری بھرکم وجود کے ساتھ صرف ہار سکتی ہیں۔"

ان دونوں کی بے سروپا باتیں سن کر چچی نے پاس پڑا ہینگر اٹھا کر غزنی کے ہاتھ پر مارا جو کہ قریب ہی کھڑا تھا۔

"اوئی ماں!" کہہ کر پیٹ پر ہاتھ رکھ کر جھکتا چلا گیا۔

"دیکھا لگی ناں!" چچی مسکرائیں تو وہ بولا۔

"میرے چوٹ تھوڑی لگی ہے میں تو آپ کے ادب میں جھک رہا ہوں چینیوں کی طرح۔" اس کے جھینپنے اور بہانے پر وہ تینوں مسکرادیے۔

"تمہارے لیے لڑکیاں دیکھ کر آرہے ہیں۔" امی نے دھماکہ کیا تو دونوں لڑکے صوفے پر لڑھک گئے۔

☆......☆

دونوں خواتین نے یہ بات گھر کے مردوں کے کان میں ڈال دی۔ ابو جو کہ دونوں لڑکوں کی لاپرواہ عادت سے نالاں تھے' اعتراض کیا وہ اتنی جلدی اسٹیبلش ہوئے بغیر ان پر شادی جیسی ذمے داری ڈالنا نہیں چاہتے تھے' مگر چچی اور امی جو کہ اپنے اکلوتے بیٹوں کے سر پر سہرا جلد از جلد دیکھنا چاہتی تھیں انہوں نے کسی طرح منالیا' دونوں خواتین کی خوشی دیدنی تھی۔

☆......☆

آج ان کی امی حیدرآباد سے آرہی تھیں اور خالہ جو کہ لڑکیوں کو پہلے ہی سلیقہ شعار بنانے کی ناکام کوشش کرچکی تھیں ایک بار پھر آزمانا چاہتی تھیں۔

وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھی باپ کورن سے انصاف کرتے ہوئے ٹی وی پر آتے بگ باس میں مگن تھیں' تب ہی خالہ آگئیں اور غصے سے بولیں۔

"بند کرو یہ کانے دجال کی آنکھ۔"

اس نے جلدی سے چینل چینج کرکے نیوز چینل لگادیا جس پر گو نواز گو اور دھرنے سے متعلق نئی اطلاعات آرہی تھیں۔ جسے سن کر خالہ نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیے۔

"اُف!" وہ دونوں مسکرادیں۔

"اب بس کرو یہ مسکرانا بند کرو اور تمہاری ماں اب آتی ہوگی جو کام رہ گئے ہیں' جلدی جلدی نمٹاؤ اور ہاں اپنا حلیہ بھی درست رکھا کرو اس دن بھی جھاڑ جھنکار سی مہمانوں کے سامنے چلی آئیں' پڑوس والی خواتین تم دونوں کو پسند کرگئی ہیں۔" انہوں نے انکشاف کیا تو وہ دونوں انگشت بدنداں رہ گئیں۔

☆......☆

''ویسے لِنتا! اس دن ہم دونوں جب پڑوس میں کباب پلاؤ دینے گئے تھے تب ایک لڑکے کو تو ہم نے دیکھ لیا تھا دوسرے والے محترم نہ جانے کیسے ہوں گے؟'' یسریٰ کچن کی سلیب پر بیٹھی کام کم اور باتیں زیادہ کرتی بیچ بیچ میں کینو کی پھانک کھاتے ہوئی اس سے کہنے لگی۔

وہ جلدی جلدی برتن دھوتی بولی۔

''جب ایک موصوف اچھے ہیں تو دوسرا بھی اچھا ہی ہوگا آخر اسی کا کزن ہے۔''

''ضروری نہیں کہ ایک خوبصورت ہے تو دوسرا بھی ہو۔'' وہ اس سے متفق نہ ہوئی۔

''ضروری نہیں کہ اس کا کزن ہے تو سیم ویسا ہی ہو یا اسی کی طرح ہی خوب صورت ہو۔''

''اوہو میرا کہنے کا مطلب ہے کہ اگر ایک قابل قبول ہے تو دوسرا بھی اچھا ہی ہوگا، تم کیوں فکر کرتی ہو۔ انشاء اللہ اچھا ہی ہوگا۔'' لِنتا نے رسانیت سے کہا۔

''اچھا تم نے دل ہی دل میں اس دن والے محترم کو اپنا مان لیا۔ تب ہی دوسرے والے کو میرے سر تھوپ رہی ہو...... ہوں۔'' اس نے شوخی سے چھیڑا تو لِنتا مسکراتے ہوئے بولی۔

''ہوں مجھے غزنی اچھا لگا تھا۔'' وہ خوش دلی سے مسکرا کے بولی۔

☆......☆

وہ دونوں آج کل ضرورت سے زیادہ ہی خوش تھے مگر ابو سے شاید ان کی خوشی دیکھی نہ گئی۔ تبھی تو پڑھائی پر سختی عائد کر دی۔ ان کے حکم کے مطابق اس بار اچھی پوزیشن لے کر آنی تھی اس وجہ سے دونوں دن رات ایک کر کے محنت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ کافی دیر پڑھنے کے بعد غزنی جب اکتا گیا تو خیال آیا کیوں نہ علی اور احمد کو بلا لیتے ہیں۔ اس کے کہنے پر حمزہ دونوں کو فون کر کے بلا چکا تھا اور اپنے متوقع رشتوں کے متعلق بھی بتا چکا تھا اور اب علی اور احمد کسی تھرڈ کلاس فلم کے جگری یاروں کی طرح چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔

''ان دونوں کے اسی لو اسٹینڈرڈ کی سبب میں ان سے کم کم ملتا ہوں۔'' غزنی نے جل کر سوچا۔

''یار! بتا تو سہی۔ بھابھی ہیں کیسی؟'' علی پھسپھسی آواز سے بولا۔

''کم از کم کیری اور چھوہارے سے تو اچھی ہے۔'' غزنی بے اختیار بول گیا۔

''یار! آج تو تُو بتا ہی دے یہ کیری اور چھوہارے کا راز کیا ہے؟''

''کیوں تم دونوں اکثر ان اشیاء کا ذکر کرتے ہو پتا تو چلے آخر مسئلہ کیا ہے۔'' احمد نے آج حقیقت دریافت کرنے کی ٹھان لی۔

''ارے چھوڑو ناں یہ سب باتیں۔'' حمزہ نے گھبرا کر کہا۔ ''امی نے بڑا زبردست لنچ بنایا ہے۔ میں ابھی لے کر آیا۔'' یہ کہہ کر وہ بھاگا مبادا وہ پھر کیری اور چھوہارے کا راز جاننا شروع کر دے۔

کھانے کا نام ہو اور علی اور احمد راضی نہ ہو یہ کیسے ممکن ہوتا۔ چنانچہ اگلے چند لمحوں بعد وہ چاروں لذیذ کھانے پر ٹوٹ پڑے تھے۔

☆......☆

امی کی آمد کے بعد خالہ نے شاپنگ کا پلان بنا لیا۔ سو آج چاروں کا ارادہ مارکیٹ جانے کا تھا۔ وہ گیٹ سے نکلی ہی تھیں کہ غزنی اور حمزہ بھی ادھر سے گزر رہے تھے بزرگ خواتین کو سلام کے بہانے رک گئے۔

''السلام علیکم! کیسی ہیں آنٹی؟ خالہ آپ کیسی ہیں؟'' حمزہ نے ادب سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! جیتے رہو بیٹا، ماشاء اللہ بڑے پیارے بچے ہیں اللہ نظر بد سے بچائے۔'' عارفہ کھل

انھیں۔

''آپ لوگ کہاں جارہے ہیں۔'' اس نے یسریٰ کو نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے پوچھا۔

''وبس بیٹا یہ مارکیٹ تک جارہے ہیں۔ تم ایسا کرو شام کی چائے ہمارے ساتھ پینا۔ پھر سکون سے بیٹھ کر بات کریں گے۔'' انہوں نے خوش دلی سے دعوت دی تو حمزہ نے دل وجان سے قبول کی۔

☆......☆

بڑوں کے صلاح مشورہ کے بعد منگنی کی رسم ادا کرنے کی تاریخ ٹھیک دس دن بعد طے پائی۔ غزنی اور حمزہ کے تو خوشی سے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔

چچی اور امی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ دونوں خواتین کو خوش دیکھ کر ابو نے بھی آج کل ان دونوں کو ڈانٹنا کم کردیا تھا۔ ویسے بھی ماں باپ کی ڈانٹ ڈپٹ اور روک ٹوک اپنی اولاد کی بھلائی کے لیے ہوتی ہے۔ سو جب دونوں لڑکے سنجیدگی سے ذمے داری سنبھالنے کو خوشی خوشی تیار تھے تو ان کو کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ چچی اور امی نے دونوں دلہنوں کے لیے انتہائی نفیس کام کے سوٹ تیار کروائے تھے۔

☆......☆

آخر اللہ اللہ کر کے منگنی کا دن بھی آپہنچا۔ شام خالہ کے لان میں جگمگ کرتے قمقمے اور سجاوٹ بھلی لگ رہی تھی۔

نو بجے مہمان آنا شروع ہو گئے۔ ابو اور چچا مہمانوں کو ریسیو کر رہے تھے۔ دونوں گھرانے چونکہ پڑوسی تھے اس لیے تقریب ایک جگہ ہی مشترکہ طور پر رسم ادا کرنی تھی۔

تمام مہمانوں کی آمد کے بعد ابو کے حکم پر رسم ادا کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ تمام خواتین باری باری مٹھائی کھلانے لگیں۔ آج کا دن تو انتہائی حیرت زدہ تھا۔ ابو غزنی کو دیکھ کر نہ صرف مسکرائے تھے بلکہ اسے گلے لگا کے خوب زور زور سے جھومے بھی تھے۔ وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ انہوں نے اس کے کان میں ہلکی آواز میں سرگوشی کی۔

''بیٹا! ماں باپ کی ڈانٹ کڑوی گولی کی طرح ہوتی ہے۔ ذائقہ تو کڑوا ہوتا ہے مگر اس گولی کا اثر ہمارے لیے ہماری صحت کی طرح ہوتا ہے۔ سمجھ رہے ہو ناں۔'' انہوں نے مسکرا کے پوچھا۔ تو غزنی نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دلہنیں اسٹیج پر آگئی تھیں جو کہ لان کے ایک حصے میں بنایا گیا تھا۔ غزنی اور حمزہ سب سے نظر بچا کے کبھی کبھی ایک نگاہ ان پر ڈال لیتے۔ انہیں تو یقین ہی نہیں آرہا تھا اور اس بات کا اظہار جب اسٹیج پر بیٹھے غزنی نے لبنیٰ سے کیا تو اس نے زور کی چٹکی بازو میں بھر دی۔ تکلیف سے اس کی آہ نکل گئی۔

''کیا ہوا؟'' چچی بولیں۔

''کچھ نہیں لان میں مچھر بہت ہیں ناں تو......'' وہ کھسیانا ہوا۔ وہ دونوں اپنی ہنسی روکنے میں سر جھکا گئیں۔

''ہمارا بھی وقت آئے گا بچو۔'' غزنی نے خمار آلود لہجے میں کہا تو لبنیٰ نے شرم سے سر مزید جھکا لیا۔

انگوٹھی پہنانے کی رسم ادا کی گئی تو مبارک و سلامت کا شور اٹھا۔

لاپرواہ اور ہر وقت چہکنے والی یسریٰ بھی آج بار حیا سے پلکیں جھکائے دل کی دھڑکنیں سنبھال رہی تھی۔ کھانے کے بعد فوٹو سیشن شروع ہوا۔ وہ دونوں جھکے اپنی اپنی شریکِ ہمسفر کے کان میں کہہ رہے تھے۔

''نئے بندھن میں بندھنے کی مبارک ہو۔'' جسے دونوں نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلا کر قبول کیا۔

☆......☆

یاسمین آفریدی

افسانہ

بڑی خوب یاری ہماری ہے

"اے یارمن یاری تیری
مجھے زندگی سے بھی پیاری ہے۔"

آج بہت دن بعد لہک لہک کر شرمین اپنا پسندیدہ
گانا گا رہی تھی۔ آس پاس سے گزرتے سب ہی



اسٹوڈنٹ اسے دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے اور ماہا اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ ماہا وہ واحد لڑکی تھی جو اس کے ماضی اور حال سے واقف تھی۔

شرمین کی فیملی صرف اس کے ایک اکلوتے بھائی تک محدود تھی، اس کی ماں کی بیوگی کے بعد کچھ ہی عرصے تک میکے والوں نے اپنے ساتھ رکھا اور پھر ان پر کافی زور دے کر ان کی دوسری شادی کروا دی۔ اس شرط پر کہ ان کے بچوں کو اپنے ننھیال میں کسی طرح کا مسئلہ پیش نہیں آئے گا مگر گزرتے وقت کے ساتھ بہت کچھ بدل گیا تھا، شرمین کے چھوٹے ماموں کی شادی ہوئی اور ان کی بیویوں کو شرمین اور حیات کا ان کے گھر میں اتنے دھڑلے سے رہنا ناگوار گزرنے لگا۔ بڑے ماموں (جو عرصے سے دیارِ غیر میں رہائش پذیر تھے) نے حیات کی پڑھائی مکمل ہوتے ہی اسے اپنے پاس دبئی بلا لیا، شرمین اب ایک طرح سے اکیلی ہو گئی تھی مگر وہ ہمت ہارنے والوں میں سے اور رونے والوں میں سے نہیں تھی۔

بھائی اکثر پیسے بھیجتا اور آنے کا وعدہ کرتا مگر جب بھی آتا اپنے زیرِ تعمیر گھر میں مصروف رہتا، جتنا وہ اپنی بہن سے محبت کرتا تھا۔ شرمین بھی اس سے اتنی ہی



محبت کرتی۔ ہاں ایک اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ جب سے حیات دیارِ غیر میں کمانے کے غرض سے گیا تھا۔ چھوٹی مامیاں اس پر کچھی جا رہی تھیں، اس کی ایک وجہ ان کی جوان ہوتی بیٹیاں تھیں جو شرمین کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔ خیر اس بات سے گھر میں سکون بھی ہو گیا تھا، ماما بھی کبھی کبھار ملنے چلی آتیں تھیں مگر وہ ان سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی، جب کہ حیات تو ان کے پاس سے ہی نہیں ہٹتا تھا۔ پھر انہی بیزار سے دنوں میں اس کا ٹکراؤ ماہا سے ہوا جو بینچ پر بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ اس کی کلاس میں ہونے کی وجہ سے اس کا نام جانتی تھی، تب ہی پاس چلی آئی۔

"ماہا! کیا ہوا تم ٹھیک ہو؟ یا کسی نے کچھ کہا ہے تم سے؟" اسے ماہا شروع دن سے ہی کو مگر پیاری لگی تھی مگر وہ کسی سے گھلتی ملتی نہیں تھی، جب ہی دور دور رہ کر اس کی مصروفیات پر غور کرتی۔

"میرے گھر والوں نے میرا رشتہ طے کر دیا ہے۔" وہ بھی شاید اس وقت میں کسی دوست، ایک ہمدرد کی خواہش میں بیٹھی تھی، جب ہی فوراً کہہ گئی۔ شرمین اس کے جواب پر اسے دیکھتے ہوئے اس کے برابر میں ہی بیٹھ گئی تھی۔

"ارے واہ..... تو اس میں مسئلہ کیا ہے؟" شرمین نے پر جوش ہو کر کہا۔

"مجھے وہ لڑکا پسند نہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کسی اور کو چاہتا ہے۔" اس نے شادی نہ کرنے کا جواز پیش کیا۔

"اچھا تو تم انکار کیوں نہیں کر دیتیں اپنے گھر والوں کو کہہ دو کہ وہ لڑکا تمہیں پسند نہیں۔" اس نے اس کا مسئلہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے شرمین! میں مڈل کلاس کی ایک ڈرپوک سی لڑکی ہوں۔" ماہا نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

"تم ایسا کیوں کہتی ہو یار! تم کالج اسٹوڈنٹ ہو اور میں نہیں سمجھتی کہ کالج میں پڑھنے والی لڑکی ڈرپوک بھی ہو سکتی ہے، بس تم میں ہمت اور حوصلے کی کمی ہے وہ بھی آ ہی جائے گی۔" شرمین نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے اس کی ہمت بڑھائی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ شادی کب تک ہوگی؟" شرمین نے ایک اور سوال کیا۔

"تین سال بعد۔" ماہا کے آنسو اب تھم چکے تھے۔

"ارے پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، تم رشتہ طے ہو جانے دو اور بس اپنی پڑھائی پر دھیان دو، تین سال بعد تم اتنی پُر اعتماد تو ہو ہی جاؤ گی کہ اس رشتے سے انکار کر سکو، اب چلو میری بہت انرجی ویسٹ ہو گئی تمہیں سمجھاتے، اب مجھے بھوک لگی ہے۔

یقیناً روتے روتے تم بھی تھک گئی ہو گی، چل کر کچھ کھاتے ہیں۔" ماہا کو اس کے دوستانہ انداز پر بڑی حیرت ہوئی اور وہ مسکرا دی، تب سے اب تک ان کے بیچ بہت گہری دوستی ہو گئی تھی۔ ان گزرتے ماہ و سال میں ان دونوں کی تین دوستیں رابعہ، انعم اور انجم سے بھی دوستی ہو گئی تھی ان کی آپس کی دوستی مثالی دوستی ثابت ہوئی تھی۔ جو کسی تیسرے کے آنے سے بھی کم نہ ہوئی تھی۔ انعم اپر کلاس سے تعلق رکھتی تھی اور اکثر ہی ماہا کے مڈل کلاس ہونے پر طعنہ مار دیتی تھی جو ماہا تو مسکراتے ہوئے سن لیتی مگر شرمین بہت جلد ہی اسی کے انداز میں اس کی بات لوٹا دیتی، جب کہ رابعہ اور انجم بہنیں تھیں اور کالج میں سارا وقت لڑائی کرنے کی ان کی عادت تھی۔

☆......☆

زندگی بہت پرسکون گزر رہی تھی اور ان کی دوستی زندگی سے زیادہ حسین تھی۔ لیکن کہتے ہیں ناں زندگی بغیر مصیبتوں کے گزرے یہ بھی ممکن نہیں۔ وہ دن بھی روزمرہ کے دن کی طرح ہی تھا، جب شرمین دو دن پہلے مس ہوئے لیکچر کے پوائنٹس نوٹ کرنے سر زلفی کے پاس گئی تھی اور اسی لئے ماہا کو اکیلے ہی لائبریری

میں آنا پڑا۔ لائبریری میں ہلچل سی مچی تھی مگر اس نے باہر آتے لوگوں پر دھیان نہ دیا، اپنی دھن میں چلتی اندر چلی گئی اور اندر آخری ریک کی اور بڑھ گئی تھی، تبھی کسی کی گھٹی گھٹی آواز پر چونکی تھی اور آگے آ کر ریک کی آڑ سے دیکھنے لگی۔

"کہا تھا سر جی! آپ کو آئندہ ہم سے کوئی لڑائی مول نہیں لیجیے گا، کبھی ہمارے کام میں ٹانگ نہیں اڑایئے گا۔"

یہ کالج کے بگڑے ہوئے لڑکے تھے۔ سر ہادی کو گھیرے بیٹھے تھے، لائبریری کا داخلی دروازہ بند تھا، وہ اسی طرح خاموشی سے سامنے کا منظر دیکھ رہی تھی۔

"میں غلط بات اور غلط حرکت کسی کی برداشت نہیں کرتا، چاہے وہ میری اپنی اولاد ہو یا میرے اسٹوڈنٹس۔" سر ہادی نے زاہد کو دیکھتے ہوئے کہا جو پورے کالج میں اپنی غنڈا گردی کی وجہ سے مشہور تھا، اسے کوئی روکنے والا نہ تھا، جس کی وجہ اس کے منسٹر کے عہدے پر فائز پاپا تھے۔

"خیر اب ضرورت بھی نہیں آپ کو کچھ برداشت کرنے کی، کیونکہ آپ کا لاسٹ ڈے ہے۔" زاہد نے کہتے ہی ہاتھ میں پکڑا ایک موٹا تار ان کی گردن کے گرد لپیٹ کے کس دیا اور وہ کوششوں کے بعد بھی خود کو نہ بچا پائے مگر ان کے بے جان ہوتے وجود کو دیکھ کر اس کے منہ سے چیخ برآمد ہوئی تھی، تب ہی سب نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا، جب کے زاہد اس کے قریب چلا آیا تھا۔

"او...... تو تم چلائی ہو۔" وہ سگریٹ ہونٹوں میں دباتا ہوا بولا تھا، ماہا کے اعصاب سن ہونے لگے تھے۔

"میں سب کو بتاؤں گی کہ تم نے سر ہادی کو مارا ہے۔" ماہا دھاڑی تھی۔

"ہاں جانتا ہوں کہ تم کہہ سکتی ہو۔" اس نے سگریٹ جلاتے ہوئے سکون سے کہا۔

"کہہ سکتی نہیں، میں کہوں گی سب کو...... میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں گناہ کرتے دیکھا ہے۔" اس کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

"ارے اتنی بھی کیا جلدی ہے، کہو گی تو جب ناں جب تم کسی کے سامنے سر اٹھانے کے قابل رہو گی اگر تم اس قابل ہی نہ رہیں کہ کسی کو اپنا خوبصورت چہرہ دکھا سکو تو۔" زاہد نے کمینگی سے کہا تھا۔

"مطلب؟" اس نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔

"رکو ڈیئر! سمجھاتے ہیں آپ کو مطلب۔" زاہد نے کہہ کے اپنے دوستوں کو اشارہ کیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ بھاگتی اگلے ہی پل اس کے ساتھیوں کے شکنجے میں تھی۔ کچھ دیر لگی تھی اس کو جاننے میں کہ وہ کس قدر کمزور تھی، عورت کتنی ہی بہادر بن جائے مرد کے سامنے وہ ایک پھڑپھڑاتی پنچھی کی سی حیثیت رکھتی ہے اور وہ بھی زاہد کی ہوس کا نشانہ بن چکی تھی۔

وہ بے ہوش تھی، جب ہوش کی دنیا میں واپس آئی تو خود کو انجان جگہ پر پایا تھا، تب ہی شرمین اس کے قریب آ کر بیٹھی تھی، جب اس کا دماغ پوری طرح ہوش میں آیا تو اس کا دل چاہا کہ خود کو آگ لگا کر ختم کر ڈالے، شرمین اس کے قریب بیٹھی اس کا سر اپنی گود میں رکھ چکی تھی اور وہ اپنی دوست کی پناہ میں آ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"ماہا! بھول جاؤ جو کچھ بھی ہوا برا خواب سمجھ کر بھلا دو اس کو۔" اس نے ماہا کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"کیسے بھلا دوں کیا اتنا آسان ہے، اپنے دامن پر لگے داغ کو دھونا؟" اس نے بھیگی پلکوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"نہیں اتنا آسان نہیں لیکن مشکل بھی نہیں اور جب میں تمہارے ساتھ ہوں تو تمہیں کس بات کا ڈر ہے۔" ماہا کو لگا کہ شرمین کوئی دوست نہیں بلکہ کوئی فرشتہ ہو۔

"یہ کس کا گھر ہے؟" اس نے یاد آنے پر پوچھا تھا۔

”یہ میرے بڑے ماموں کا گھر ہے؟ اور اب سے ہم یہیں رہیں گے، ہاں جب بھائی واپس آئیں گے تب ہم نئے گھر میں چلے جائیں گے۔“ شرمین نے اپنی دھن میں کہا تھا۔

”کیا مطلب؟ ہم یہاں رہیں گے نہیں مجھے گھر جانا ہے شرمین دیر ہو رہی ہے۔“ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”تم اب وہاں نہیں جاؤ گی ماہا۔“ اس کے روکنے پر ماہا نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

”وہ لوگ تمہیں اپنے گھر میں نہیں رکھنا چاہتے“ وہ حیران سی شرمین کو دیکھے گئی، اسے لگا کے بھری دنیا میں وہ تنہا ہو گئی ہو، مگر اب بھی کوئی اس کے ساتھ تھا، اب بھی ”رب“ اس کے ساتھ تھا۔

ورنہ ایسے وقت میں دوست بھی ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔ شرمین اس کی حالت سمجھتے ہوئے بولی۔

”تم بیٹھو میں کھانا لاتی ہوں۔“ یہ کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔

☆......☆

وہ کافی دن تک گھر پر رہ کر شرمین کی ضد کے آگے ہار مانتے ہوئے کالج جانا شروع ہو گئی تھی۔ کالج میں بھی وہ چپ چپ سی رہتی اور شرمین پورا دن اس کے ساتھ رہتی، اس سے باتیں کرتی گانے سناتی کہ وہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھے۔ اب انعم، رابعہ اور انجم بھی اس سے دور ہی رہتیں، انعم اکثر اس پر طنز کے تیر بھی چلا دیتی۔ شرمین جیسے ہی جواب دینے کو آگے بڑھتی ماہا اس کا ہاتھ پکڑ کر روک دیتی اور وہ وہیں کڑھتی رہتی۔

شرمین کافی دن سے فیئر ویل پارٹی کی تیاری میں لگی تھی اور ماہا جانتی تھی وہ کتنا ہی انکار کرے۔

شرمین اسے ساتھ لے کر ہی جائے گی اور ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ بہت ضد کے بعد اسے اپنے ساتھ لے ہی آئی تھی مگر وہاں بھی ایک کونے میں رکھی کرسی پر زاہد کی نظریں اس پر جمی تھیں، اسی لئے زاہد کی نظروں کی تپش سے بچنے کے لئے وہ شرمین کے پاس آ گئی تھی، جو سرزنش سے بات کر رہی تھی، تب ہی انعم نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔

”کیوں شرمین! تم اس بار اپنے دوست اور دوستی کے لئے کوئی گانا نہیں سناؤ گی۔“ انداز مذاق اڑانے والا تھا، ماہا کو آج بھی یاد تھا کہ وہ ہر پارٹی میں اس کے اور اپنے لئے گانا ضرور گاتی تھی اور آج لوگ اس کی وجہ سے اس کی دوست کو کتنا کچھ کہہ رہے تھے، جس پر شرمین کو غصہ نہیں ان لوگوں کی سوچ پر دکھ ہوا تھا۔

”آج تک کوئی ایسی پارٹی ہوئی ہے نہ ہو گی، جس میں شرمین اپنی جان سے زیادہ عزیز دوست کے لئے کچھ نہ گائے۔“ شرمین نے خوشدلی سے جواب دیا تھا جس پر ماہا نے اپنے آنسو چھپانے کے لئے چہرا جھکا لیا تھا۔

میرے ساتھیا سو نہ جانا کہیں
قسم ہے تمہیں کھو نہ جانا کہیں
گھڑی دو گھڑی غم کی برسات ہے
اکیلے نہیں ہم خدا ساتھ ہے

شرمین نے اپنی خوبصورت آواز میں گانا شروع کیا اور اس کی آواز سے پورے ہال میں سناٹا چھا گیا تھا۔ ہر کوئی اس کا گانا بڑے مزے سے سن رہا تھا اور ماہا اب بھی سر جھکائے آنسو بہا رہی تھی۔ آواز کے رکتے ہی سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا مگر وہ تالیاں اس کے گانے پر نہیں ان کی گہری دوستی پر بجائی گئیں تھیں، اور شرمین سب سے انجان اس کے روانی سے بہتے آنسو صاف کرنے میں لگی تھی۔

☆......☆

شرمین کا بھائی دبئی سے آ گیا تھا اور اب وہ بھی بڑے ماموں کے گھر اپنی بہن کے ساتھ رہ رہا تھا۔ ماہا اب اپنے لئے کوئی اچھی جاب ڈھونڈنے کی کوشش میں لگی تھی، شرمین اپنے بھائی کی آمد سے بہت خوش تھی، رات دیر تک اپنے بھائی سے باتیں کرتی اور ماہا اب اور زیادہ چپ رہنے لگی تھی۔ ایک دن موقع ملتے ہی شرمین نے حیات سے پوچھا۔

”بھائی! اگر میں نے آپ کے لئے کوئی لڑکی پسند لی ہو تو؟“ شرمین کی بات پر حیات نے اسے دیکھا تھا۔

”تو میں اس سے شادی کرلوں گا مگر شرط یہ ہوگی کہ وہ میری بہن کو ہمیشہ خوش رکھے۔“ حیات نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”ارے آپ اس کی فکر ہی نہ کریں مگر ایک اور بات ہے جو میں نے آپ کو بتانی ہے۔“

”ہاں جانتا ہوں کہ وہ لڑکی تمہاری دوست ماہا ہے۔“ حیات نے اندازہ لگایا۔

”ہاں مگر اس کے علاوہ کچھ بتانا چاہتی ہوں بھائی۔“ آج اسے صحیح معنوں میں اپنی دوست کی تکلیف کا اندازہ ہوا تھا جو اس کی دوست پل پل جھیل رہی تھی، جب اس کے لئے بتانا مشکل تھا تو ماہا کے لئے یہ کتنا مشکل ہوا ہوگا۔

”کیا بتانا ہے شرمین! اور تم کب سے سوچ سوچ کر بات کرنے لگیں۔“ حیات کی نظر اس کے چہرے پر جمی تھی۔

”بھائی! ماہا بہت اچھی لڑکی ہے، آپ اس کے ساتھ ہمیشہ خوش رہیں گے، کبھی اس کا پاسٹ اس کے سامنے نہیں دہرائیں گے، اس کی منگنی ٹوٹ گئی ہے۔ وہ خود بھی ٹوٹ گئی ہے۔“ وہ آگے بھی بولنے لگی تھی کہ حیات نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”میرے لئے یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی شرمین! کہ اس کی زندگی میں مجھ سے پہلے کوئی تھا، ہاں البتہ مجھے اس بات سے ضرور فرق پڑے گا کہ مجھ سے جڑنے کے بعد بھی وہ اسی کو سوچے گی۔“ اب کی بار شرمین نے اس کی بات کاٹ کے کہا تھا۔

”نہیں بھائی! اس کی زندگی میں کوئی نہیں تھا، بلکہ وہ تو رشتہ ختم کرنا چاہتی تھی لیکن اسی دوران اس کے ریپ کی خبر سن کے لڑکے نے خود رشتہ ختم کردیا، وہ کسی کو نہیں چاہتی بھائی پلیز آپ اس سے شادی کرلیں۔“ حیات سن ہوتے اعصاب سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے لگا اس کی بہن مذاق کے موڈ میں ہے۔

”تم جانتی ہو شرمین! تم نے ابھی کیا کہا؟“ وہ حد درجہ حیران تھا۔

”ہاں بھائی! جانتی ہوں کہ میں نے ابھی آپ سے اس لڑکی کی زندگی اور خوشیوں کی بھیک مانگی ہے، بھائی جس وقت مجھے آپ کی سب سے زیادہ ضرورت تھی تب آپ میرے ساتھ میرے پاس نہیں تھے، اس وقت میری دوست تھی اور آج جب اسے میری ضرورت ہے، تو میں کیسے پیچھے ہٹ سکتی ہوں۔“ حیات نے نظریں جھکاتے ہوئے کچھ سوچا تھا اور پھر اپنی بہن کی خوشی کے لئے اس نے ہامی بھرلی۔ وہ بہت خوش تھی، اس کے بھائی نے اس کا مان رکھ لیا اور جب ماہا سے بات کی اس نے رشتے کی تو اس نے رشتے سے صاف انکار کردیا وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ کسی کی زندگی برباد کرڈالے، وہ اپنی دوست کو اچھی طرح جانتی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ یہ سب شرمین کا کیا دھرا ہے، اسی نے اپنے بھائی پر زور ڈالا ہوگا۔ شرمین نے حیات کو اس کے انکار کی وجہ بتائی تو حیات نے خود اس سے بات کرنے کا فیصلہ کیا، تبھی اس کے کمرے کی طرف چلا آیا وہ اتنے دن سے اس گھر میں رہ رہا تھا مگر اب تک اس نے ماہا کو نہیں دیکھا تھا اور تو اور اس کے کمرے کا دروازہ ہمیشہ بند ہی دیکھا تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔

”آجاؤ شرمین! تمہیں کب سے ناک کرنے کی ضرورت پیش آگئی۔“ اندر سے تھکی تھکی مگر خوبصورت آواز سنائی دی۔ وہ دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا ماہا اپنی ڈائری پر جھکی کچھ لکھ رہی تھی۔ وہ وہیں کھڑا سوچتا رہا کہ کیا بات کرے بات کہاں سے شروع کرے، ماہا کافی دیر شرمین کی خاموشی پر ٹھٹکی۔ تبھی نظر اٹھا کر دیکھا اور سامنے حیات کو دیکھ کر وہیں تھم گئی۔ اس نے

حیات کو تصویر میں دیکھا تھا مگر حیات نے اسے پہلی بار دیکھا اور اسی پل اس کو بہن کے فیصلے پر بے حد خوشی ہوئی، ماہا کی معصومیت نے اسی پل حیات کو اپنا اسیر بنا ڈالا تھا۔

''السلام علیکم!'' حیات نے شروعات کی۔

''وعلیکم السلام!'' اس نے کھڑے ہوتے ہوئے اس کے سلام کا جواب دیا۔

''میں نے اگر آپ کو پریشان کیا ماہا تو اس کے لئے معذرت مگر میں آپ سے آپ کی اور اپنی زندگی کے متعلق بات کرنا چاہتا ہوں، میری زندگی کا ایک طویل حصہ دیار غیر میں اپنوں سے کوسوں دور گزرا ہے، میری بہن یہاں اکیلی تھی، اس کو میرے ساتھ کی ضرورت تھی، مگر میں اس کی ہر خواہش کو پورا کرنے کی چاہ میں بہت دور تھا اور آپ اس کے ساتھ تھیں، میں سمجھتا تھا، میں اپنی بہن کی ہر خواہش پیسوں سے پوری کر سکتا ہوں۔ تو بس بے حساب پیسہ کمانے میں لگ گیا، یہ بھی بھول گیا کہ پیسہ خوبصورت چیز تو دے سکتا ہے، پر خوبصورت یادیں کسی کے ساتھ سے ہی ملتی ہیں، میری بہن آپ کی عادی ہوگئی، مجھ سے جتنی دیر بات کرتی، آپ کی بات کرتی، میرا برتھ ڈے یاد ہو نہ ہو آپ کی برتھ ڈے پر کیک لانا نہ بھولتی، آپ کی کامیابی کو وہ اپنی کامیابی سمجھتی اور جشن مناتی اور میری کامیابی بس ایک مبارکباد تک محدود ہوتی، آپ اس کے لئے مجھ سے کئی زیادہ اہم ہیں ماہا اور شاید اب میرے لئے بھی۔'' ماہا نے اچانک کر دیکھا تھا۔

''مگر میں آپ کو کچھ نہیں دے سکتی، بدنامی کے علاوہ جس لڑکی کو اس کے رشتوں نے اپنانے سے انکار کر دیا آپ کیوں اس کے ساتھ کی خواہش کرتے ہیں؟'' ماہا اس کے آنے کی وجہ جان گئی تھی۔

''میری بات ابھی پوری نہیں ہوئی ہے، میں سب جانتا ہوں، شرمین مجھے سب بتا چکی ہے اور میں سچ جاننے کے بعد ہی یہاں آیا ہوں، یہاں آنے سے پہلے میں اپنی بہن کی خوشی کا سوچ رہا تھا مگر آپ کو دیکھنے کے بعد مجھے نہیں لگتا کہ یہ شادی میں صرف اپنی بہن کی خوشی کے لئے کروں گا۔ آپ میری اپنی پسند ہیں مجھے آپ کی پچھلی زندگی کے ہر سادہ ورق پر اپنا نام جگمگاتا دیکھنا چاہتا ہوں، آپ کا فیصلہ نہیں سننا چاہتا کیونکہ آپ جو فیصلہ ابھی کریں گی وہ یقیناً لوگوں کی باتوں کو سوچ کر اس سے ڈر کر کریں گی اور پھر دس سال بعد بھی باتیں بنانے والے لوگ اپنی زندگیوں میں خوش ہوں گے اور آپ اکیلی تنہا رہ جائیں گی اور اگر آج آپ میرا ہاتھ تھام لیں گی تو بھی لوگ دس دن باتیں بنا کر اپنی زندگی میں مگن ہو جائیں گے اور دس سال بعد آپ خوش ہوں گی۔ مطمئن ہوں گی کہ آپ نے اپنی زندگی میں آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا تو اچھا ہی کیا، ایک سرخرو زندگی آپ کی منتظر ہے ماہا، آج میں اپنی بہن کی عزیز از جان دوست کو دل و جان سے قبول کرتا ہوں، اس عہد کے ساتھ کے اس کا ماضی اس کے مستقبل میں کبھی نہیں دہراؤں گا، ماہا کیا آپ کو میرا فیصلہ قبول ہے؟'' وہ کہہ کر چپ ہوا تھا اور ماہا کو اپنی قسمت پر رشک آیا کہ اسے شرمین جیسی دوست ملی، اس نے نم آنکھوں سے اثبات میں سر ہلا دیا، دروازے پر کھڑی شرمین کی آنکھیں بھی نم تھیں، اس کے لب ماہا کی خوشیوں کے لئے دعا گو تھے، اس نے قریب آ کر ماہا کو گلے لگایا تھا۔

''ماہا! تمہیں پہلے کہا تھا کہ بھائی کے پرپوز کرنے پر ہی حامی بھروگی، تو مجھے اتنے پاپڑ نہ بیلنے پڑتے۔'' اس کی بات پر ماہا اور حیات ہنس دیے تھے۔ تب ہی ماہا دھیمے سے اس کے کان کے پاس گنگنائی۔

''اے یار ن یاری تیری
مجھے زندگی سے بھی پیاری ہے۔''

......☆......


Pakistan's C
Baking So
Toothpas
DEEP CLEANING & EXTRA WHITENING FORMULA
Soda White
BAKING SODA TOOTHPASTE
TARTAR CONTROL With Fluoride Fights Plaque Fresh Mint Taste
Quality
BRUS
Pac
نت سفید چمکا چمک
facebook.com/snscares

دانیہ آفرین

افسانہ

یقین

سناٹا اور پھر انجان راستہ اس کے اوسان خطا ہو رہے تھے، وہ راستوں سے اتنی ناواقف بھی نہیں تھی کہ یہ نہ پہچان پائے کہ وہ اس وقت غلط راستے پر ہے۔

''بھائی! یہ آپ کہاں لے کے جا رہے ہیں؟'' اس نے لرزتے لبوں سے پوچھا، خوف کے



ارے وہ پوری کانپ رہی تھی۔

"یہی تو راستہ ہے۔" رکشہ ڈرائیور نے
بڑے سکون سے جواب دیا مگر میں اُس نے رکشہ
ڈرائیور کی خبیث مسکراہٹ بخوبی نوٹ کی تھی۔

فزا کے گھر سے واپس لوٹتے ہوئے اچانک
راستے میں گاڑی خراب ہو گئی تھی، کافی دیر تو اس
نے ویٹ کیا، مگر جب شیر چاچا (ڈرائیور) نے
اسے آکے یہ بتایا کہ گاڑی کا انجن خراب ہو گیا ہے
مکینک کو بلانا پڑے گا یہ سن کر اس کی پریشانی بڑھ
گئی تھی، پاپا اور دونوں بھائی ایک اہم میٹنگ میں
بزی تھے، ورنہ وہ اسے لینے آجاتے، کل صبح اس کا
ٹیسٹ بھی تھا۔ اسے تیاری کرنی تھی، جتنی جلدی
میں فزا کے گھر سے نوٹس لے کے نکلی تھی، یہاں
اتنی ہی دیر ہو رہی تھی۔

"بیٹا! آپ ایسا کریں رکشے سے گھر چلی
جائیں، میں نے مکینک کو کال کر دی ہے، اسے
آنے میں کچھ ٹائم لگے گا، آپ کب تک یہاں اس
طرح بیٹھی رہیں گی۔" شیر چاچا کو زنیرہ کی فکر
ہو رہی تھی، کیونکہ وہ پچھلے ایک گھنٹے سے گاڑی میں
بیٹھے ویٹ کر رہی تھی۔



”میں آپ کو رکشہ کرا دیتا ہوں۔“ شیر دل چاچا نے اسے تذبذب کا شکار دیکھ کر کہا۔

مجبوراً وہ رکشے میں بیٹھ گئی، کیونکہ اسے گھر پہنچنے کی جلدی تھی، مگر وہ اندر ہی اندر بہت ڈر رہی تھی، وہ اکیلی کبھی نہیں گئی تھی، کہیں بھی اور پھر اس وقت سورج غروب ہونے کے بعد مکمل اندھیرا چھا چکا تھا۔

رکشے میں سوار ہونے کے کچھ ٹائم بعد ہی اسے یہ احساس ہوا کہ یہ وہ راستہ نہیں جہاں سے شیر چاچا اسے لے کے جاتے ہیں۔ مگر اپنے وہم کو اس نے یہ سوچ کے جھٹک دیا کہ ہوسکتا ہے، یہ بھی راستہ ہو اس کے گھر کا۔

مگر جب اس نے یہ محسوس کیا کہ رکشے والا اسے بار بار مڑ مڑ کے دیکھ رہا ہے، اسے خوف نے آن گھیرا، اس نے راستے کی طرف دھیان دیا تو یہ ایک سنسان سا ویران سے والا علاقہ تھا، دور دور تک کوئی آبادی نہیں تھی۔ اس نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا اور چلتے رکشے سے چھلانگ لگا کر بھاگنا شروع ہوگئی، رکشے والا بھی اس کے تعاقب میں اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ خوف سے اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا دل حلق میں آجائے گا، وہ بھاگنا چاہ رہی تھی، مگر اس کے قدم اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے، ایسا لگ رہا تھا، وہ جتنا دور بھاگنا چاہ رہی ہے، اس درندے سے وہ اتنا ہی اس کے قریب آرہا ہے، بھاگتے ہوئے دل کی دھڑکن اس قدر تیز ہوچکی تھی کہ زنیرہ کو لگ رہا تھا، اب اس کا دل بند ہوجائے گا۔ اسے دور سے آتی ایک گاڑی کی روشنی دکھائی دی اب اس نے ہمت مجتمع کرکے ”ہیلپ ہیلپ“ چلانا شروع کردیا تھا، وہ اب گاڑی کی طرف بھاگ رہی تھی۔ گاڑی کے ڈرائیور نے بروقت بریک لگائے تھے، نہیں تو وہ گاڑی سے ٹکرا جاتی، گاڑی میں سوار دونوں آدمی گاڑی سے نکل کر تیزی سے اس کی طرف آئے تھے۔ اس کے تعاقب میں بھاگتا وہ وحشی ان دونوں آدمیوں کو دیکھ کے الٹے قدموں بھاگا تھا، ان دونوں آدمیوں کو اس شخص کے اس طرح بھاگ جانے اور زنیرہ کی حالت دیکھ کے منٹ بھی نہیں لگا صورت حال کو سمجھنے میں ”آپ ٹھیک تو ہیں؟“ ان میں سے ایک شخص اس سے مخاطب ہوا۔

”ج جی۔ آپ پلیز مجھے میرے گھر پہنچا دیں۔“ اس نے روتے ہوئے اس شخص سے ہاتھ جوڑ کے التجا کی۔

”آپ پلیز ریلیکس ہوجائیں، اب آپ بالکل safe ہیں۔“ ضیغم نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی، وہ سمجھ سکتا تھا کہ زنیرہ اس وقت کس کیفیت سے گزر رہی ہے۔ خوف سے زنیرہ کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا، وہ لمبے لمبے سانس لے رہی تھی، اس کی خوبصورت آنکھوں سے مستقل آنسو نکل رہے تھے۔

”آپ اپنا ایڈریس بتائیے، ہم آپ کو ڈراپ کردیتے ہیں“۔ اس نے زنیرہ کے زردی مائل چہرے پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر اس سے ایڈریس پوچھنے لگا۔

اس نے اٹکتے اٹکتے اپنا ایڈریس بتایا۔

زنیرہ کا ایڈریس نوٹ کرنے کے بعد اس نے ایک نظر اپنے بائیں ہاتھ پر بندھی گھڑی پر ڈالی، جیسے وہ شخص جلدی میں ہو۔

ضیغم نے بیک ڈور کا دروازہ کھولا اور زنیرہ کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گیا، دوسرا آدمی بھی جلدی سے گاڑی میں اپنے دوست کے ساتھ آگے بیٹھ گیا، زنیرہ کے بیٹھتے ہی ضیغم نے گاڑی تیزی سے زنیرہ کے گھر جانے والی روڈ پر موڑلی تھی۔

”پاپا......!“ زنیرہ احمد صاحب کے گلے لگتے

ہی ضبط کھو بیٹھی اور پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی ،گھر میں سب پہلے ہی اس کے اب تک گھر نہ پہنچنے پر پریشان تھے ،اوپر سے اس کے موبائل پر بھی کوئی رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے ان سب کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا ،اب جب وہ گھر پہنچی تھی تو اس کے اس طرح رونے پر سب ہی بوکھلا گئے تھے۔

''زینی بیٹا! بتایئے تو صحیح آخر ہوا کیا ہے؟ ''پاپا نے متفکرانہ انداز میں پوچھا۔

''ماما! آپ زینی کو اس کے روم میں لے کے جائیں،'' عزیر جو احمد صاحب کا دوسرے نمبر کا بیٹا تھا، ابھی ابھی لاؤنج میں داخل ہوا تھا ، چونکہ دروازہ اس نے ہی کھولا تھا۔ اس لیے اس کی ملاقات ضیغم خان سے ہوئی تھی، ضیغم نے اسے انتہائی مختصر انداز میں سارا قصہ گوش گزار کیا تھا، کیونکہ وہ عجلت میں تھا، عزیر جانتا تھا زنیرہ اس وقت شاک میں ہے۔اسے آرام کی ضرورت ہے اس لیے اس نے ماما کو اسے روم میں لے جانے کے لیے کہا تھا۔

احمد صاحب نے زنیرہ کو خود سے الگ کیا، اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''بیٹا! اب آپ نے نہیں رونا، اب آپ پاپا کے پاس آگئی ہو نا، اب پریشان نہیں ہونا سب ٹھیک ہو گیا ہے۔'' وہ اسے اس طرح روتے دیکھ کے بہت پریشان ہو گئے تھے۔انہوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے اپنی بیگم کو اشارہ کیا، وہ زنیرہ کو اس کے روم میں لے جائیں۔ حنا (زنیرہ کی والدہ) نے اسے پیار کیا پھر خود سے لگائے اسے اس کے کمرے میں لے گئیں۔

زنیرہ کے جاتے ہی عزیر نے پاپا کو ساری بات بتا دی جو اسے ضیغم نے بتائی تھی ،عزیز کی بات سن کے احمد صاحب نے اپنے رب کا شکر ادا کیا کہ اس نے ان کی بیٹی کو اتنے بڑے نقصان سے بچایا۔ وہ دل ہی دل میں اس فرشتہ صفت شخص کے مشکور تھے، جس نے ان کی بیٹی کی مدد کی، وہ اس نیک انسان کا شکریہ ادا کرنے چاہتے تھے۔ مگر نہ اس کا کوئی پتہ تھا نہ فون نمبر معلوم تھا، وہ اس شخص کے لیے دل سے دعا گو تھے۔

بارش کی شدت کم ہو کر ہلکی ہلکی پھوار میں تبدیل ہو چکی تھی، وہ اپنے روم کی بالکونی کی ریلنگ سے لگی کھڑی گرتی بوندوں کو دیکھ رہی تھی۔

آج اسے فزا کی برتھ ڈے پارٹی والا دن شدت سے یاد آرہا تھا۔ جب سب دوستیں فزا کے گھر جمع تھیں۔ کیک کٹنگ کے بعد، تحائف دینے کا دور چلا، پھر آپس میں خوش گپیوں میں مصروف ہو گئیں کہ اچانک سحرش نے سب سے یہ سوال پوچھ ڈالا کہ ان کا جیون ساتھی کیسا ہو؟ وہ کیا چاہتی ہیں؟ سب اپنے اپنے سپنوں کے ہیرو کی بابت بتانے لگیں، کسی نے کہا کہ اس کا ہمسفر ہینڈسم ہو اور ساتھ ہی ڈاکٹر، کسی کی خواہش تھی کہ اس کا جیون ساتھی بزنس مین ہو، کسی نے انجینئر کے خواب دیکھ رکھے تھے، سب ہی لڑکیاں اس ٹاپک میں انٹرسٹ لے رہی تھیں، جب باری زنیرہ کی آئی کہ وہ کیا چاہتی ہے کہ اس کا شریکِ سفر کیسا ہو ؟ تو زنیرہ کے جواب نے سب کو حیران کر دیا، سب اس کی خواہش پر نہیں حیران ہوئے تھے، بلکہ اس کے اتنے وثوق کے ساتھ کہنے پر کہ'' اس کی شادی کسی کرکٹر سے ہوگی ،'' ''اب اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو تم سب مجھے؟'' زنیرہ نے ان سب کو حیرانی سے اسے تکتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

''تم اتنے وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتی ہو یہ بات، تمہیں کیا کسی نجومی بابا نے بتائی ہے یہ بات؟ '' مہک نے طنزیہ کہا۔ مہک کی بات پر سب کا قہقہہ گونجا تھا۔ ''نہیں مجھے کسی نجومی نے نہیں بتایا، میرا دل کہتا ہے کہ میری شادی کسی کرکٹر سے ہوگی

، مجھے پورا یقین ہے کہ میرے اللہ نے میرا جوڑ ایک کرکٹر کے ساتھ بنایا ہے۔“

اس دن تو سب نے یہ سوچ کے کہ کرکٹ کا جنون سر چڑھ کے بول رہا ہے، اس کی بات مذاق میں اڑا دی تھی، مگر آج زنیرہ کی بات سچ ہونے جا رہی تھی، اس کا نکاح پاکستان کرکٹ ٹیم کے کرکٹر صغیم خان سے ہونے جا رہا تھا، اس بھیانک رات زنیرہ کی مدد کو فرشتہ بن کے آنے والا شخص کوئی اور نہیں کرکٹر صغیم خان تھا، اس رات وہ اپنے ساتھی کرکٹر شاز احمد کے ساتھ لاہور کی فلائٹ کے لیے ایئر پورٹ جا رہا تھا، وہاں پہنچ کر ان دونوں نے قومی کرکٹ ٹیم کو جوائن کرنا تھا، پھر ٹیم کو آسٹریلیا کے ٹور کے لیے روانہ ہونا تھا، فلائٹ میں ٹائم کم رہتا تھا، اس لیے صغیم نے شارٹ کٹ کے لیے اس روڈ پر گاڑی موڑی تھی، جہاں زنیرہ ان لوگوں کو ہیلپ کے لیے بھاگتی نظر آئی تھی، زنیرہ کو جلدی سے اس کے گھر ڈراپ کر کے اس نے ایئر پورٹ کے لیے گاڑی دوڑائی تھی، وہ دونوں عین پلین کے ٹیک آف ہونے کے ٹائم پر پہنچے تھے، پھر وہ ٹیم کے ساتھ آسٹریلیا کے ٹور پر روانہ ہو گیا، آسٹریلیا کا ٹور خاصا طویل ٹور تھا، اس کے بعد اسے میگا ایونٹ چیمپئنز ٹرافی میں شرکت کرنی تھی، پانچ ماہ کی معروفیات کے بعد وہ پاکستان واپس لوٹا تھا، اتنی معروفیت کے باوجود بھی وہ چاہ کے بھی اس ڈری سہمی لڑکی کو نہیں بھول پایا تھا، بس ایک لمحہ لگا تھا اس لڑکی نے اس کے دل میں گھر کر لیا تھا، گھر آ کر اس نے اپنی مما (سارہ خان) سے زنیرہ کی بات کی تھی، سارہ خان کے لیے اس سے بڑی خوشی کی بات کیا تھی کہ ان کا بیٹا آخر کار شادی کے لیے راضی ہو گیا تھا، وہ کافی عرصے سے شادی کے لیے اس کے پیچھے پڑی تھیں، چنانچہ وہ فوراً ہی زنیرہ کے گھر رشتہ لے گئیں۔

صغیم کا رشتہ آنے پر زنیرہ خوشی و حیرانی کی ملی جلی کیفیت سے دوچار تھی حیران وہ اس اجنبی شخص کے رشتہ بھجوانے پر تھی اور خوش اس لیے کہ وہ اجنبی شخص کوئی اور نہیں پاکستان کرکٹ ٹیم کا فاسٹ بولر صغیم خان تھا۔ اس رات وہ خوف سے اتنی حواس باختہ تھی کہ یہ بھی نہیں نوٹ کر پائی کہ اس کی مدد صغیم خان نے کی ہے عزیر بھی پریشانی میں نہیں نوٹ کر پایا تھا، خوف اور پریشانی میں انسان کچھ سوچنے سمجھنے کی کنڈیشن میں نہیں رہتا اس رات ان لوگوں کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

”زنیرہ چادر اوڑھ کے جلدی نیچے آ جاؤ قاضی صاحب نکاح کے لیے آ گئے ہیں۔“ اس کا نکاح گھر پر ہونا تھا، پھر رات میں پرل کونٹیننٹل میں رخصتی کی تقریب منعقد کی گئی تھی۔

عقب سے ابھرنے والی علیزہ کی آواز پر اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا تھا، اس نے علیزہ کو آنے کا کہہ کر گردن اٹھا کے آسمان پر چھائے سیاہ بادلوں کو دیکھا۔

”تو آج میں ایک کرکٹر کی شریک سفر بننے جا رہی ہوں، میرا یقین آج حقیقت بننے جا رہا ہے، بے شک ہم اللہ تعالیٰ سے جیسا گمان کرتے ہیں، وہ ہمیں ویسے ہی نوازتا ہے، جو بندے اللہ پر کامل یقین رکھتے ہیں، اللہ انہیں پسند فرماتا ہے، کہا جاتا ہے دعا یقین کے ساتھ نہ مانگی جائے تو اس میں بھی اثر نہیں ہوتا، میرے یقین کی بدولت آج اللہ مجھے اتنا اچھا ہم سفر نواز رہا ہے، میرا یقین ہی ہے جس کی وجہ سے آج میری سب سے بڑی خواہش پوری ہو رہی ہے۔ آج میری شادی میں شاہد آفریدی، سعید اجمل، شعیب اختر اور بھی کئی کرکٹ اسٹارز آ رہے ہیں...... آپ سب لوگ بھی آئیں گے نا میری خوشیوں میں شامل ہونے؟“

☆......☆......☆

افسانہ

رواجوں کے فیصلے

''تپتی دھوپ میں چلتا آبلہ پا مسافر مستقل چلا جاتا ہے۔ گرتا ہے پھر اٹھتا ہے، چلتا جاتا ہے۔ ایک آس ایک امید کہیں باقی ہوتی ہے۔ اندر جس سمت چل رہے ہیں، رستہ بے شک مشکل تھکا دینے والا ہے، دشوار ہے مگر آخر منزل مل ہی جائے گی، میری تو کوئی منزل نہیں ہے نہ کوئی آس وامید کہ اتنی مشکل کانٹوں بھری راہ سے گزر رہی ہوں۔ پھر بھی کیا قصور تھا میرا شاید یہ کہ......'' ایک دھماکے سے دروازہ کھلا تھا اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔ پھر بھی سوچ کا پنچھی خیالوں کی وادی سے واپس نہیں پلٹا تھا کہ سامنے کھڑی اس عورت کی آنکھوں سے نکلتے شرارے اسے ماضی سے حال میں لے آئے تھے اور ان شعلوں کی لپک خوف کی مانند اس کی آنکھوں میں اتری تھی۔

''تم ابھی تک یہاں کھڑی ہو؟ دفع ہو نکلو جلدی یہاں سے۔ باہر جو کام پڑے ہیں کسی ہوتے سوتے نے نہیں کرنے تمہارے، چلو۔'' پہلے لفظ سے آخر تک آتے آتے وہ عورت اپنی اہمیت یا اس کا مقام بتا گئی تھی۔

''میں......میں آرہی تھی وہ......''

''نہیں تمہیں کیا پڑی ہے آنے کی پہلے میں دعوت تو دوں آکر۔'' بات کاٹتے آگے بڑھ کر بازو پکڑا تھا۔

''اماں......اماں آپ ادھر ہیں۔ چلیں بابا جان بلا رہے ہیں آپ کو، میں لاتی ہوں کشمالہ کو۔'' زرین نے آگے بڑھ کر گزشتہ چند ماہ کی طرح اب بھی اسے بچایا تھا اور امینہ بیگم اسے گھورتی کمرے سے نکل گئی تھیں۔

''تھینک یو زری بی بی!''

''کشمالہ کیوں مجھے بی بی کہتی ہو، نام نہیں لیتی تو آپی کہہ لیا کرو مگر اماں سے چھپ کر اتنے مہینوں میں نہ تمہارا ڈر ختم ہوا نہ ان کا غصہ۔ مجھے تو حیرت ہوتی ہے۔ روز اسی لیول کا غصہ کر کیسے لیتی ہیں توبہ۔'' زریں کے اس طرح کہنے پر وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔

''بابا تم بھی کھل کے ہنس لیا کرو۔'' زری نے پھر ڈانٹا تھا۔

''آپ اور شاہ ویز صاحب نہ ہوتے تو میں ڈر کر اس زندگی سے تنگ آکر شاید خودکشی کر لیتی۔'' آنکھوں میں آنسو لیے وہ زری کے ہاتھ تھامے کہہ رہی تھی۔

''بہت خوب، میں تو بی بی ہوں، جس کی تم بیوی ہو وہ بھی صاحب ہیں زبردست۔''

''آپی! آپ ناراض نہ ہوں۔ کہیں سے تو سانس لینے کا روزن کھلا رہنے دیں۔ جہاں تک بیوی کی بات ہے آپ جانتی ہیں، میں جو بھی ہوں بہرحال بیوی تو نہیں ہوں ان کی۔'' وہ تڑپ اٹھی تھی زری کی ناراضی دیکھ کر۔

''پاگل ہوئی ہو تم چاہے کوئی کچھ بھی کہے یہ سچ ہے کوئی گھٹیا لفظ ایک پاک اور جائز رشتہ بدل نہیں سکتا۔ بے شک یہ رشتہ جیسے بھی حالات میں بنا ہو۔ مجھیں



ذہن میں بٹھالو یہ بات جس دن تم راضی ہو جاؤ گی خود کو سنبھال لو گی میں خود شاہ ویز سے کہہ کر تمہارا حق تمہیں دلواؤں گی۔ چاہے اس کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔"

"پلیز آپی! میری تو قسمت جیسی بھی ہے میں بدل نہیں سکتی۔ میری خاطر آپ اپنی زندگی مشکل میں نہ ڈالیں اور انہیں بھی سکون سے جینے دیں۔ اب چلیں اماں ناراض ہوں گی آپ پر۔" زری کو خاموش کرواتی وہ جلدی سے باہر نکل گئی تھی اور اس نے خون کے گھونٹ پیے تھے۔ ہر بار کی طرح آج بھی وہ اسے سمجھا نہیں سکی تھی۔

☆......☆

"شاہ ویز! تمہاری آنکھیں لال کیوں ہیں اتنی، نیند نہیں آئی کیا ٹھیک سے، طبیعت خراب ہے؟" امینہ بیگم نے خالی کرسی پر نظر ڈالتے اس سے پوچھا تھا۔

"نہیں کل سے میری آنکھ میں جلن ہے۔ ہوا میں ڈسٹ بہت تھی شاید اسی لیے ابھی ڈراپس ڈال لوں گا تو ٹھیک ہو جائے گی، اماں! آپ میرے پاس میرے برابر بیٹھیں۔" کرسی کی طرف اشارہ کرتے انہیں متوجہ کیا تھا۔

"نہیں چندا! وہ ازمیر کی جگہ ہے، اس کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ تم روز یہ مت کہا کرو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ تمہیں منع کرنے ہے۔" افسردگی سے کہتی پانی کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا کہ غم نفرت میں بدل گیا۔

"تم سے کتنی بار کہا ہے کھانے کے وقت اپنا چہرہ نہ دکھایا کرو، زہر لگتی ہو مجھے تمہاری صورت اور کھانا بھی حرام۔" وہ بپھر کر کشمالہ کی طرف بڑھیں تھیں۔ جو زری کے بلانے پر آئی تھی۔

"اماں! ابھی آپ کہہ رہی تھیں ازمیر کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا، شاید آپ بھول گئی ہیں کشمالہ آج ہمارے گھر اسی کی جگہ یا اس کے بدلے میں موجود ہے اگر اس سے محبت ہے تو اس سے نفرت کیوں؟"

"خاموش ہو جاؤ زریں۔ میں نے کہا ہے اس کی حمایت نہ کیا کرو آج آمنہ آرہی ہے۔ عامر کی شادی کا کارڈ لے کر میں شام کی تیاری دیکھتی ہوں۔" اسے جھڑکتی وہ اندر بڑھ گئی تھیں۔

"آپی! آپ پلیز اماں سے کچھ نہ کہا کریں، ویسے ہی ان کا صدمہ بہت بڑا ہے۔" زری نے شاہ ویز کی بات سن کر اسے گھورا تھا۔

"صرف ان کا صدمہ؟ ہمارا بھی بھائی تھا وہ۔ ہمیں بھی صدمہ ہے اور جس پر وہ غصہ نکالتی ہیں وہ بیوی ہے تمہاری ازمیر کو اس نے نہیں مارا اور کچھ نہیں تو اس کو یہ حق ہی دے دو کہ اپنی زبان کا استعمال کرے۔ جانتی ہوں تم نے منع کیا ہے۔" اس نے کشمالہ کو کھینچ کر اس کے سامنے کیا تھا اور بری طرح برس پڑی تھی۔

"جانتا ہوں بیوی ہے میری اور کون سے حق دیئے ہیں میں نے جو یہ دے دوں، بہت کھرا بندہ ہوں، ہر کام پورا تو حق تلفی بھی پوری۔ تم جاؤ اندر۔ اماں کے سامنے مت آیا کرو۔" زری کو سختی سے جواب دیتا اسے حکم سناتے اپنے کمرے میں گیا تھا۔

لیٹا ہی تھا کہ کوئی اندر آیا، جلن کے باعث آنکھیں بند تھیں۔ وہ سمجھا کوئی نوکر ڈراپر لایا ہوگا۔

"ادھر سائیڈ پر رکھ دو۔"

"رکھ نہیں دو یہ دوا ڈالنے کی ہے اور یہ ڈالنے آئی ہے، اگر تم حق نہیں دے رہے پھر بھی تمہیں یاد تو ہے اپنا فرض کم از کم اچھائی کی امید باقی ہے ابھی مجھے۔" کشمالہ کے ہاتھ میں بوتل تھما کر زریں باہر نکل گئی تھی۔ وہ صرف اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ جو 6 ماہ بعد بھی اسے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتی تھی۔

"میں ڈال دوں؟" دور سے اجازت چاہی تھی۔

"نہیں میں خود ڈال لوں گا، لاؤ تم الٹے ہاتھ سے کام کب سے کرنے لگی ہو" اب سیدھے ہاتھ سے بوتل آگے کی۔ آستین کے نیچے نظر آتا نشان بوتل

کے بجائے ہاتھ پکڑنے پر مجبور کر گیا تھا۔ وہ دہل کر رہ گئی تھی۔

"واٹ از دز، کیسا نشان ہے۔"

"کک...... کچھ نہیں میرا ہاتھ موم بتی سے ٹکرا گیا تھا۔" ہاتھ چھڑانے کی کوشش میں تکلیف حد سے سوا تھی۔

"نہیں یہ موم سے نہیں جلا کیا پوچھ رہا ہوں بچھ نہیں آرہا۔ کس نے کیا ہے اماں نے؟" اس کے لہجے کی سختی اور ہاتھ کی تکلیف سے آنسو چھلک پڑے تھے۔

"میں انہیں چائے دینے گئی تھی تو ان سے ڈر کر کپ گر گیا، کپ کا ٹکڑا میری کلائی پر مارا تو......" ہچکیوں کے بیچ خود پر گزری بیان کی تھی۔

"تم جاتی کیوں ہو ان کے سامنے؟ منع کیا ہے سمجھ نہیں آتی۔ آپی کو پتہ ہے؟" اس نے جھنجلا کر پوچھا تھا۔

"نہیں میں نے چھپایا ہوا تھا کوئی دوا نہیں تھی ورنہ اب تک تو ٹھیک ہو جاتا۔ اتنی چوٹ نہیں ہے۔" دوپٹے میں کلائی چھپانے کی اس کی لاشعوری کوشش شاہ ویز کے شعور کو ہلا گئی۔ اس نے مڑ کر دراز سے ٹیوب نکالا تھا۔

"ادھر دکھاؤ مجھے۔"

"نہیں میں خود لگا لوں گی۔ آپ دے دیں مجھے۔" اس کے قدم پیچھے ہٹانے پر وہ کھینچتا ہوا بیڈ تک لایا تھا۔

"ویسے ہی اتنے گناہ کر لیے ہیں میں نے۔ کچھ اپنی مرضی سے کچھ دوسروں کی فرمائش پر، تم مزید مجبور مت کرو۔" اسے بری طرح ڈانٹتے ہوئے کلائی پر ٹیوب لگا رہا تھا وہ اپنی تکلیف بھول کر اس کے غصے سے ڈر کر رو رہی تھی۔ ان آنسوؤں کو صاف کرنے کا اختیار رکھنے کے باوجود وہ ضبط کیے اس کڑے مراحل سے گزر رہا تھا اور ہمیشہ کی طرح اسے رونے دیا تھا۔

☆......☆

کشمالہ بی بی! آپ کھانا کھا لیں۔ باقی تو سب شادی سے کھا کر آئیں گے۔" ملازمہ نے کمرے میں آکر کہا تھا۔

"نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔ دوسری بات میں تمہاری بی بی نہیں ہوں۔ جانتی ہو تم میری اوقات تم سے بڑھ کر نہیں، ہاں کم ضرور ہے۔"

"مگر آپ شاہ ویز صاحب کی......"

"نہیں ہوں میں کسی کی کچھ صرف رسموں کی بھینٹ چڑھائی ایک ونی ہوں، جواز میر کے قتل کے بدلے میں ان کے حصے میں آئی ہوں۔ جاؤ۔" تلخی سے کہہ کر دروازہ بند کیا تھا کہ ماضی کا دریچہ کھل گیا۔

☆......☆

"امی! ابھی میں نہیں کھاؤں گی یہ گوشت۔ حد ہے جب دیکھو گوشت بنا ہوتا ہے۔ مجھے دال چاول کھانا ہیں۔" کالج کے یونیفارم میں اونچی پونی ٹیل میں گرمی اور غصے کی وجہ سے رنگت لال ہو رہی تھی۔

"بیٹا! اطہر کو پسند ہے اور سب گھر والوں کو بھی۔ ایک تم ہو دنیا سے الگ جسے دال کھانی ہے کل بنا دوں گی میں دال تمہیں۔" ماں نے پیار سے ڈانٹا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر میں کھانا بھی کل کھا لوں گی آج آپ سب کھائیں اور لاڈلے اطہر کو کھلائیں آخر بیٹا ہے آپ کا۔"

"ارے پاگل ہو گیا میرا بیٹا تو تم ہو میری جان، جو کھانا ہے بتا دے میں لا دوں گا۔" ابا نے اس کے گلے پر تڑپ کر کہا تھا۔

"نہیں کھانا مجھے واقعی نہیں کھانا۔"

"بیسن کی روٹی بنائی ہے میں نے۔" صحن کی دیوار پر برابر کے گھر سے اس کی اکلوتی سہیلی اور پھوپھی زاد کا چہرہ نظر آیا تھا۔

"سچ قسم سے نازیہ تم ہی کو میری پرواہ ہے۔ بس

اماں میں جارہی ہوں۔"

"ارے واہ کیا بات کردی صرف ناز یہ تمہاری ہے۔ مجھے پتا تھا آج تم کھانا نہیں کھاؤ گی، یہ لو برگر وہاں لے جاؤ دونوں کھالینا۔" اطہر کے ہاتھ سے شاپر جھپٹے وہ خوشی سے باہر نکلنے کو تھی کہ ماں کی آواز پر رکی۔

"کتنی پاگل لڑکی ہے۔ ابھی اتنا غصہ تھا اب سب ختم آپ دونوں مل کر اس کا دماغ خراب کررہے ہیں۔ ہر بات میں من مانی۔ بیٹی کو اتنا سر نہیں چڑھاتے۔" اس کی ماں نے باپ بھائی دونوں کو سنایا تھا۔

"کیوں امی! بیٹی ہونا کوئی جرم ہے کیا۔" اس نے واپس آکر جواب دیا تھا۔

"کتنی زبان چلتی ہے تمہاری کشمالہ۔ کرتی ہوں تمہارا کوئی بندوبست۔" ماں کے غصہ کرنے پر وہ اطہر کے اشارے پر باہر بھاگ گئی تھی۔

وہ اسکول کالج سب جگہ مشہور تھی اپنے حق کے لیے لڑنے والی عورتوں کے حقوق کی "علمبردار" یہ ٹائیٹل اسے اس کی ٹیچرز نے دیا تھا اور آج جس قدر بے دردی سے خود اس کے حقوق پامال ہوئے تھے، چھوٹی عمر میں بھی اس کی سوچ بہت اچھی تھی۔ اس کا وہ علم آج بھی اس کے پاس تھا مگر سیاہ اندھے رسم و رواج کی بھینٹ چڑھ کر اس کی طرح خاموش ماتم کناں تھا۔

بند ہوتی کتاب میں تتلیاں ڈال دیں
کس نے رسموں کی آگ میں لڑکیاں ڈال دیں

تھک ہار کر جلتی آنکھوں کے ساتھ وہ سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔ بیڈ پر بیٹھ کر ایک بار پھر زری کی مہربانی یاد آئی تھی۔ یہ بیڈ بھی شاہ ویز نے زری کی بدولت امینہ بیگم سے چھپ کر دیا تھا۔ کیوں کہ اب وہ اس کے کمرے میں نہیں آتی تھیں۔ آج گھر میں بڑے پیمانے پر میلاد و قرآن خوانی کا اہتمام تھا۔

ازمیر کی پہلی برسی کی وجہ سے سارے رشتہ دار موجود تھے۔ وہ بھی ایک سیپارہ لے کر کمرے کی جانب بڑھی تھی کہ ٹھٹک کر رک گئی۔

"خبردار بے حیا لڑکی، خبردار جو میرے بیٹے کے لیے سیپارہ پڑھا۔ میں نہیں بھول سکتی کہ تم اس کے قاتل کی بہن ہو، نفرت ہے مجھے تم سے۔" حقارت سے انہوں نے اسے دھتکارا تو وہ برداشت کرگئی مگر ہاتھ میں پکڑے مقدس کلام کی بے حرمتی برداشت نہ ہوئی۔

"میں اس قاتل کی بہن ہوں، قاتل نہیں میں نے نہیں مارا تھا ازمیر کو نہ میں نے......"

"بکواس بند کرو بدتمیز زبان چلاتی ہے۔" اس کا جواب برداشت نہ ہوا تھا اور لگاتار تھپڑ مارے تھے پھر بھی جنون تھما نہیں تھا کہ شاویز نے جھٹکے سے ان کی پہنچ سے دور کیا تھا۔

"پلیز اماں! بس کردیں، آئندہ اس پر کوئی ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔" زندگی میں پہلی بار غضب ناک ہو کر وہ ماں کے رویئے کے خلاف کھڑا ہوا تھا اور وہ صرف خاموش قہر برساتی نظروں سے اسے جاتا دیکھ رہی تھیں۔

"میرے کمرے میں آؤ کشمالہ۔" اس کے حکم پر وہ پیچھے گئی تھی۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ کیا چاہتی ہو۔ مت دکھاؤ کہ تم کتنی اچھی ہو منع کیا تھا ناں، سمجھ نہیں آتی، آئندہ گئی نا تم اماں کے سامنے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا، تمہارے حق میں۔" اس قدر برہمی پر صرف رو سکتی تھی اور وہی کررہی تھی کہ زری اندر آگئی۔

"ابھی کچھ کسر باقی تھی جو تم پوری کررہے ہو۔ اتنی فکر ہے تو خیال رکھا کرو صبح سے بخار ہے اسے۔ دودھ کے ساتھ ٹیبلٹ بھیج رہی ہوں۔ کمرے سے جانے مت دینا۔ سن لو تم بھی یہیں رہو۔ تمہارا کمرہ بند کردیا ہے میں نے۔" دونوں کو جتاتی وہ جاچکی تھی۔ کشمالہ

مچل کر کھڑی ہوئی تھی۔

"میں آپی سے بات کرلوں گی۔"

"نہیں مانیں گی وہ جانتا ہوں تم ریسٹ کرو۔ میں سٹڈی میں سوجاؤں گا۔" اس کی طرف بنا نظر کیے ہر نکل گیا تھا۔ رات کی تنہائی اور یہ احساس کہ وہ کسی بھی وقت اندر آسکتا ہے اسے سونے نہیں دے رہی تھی۔

☆......☆

"امی! اطہر بھائی نہیں آئے ابھی تک۔" "ہاں میرا بھی دل گھبرا رہا ہے۔ تم فون تو کرو اسے۔"

"امی! ٹرائی کیا ہے مگر بند ہے۔" اسی دم دروازہ بجا تھا اس نے بھاگ کر کھولا تھا۔

"بھائی......! کیا ہوا ہے بتائیں پلیز۔" اطہر کے گھبرائے چہرے کو دیکھ کر وہ بھی گھبرا گئی تھی۔

"امی! وہ میرا جھگڑا ہوگیا تھا کالج میں۔ میرے دوست کے پاس پسٹل تھا۔ میں صرف ڈرانا چاہتا تھا علی کو مگر بیچ میں ازمیر آگیا اسے گولی لگ گئی۔ میں بھاگ کر آگیا۔ امی پولیس آسکتی ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو پولیس؟ تم بھاگ کر کیوں آئے اسے ہسپتال لے جاتے غلطی سے ہوا نا تم سے۔" ابا نے حواس بحال کرتے پوچھا تھا۔

"نہیں ابا وہ......وہ ازمیر مرگیا ہے۔"

"اب کیا ہوگا یا اللہ! میرے مالک رحم فرما۔" ماں بہن کی حالت غیر تھی۔

"کچھ نہیں ہوگا دیکھو پولیس آتی ہے یا نہیں۔" اور شام سے رات اسی خوف میں گزری کہ کیا ہوگا۔ پولیس تو نہ آئی مگر اس دھرتی کے کرتا دھرتا جو خود کو خدا سمجھتے ہیں۔ ان کا بلاوا آگیا ازمیر کے خاندان نے کیس نہیں کیا تھا۔ پنچائیت بلائی گئی۔ رات کے اندھیرے کا فیصلہ صبح سنایا گیا تھا اور کشمالہ کی زندگی اندھیروں میں ڈبودی گئی تھی۔ ازمیر کے خاندان نے اطہر کو تو معاف کردیا، بدلے میں خون بہا نہیں بلکہ مرد کے بدلے زندہ زندگی فرسودہ نظام کی بھینٹ چڑھادی گئی تھی۔ یہ فیصلہ کشمالہ کے لیے روح فرسا خبر تھی۔

"امی! آپ نے کیوں مان لیا فیصلہ۔" اس نے ایک امید سے ماں کو دیکھا تھا۔

"ہم کچھ نہیں کرسکتے بیٹا! یہ پنچائیت کا فیصلہ ہے۔ پھر اس طرح اطہر کی زندگی بھی بچ جائے گی، ورنہ اسے سزا ہوجاتی اور میرا ایک ہی تو بیٹا ہے۔" ماں کی جگہ باپ نے جواب دیا تھا۔

"تو کیا ابا میری زندگی...... کیا میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں۔ جسے زندہ درگور کیا جارہا ہے؟"

"تو کیا ہوا تم بہن ہو میری خاطر کچھ نہیں کرسکتیں۔ ویسے بھی جان سے تو نہیں ماردیں گے ناں تمہیں۔ شادی ہوگی عورت کا تو کام ہی قربان ہونا ہے۔" وہ اطہر کے الفاظ سے گنگ رہ گئی تھی۔

"کیوں بھائی! کیا عورت انسان نہیں ہے اور شادی محبت کی بنیاد پر ہوتی ہے اور میں نفرت کی بنیاد پرونی کی جارہی ہوں مگر......"

"اچھا بس خاموش۔ کل نکاح اور رخصتی ہے تمہاری۔" ابا اور بھائی اسے جھڑکتے گھر سے باہر نکل گئے تھے۔

"امی......"

"کشمالہ بیٹا! میں مجبور ہوں کہ میں بھی ایک عورت ہوں۔ آواز اٹھاتی تو یہ مرد مجھے بھی سنگسار کردیں گے، اس لیے جو ہورہا ہے ہونے دو خاموش رہو خدا کے لیے۔" اپنی حرماں نصیبی پر نہیں ماں کی بے بسی پر رونا آیا تھا۔

"امی میں خدا کے لیے ہی خاموش ہوں۔ اسی کے سامنے ہی فریاد کروں گی کہ کم از کم ناانصافی نہیں کرنی چاہیے مرد ہو یا عورت۔"

☆......☆

"اماں! بابا آپ لوگ ظلم کررہے ہیں اس مظلوم

لڑکی کا کیا قصور ہے۔ پلیز ایسا مت کریں دیت بہا لے لیں یا معاف کردیں۔ اس طرح کرنے سے ازمیر تو واپس نہیں آئے گا؟" زری ماں باپ کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔

"جس طرح میں تڑپتی ہوں اس کی ماں تڑپے گی جب مجھے سکون آئے گا۔ فیصلہ ہو چکا ہے۔" بے دردی سے اس کے ہاتھ جھٹک دیے تھے۔

"بابا پلیز! آج ازمیر کا سوئم ہے اور شام میں، میں نکاح کرلوں کیسے کروں میں یہ سب۔" اب کی بار شاہ ویز نے ہمت کی تھی۔

"مرد ہو تم، یہی دکھانا ہے اور یہ کوئی خوشی نہیں ہے بس رواج ہے وہ لڑکی تمہاری بیوی نہیں ہوگی اس کی حیثیت کسی بھی کم تر شے سے کم ہوگی۔ تم جانتے ہو شادی تمہاری بہت دھوم دھام سے نہیں اور کریں گے اور......"

"پلیز بابا! میں نہیں کروں گا یہ گناہ ہے۔"

"یاد رکھو شاویز! اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو سمجھ لینا ماں باپ مر گئے تمہارے لیے۔" اب کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا اس کے اور زری کے پاس شام 7 بجے وہ اس لڑکی سے نکاح کر کے گھر لایا تھا۔ جس کی حالت ایسی تھی جیسے وہ ہی مجرم ہو۔ گھر میں داخل ہوتے ہی ایک تھپڑ سے اس کا استقبال ہوا تھا۔ امینہ بیگم کو سنبھالنا مشکل تھا اسی لیے زری اس کی جان بچا کر اس کے کمرے میں لے گئی تھی، جو ابھی شروعات سے ہی انجام کا اندازہ لگا سکتی تھی۔ اس دن کے بعد سے ڈر کے مارے زری سے بھی دور تھی۔

☆......☆

"مجھ سے مت ڈرو میں بھی اتنی ہی مظلوم ہوں جتنی کہ تم یوں سمجھو جب دل بھر آئے کندھا حاضر ہے۔"

"مگر آپ کیوں مجھ سے نفرت نہیں کر رہیں۔"

"کیوں کہ میرے پاس کوئی وجہ نہیں ہے تم سے نفرت کرنے کی۔ اب آرام کرو کھانا میں بھیج دوں گی۔" دروازہ بند کر باہر نکلی تھی۔

ابھی وہ سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ شاویز سرخ آنکھیں لیے اندر در آیا تھا۔ جسے دیکھ کر وہ لرز کر کھڑی ہوئی تھی۔

"میرے کمرے میں کیا کر رہی ہو تم۔" وہ حیرت زدہ تھا۔

"وہ میں نہیں آئی وہ لائی ہیں۔"

"کون؟ آپی؟"

"ج...... جی۔"

"جان سے ماردیں گی اماں میرے کمرے میں دیکھ کر، تمہارا کمرہ الگ ہے چلو۔" اس کا ہاتھ پکڑے اسے کمرے تک چھوڑ گیا تھا۔ وہ حیرت میں تھی کہ جس کی دسترس میں تھی جس سے سب سے زیادہ خطرہ تھا۔ جو چاہے کر سکتا تھا۔ اس نے کچھ نہیں کہا، مطلب ایک امید کا جگنو ٹمٹمایا تھا لیکن امینہ بیگم کہ جس قدر عتاب کا نشانہ وہ بنی تھی ہر آس امید ختم ہو گئی تھی۔ شکر تھا بابا جان زیادہ تر گاؤں میں رہتے تھے۔ ورنہ دہرا عذاب ایک ساتھ اٹھاتی، انہی سوچوں کے زیر اثر نہ جانے کب آنکھ لگ گئی تھی۔ میڈیسن کی وجہ سے یہ بھی پتہ نہ چل سکا وہ کس وقت کمرے میں آیا۔ اس نے اسے اٹھایا بھی نہیں تھا۔ اب بھی ایک انجانے احساس کے تحت آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ ڈریسنگ کے سامنے سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑا تھا ابھی وہ بیڈ سے دوپٹہ اٹھا بھی نہ سکی تھی کہ دروازہ دھماکہ سے کھلا تھا۔ امینہ بیگم اور ان کی بہن آمنہ خونخوار انداز میں اس پر چڑھی تھیں، زبان کے ساتھ ہاتھ بھی چل رہے تھے۔

"کیا کر رہی ہیں اماں؟" شاویز نے روکا تھا۔

"یہ کیا کر رہی ہے ادھر کس رشتے سے یہاں ہے۔ گھٹیا خاندان کی آوارہ لڑکی۔" ماں کو روک لیا تھا مگر خالہ کی شعلہ بیانی صرف دیکھ سکتا تھا۔ اسی دم زری آگے بڑھی تھی۔

"زبان نہیں ہے تمہارے منہ میں، بتاؤ کون ہے یہ تمہاری بولو اور آپ اماں ڈریں خدا کے خوف سے اللہ کی طرف سے بنائے جائز رشتے کو کس آزادی سے انکار کر رہی ہیں آپ۔ دیکھیں اسے آپ کی طرح عورت ہے یہ بھی آپ ہی کی طرح مظلوم جسے آپ گھٹیا کہہ رہی ہیں درحقیقت یہ معاشرے کی گھٹیا رسم کی بھینٹ چڑھی ہے۔ اماں آپ کو میرا دکھ بہت رلاتا ہے نا کہ خاندان میں کوئی میرے جوڑ کا نہیں ہے۔ اس لیے ساری زندگی میں اسی طرح گزار دوں گی میرا دکھ ہے کیوں میں آپ کی بیٹی ہوں۔ ارے یہ بھی تو کسی کی بیٹی ہے۔ خدارا بیٹی، بہن، ماں سے بڑھ کر یہ ایک عورت ہے۔ وہ ہی عورت جس کی تعظیم و تکریم ہمارے نبی ﷺ نے بہت پہلے ہی واضح کر دی تھی۔ کل کو میں بھی ونی ہو سکتی ہوں اسی کی طرح کیوں کہ میرے گھر میں بھی دو بااختیار مرد موجود ہیں۔ جو اختیار رکھتے ہیں۔ قتل خود کر کے مجھے زندہ درگور کرنے کا، کیوں عورت ہو کر عورت کی دشمن بنیں ہم ہر قدم خود کی تذلیل کرتے ہیں۔ کبھی بھیڑ بکریوں کی طرح خوب صورت بہو کی تلاش میں بیٹے کی مائیں سرگرداں باقی کیا کریں زہر کھالیں۔ کبھی ونی، کبھی قرآن سے نکاح، کبھی کاری ان رسموں کو خود ہم نے جلا بخشی ہے۔ کیا ضروری ہے اگر ونی ہمارے گھر آئی ہے تو اسے پیر کی جوتی بنایا جائے اسے عزت کی روٹی دینا بھی تو ہمارے ہاتھ میں ہے مگر نہیں عورت ہو کر عورت کی بے حرمتی ہم کرتے ہیں اور الزام مرد پر، سلام ہے اس عورت پر بھی جو پھر بھی زندہ ہے۔ اماں رحم کر دیں اس پر۔" زری بری طرح روتے صوفے پر ڈھے گئی تھی۔ اس کی باتوں کا اثر تھا جو وہ چپ چاپ باہر نکل گئی تھیں۔ کشمالہ روتے ہوئے اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"تم شاہ ویز! تم بھی سن لو، یہ اب تمہارے ساتھ رہے گی اس کے سارے حقوق اسے دو، نہیں دے سکتے تمہارے دل میں بھی کوئی رسم و رواج ہیں تو آزاد کروا سے۔"

"آپی آپ جانتی ہیں مجھے۔"

"جانتی ہوں بھی تمہارے حوالے کر رہی ہوں اسے۔ اب تم لڑو گے اس کے لیے۔" آنسو صاف کرتی اسے بہت کچھ باور کرا گئی تھی۔ دروازہ لاک کر کے وہ اس کی جانب مڑا تھا۔

"ویسے بہت سکون سے سو رہی تھیں تم میرے بیڈ پر۔"

"آپ کب آئے مجھے پتہ ہی نہیں چلا، ورنہ میں اٹھ جاتی۔"

"کیوں، کیوں اٹھ جاتیں تم نے کون سی میری خدمتیں کرنا تھیں۔ بہت بے مروت ہو میری نرمی کا فائدہ اٹھالیا۔ کبھی ایک کپ چائے کا نہیں پوچھا ایسی ہوتی ہیں بیویاں۔" ہاتھ پکڑ کر شکوہ کیا تھا۔ گرے ڈریس پینٹ گرے شرٹ میں سنجیدگی سے کہتا اسے گھبراہٹ میں ڈال گیا تھا۔

"میں اپنی حیثیت جانتی ہوں۔"

"شٹ اپ ذہن میں بٹھا لو تم میری سب کچھ ہو۔ میری انا، عزت میں بھی انہی لوگوں میں سے ہوں، جو فرسودہ رسم و رواج کو نہیں مانتے یا یوں کہہ لو۔

"دل کو کہاں قبول رواجوں کے فیصلے
دل تو محبتوں کے قبیلے کا فرد ہے"

ایک سال میں اتنی لمبی بات کی تھی وہ بھی کھلا اظہار۔ بہت مشکل تھا کشمالہ کے لیے اس کا سامنا کرنا بھی ہاتھ چھڑا کر اسٹڈی میں بند ہو گئی تھی اور پورا دن دروازہ بند رہا تھا۔

"کشمالہ! یہ چائے اماں کو دے آؤ۔"

"آپی! میں......!"

"ہاں جاؤ۔"

"کچھ نہیں کہیں گی۔" زری نے سمجھایا تھا۔

''ہاں بھئی ان کے بیٹے کو قبضے میں کر لیا تو انہیں بھی کرواب۔'' شاہ ویز کی شرارت پر جلدی سے کپ اٹھائے ان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی، انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا تھا مگر کچھ کہا نہیں تھا۔ وہ دیکھ چکی تھی کوئی پین کلر لے رہی ہیں۔

''آپ کے سر میں درد ہے مم...... مم...... میں دبا دوں؟ بہت اچھا سر دباتی ہوں۔'' ان کے جواب دینے سے ہمت بڑھی تھی اور قریب آ کر سر دبا رہی تھی کہ نہ جانے کیوں دو قطرے آنکھ سے چھلک کر ان کے ہاتھ پر گرے تھے۔ تبھی ہاتھ پکڑ کر اپنے سامنے بٹھایا تھا۔ وہ قدرے ڈر گئی تھی۔

''کیوں رو رہی ہو اب تو جیت گئی ہو، مات مجھے ہوئی ہے۔'' سپاٹ لہجے میں پوچھا تھا۔

''جیت اس کی ہوتی ہے جو کھیلے، میں تو اس کھیل کی تماشائی بھی نہیں تھی۔ پھر بھی جرمانہ مجھ پر لگا۔ میرا کیا قصور تھا جو میرے سارے خواب ایک جھٹکے میں ریزہ ریزہ کر دیئے گئے۔ جس عورت کو غیرت کے نام پر کاری کیا جاتا ہے۔ اسی کو اپنی زندگی بچانے کے لیے ونی کر دیتے ہیں تب کہاں جاتی ہے ان کی غیرت۔ آج آپ کا سر دبایا تو امی یاد آ گئیں۔'' ٹھہر ٹھہر کر بات مکمل کی تھی۔ ہاتھ ابھی تک ان کے ہاتھ میں تھا۔ آنسو رواں تھے جسے بہت نرمی سے صاف کیا تھا انہوں نے۔

''میرا بیٹا مرا تھا۔ میں بھی مجبور تھی نفرت کرنے پر مگر غلطی ہوئی کہ تم سے نفرت کی مجھے معاف......''

''پلیز، Dont do this (یہ نہ کریں)۔'' بے اختیار ان کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

''تم پڑھتی تھیں۔'' روانی سے بولی گئی انگلش چونکا گئی تھی۔

''جی تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی میں۔''

''شاہ ویز سے کہہ کر میں تمہاری پڑھائی کا انتظام کرواؤں گی۔ تم اس کے ساتھ آیا جایا کرنا۔''

''نہیں میں اکیلے جا سکتی ہوں، ابا مجھے کہتے تھے میں ان کا بیٹا ہوں۔'' آنسو پھر بہہ نکلے تھے۔

''اب پتہ چلا کیسے میرے بچوں کو قابو کیا ہے اس ہتھیار سے۔'' ان کا اشارہ آنسوؤں کی طرف تھا۔

''تم بہت محبت کرتی ہو سب سے، سراپا محبت ہو......''

''اسی لیے تو آپ کا بیٹا مجبور ہے اس سے محبت کرنے پر۔'' ان کی بات اندر آتی زری نے مکمل کی تھی۔ اشارہ اپنے پیچھے کھڑے شاہ ویز پر تھا۔

''اچھا مگر ابھی تو کشمالہ کو پڑھنا ہے چار سال پانچ سال ویٹ کرو پھر میں اس کی رخصتی کروں گی کیوں زری۔'' امینہ بیگم نے شرارت میں زری کو بھی شامل کیا تھا اور وہ شاہ ویز کے سامنے رخصتی کا سن کے نگاہ اٹھانے سے قاصر تھی۔

''یہ فاؤل ہے اماں! آپی آپ نے خود کل اس کو میرے حوالے کیا تھا۔ جتنا پڑھنا ہے بعد میں پڑھنا ابھی چلو میرے ساتھ۔'' وہ احتجاج کرتا اس کے ہاتھ تھامنے کو بڑھا تھا جو اچھل کر بیڈ کی دوسری طرف مکمل امینہ بیگم کی آڑ میں تھی۔ اس حرکت پر زری قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی۔

''دیکھ لوں گا تمہیں یاد رکھنا میرے پاس ہی آنا ہے۔'' آخر دھمکی نے اثر کیا تھا رکے آنسو رواں ہوئے تھے۔

''اف توبہ! کتنا اسٹاک ہے تمہارے پاس اور تم زیادہ مت پھیلوا اگلے ہفتے ولیمہ ہے تمہارا تاکہ ہم دنیا کو بتا سکیں کہ ہمیں یہ فرسودہ روایات نہیں قبول بھی رخصتی ہوگی۔'' زری کے ڈانٹنے پر مسکرا کر باہر گیا تھا مگر جن پیغام دیتی نظروں سے کشمالہ کو دیکھا تھا، وہ پوری جان سے کانپ گئی تھی۔

......☆......

شاہدہ علی

افسانہ

خالی ہاتھ

آیئے! آیئے! آپ آج تو میرے گھر کے دروازے ہر خاص و عام کے لیے کھلے ہوئے ہیں' آپ بھی اس موقع سے فائدہ اٹھایئے' میں آج اپنے گھر کے بڑے سے خوبصورت سے لاؤنج میں موجود ہوں اور آج جس طرح لوگ میرے گھر آرہے ہیں مجھے لگتا ہے شام تک وہ میرے اس خوبصورت سے لاؤنج کا حلیہ بگاڑ دیں گے' اس وقت میرے اردگرد صرف دو چار لوگ ہیں' باقی سب تو اِدھر اُدھر اپنی باتوں میں معروف ہیں' آج جو بھی میرے گھر آرہا ہے سیدھا میرے پاس لاؤنج میں آتا ہے' پھر دو تین منٹ میرے پاس ٹھہر کر اپنے جاننے والوں کے گروپ میں بیٹھ کر بات چیت میں معروف ہو جاتا ہے۔

ادھر دیکھیے! اس دروازے سے میرا ڈرائنگ روم نظر آرہا ہے' یہ اتنا بڑا ہے کہ عام لوگوں کے دو ڈرائنگ روم مل کر بھی اس سے چھوٹے ہی ہوں گے اس ڈرائنگ کو سجانے کے لیے قالین سے لے کر وال ہنگنگ (wall hanging) تک ہر چیز میں نے دوسرے ملکوں سے منگوائی ہے اور اس کی سجاوٹ میں نے ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ انٹیریئر ڈیزائنر سے کروائی ہے' اس پر میرا کافی روپیہ خرچ ہوا ہے لیکن کوئی نہیں۔ اس لیے کہ جو بھی میرے ڈرائنگ روم کو دیکھتا ہے چند ثانیے کے لیے کھو سا جاتا ہے اور میں پھول کر کپا ہو جاتی ہوں۔

اُف دیکھیے ذرا! میرے شوہر کے جاہل رشتہ دار جن کی اوقات چار پائیوں پر بیٹھنے کی ہے' کس طرح میرے امپورٹڈ صوفوں پر چڑھ کر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے بچوں نے کس طرح میرے مہنگے ترین ڈیکوریشن پیس اپنے کھلونے بنائے ہوئے ہیں' اب انہیں کوئی تو روکے' میں آج نہ جانے کیوں اتنی بے بسی محسوس کر رہی ہوں کہ اٹھ کر انہیں روک بھی نہیں پا رہی۔ عام دنوں میں تو میں اپنے ان رشتہ داروں کو منہ لگانا گوارہ نہیں کرتی کجا یہ کہ انہیں اپنے گھر میں گھسنے دوں لیکن آج تو یہ لوگ جی بھر کر اپنی من مانی کر رہے ہیں۔

میرے شوہر فخر گریڈ بائیس کے آفیسر ہیں۔ ان کا تعلق پنجاب کے ایک دور دراز گاؤں سے ہے۔ اپنے خاندان میں سے یہ واحد ہیں جو سول سروس میں ہیں' شادی کے بعد انہوں نے میرے اصرار پر اپنے ان رشتہ داروں بلکہ اپنے بہن بھائیوں تک سے ملنا ملانا تقریباً چھوڑ ہی دیا تھا۔ میرے شوہر کو میری اکثر باتیں ماننا پڑتی ہیں کیونکہ سول سروس میں تو وہ بے شک اپنی محنت کے بل بوتے پر آگئے تھے لیکن بعد کی بہت سی ترقیاں انہیں میری خوبصورتی انٹرپرسنل اسکلز (interpersnal skills) کی بدولت ملی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مجھ پر بہت اعتماد کرتے ہیں اور بدلے میں، میں ان کی سول سروس جاب کی ساری سہولیات بلکہ اس کے ساتھ



ساتھ ملنے والی بہت سی "خصوصی سہولیات" کو بھی خوب انجوائے کرتی ہوں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ان کی آفیشل پارٹیوں اور ڈنرز میں بھی مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے' فخر میری اس پاپولیرٹی (popularity) کو خوب انجوائے کرتے ہیں اور اپنے بہت سے پھنسے ہوئے کام آسانی سے نکلوانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

ٹھہریے! ابھی ابھی کچھ اور لوگ بھی لاؤنج میں داخل ہوئے ہیں ہاں! یہ تینوں میری بھابھیاں ہیں' میری دو بھابھیوں نے مشہور لیکن مہنگی برانڈ کے کپڑے اور جوتے پہنے ہوئے تھے' یہ دونوں ہمیشہ میری خوش لباسی اور برانڈ کانشئنس سے جیلس ہیں اس لیے میں بھی ان دونوں کو نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی اور جہاں موقع ملے ان پر ایسا وار کرتی ہوں کہ دونوں حسد کی جلن محسوس کرتی ہوں گی۔ یہ لاکھ کوشش کرلیں لیکن میری برابری نہیں کر سکتیں نہ خوبصورتی اور نہ پہننے اوڑھنے میں لیکن آج نہ جانے فخر نے میرے لیے کیسے کپڑے بنوائے ہیں' جن کی نا تو مجھے کوئی برانڈ معلوم ہو رہی ہے اور نہ ہی ان کی کوالٹی مجھے کوئی خاص پسند آ رہی ہے پھر بھی میں یہ لباس پہنے ہوئے ہوں' آج میری یہ دونوں بھابھیاں پچھلے تمام بدلے چکانے کے موڈ میں ہیں اس لیے اتنا تیار شیار ہو کر آئی ہیں' ان کے پیچھے میری تیسری بھابھی بھی ہیں جو لوگوں کے نزدیک بہت نیک فطرت اور میرے نزدیک بہت بیوقوف ہے یہ اتنی مالدار ہونے کے باوجود فخر وغرور سے کوسوں دور ہیں اور اپنے شوہر کی محنت کی کمائی کو غریبوں پر لٹاتی رہتی ہے' اب مجھے دیکھ لیں' میرے شوہر اتنی بڑی پوسٹ پر ہیں لیکن کیا مجال ہے جو میں اپنے شوہر کی کمائی کا ایک پیسہ بھی اِدھر اُدھر فضول کاموں یا لوگوں پر خرچ کروں۔ بھئی میں تو سب کچھ اپنے گھر کو بنانے' اپنے بچوں اور اپنی ذات پر خرچ کرنے پر ترجیح دیتی ہوں۔ آخر مجھے اپنے اسٹیٹس کو بھی تو برقرار رکھنا ہوتا ہے نا' رہ گئی بات غریبوں پر خرچ کرنے کی تو ایسی بات بھی نہیں ہے کہ میں ان پر بالکل خرچ نہیں کرتی' میں بھی چند غریبوں کی کفالت کرتی ہوں اور اس طرح کرتی ہوں کہ وہ احسان کے بوجھ تلے دبے رہیں اور مجھے جب بھی کسی کام کے لیے ان کی ضرورت پڑے تو یہ انکار نہ کرسکیں' یقین کیجیے گا میں نے یہ پلاننگ اس طرح کی ہوئی ہے کہ کم خرچ بالانشین والی صورت حال کے مطابق اپنے مطلوبہ نتائج حاصل کر رہی ہوں۔ ویسے میں نیکی کا چھوٹا سا کوئی بھی کام کروں تو اس کی خوب پروجیکشن کرتی ہوں تاکہ بوقت ضرورت اسے کیش کرواسکوں۔

یہ دیکھیے! پیچھے میری اکلوتی نند آ رہی ہے' اس کا فخر سے بہت پیار تھا' مت پوچھیے بہن بھائی کے اس پیار کو ختم کروانے کے لیے میں نے کیسے کیسے پاپڑ بیلے ہیں' آپ سنیں تو آپ یقین ہی نہ کریں شاید' آج کیسے آتے ہی اپنے بھائی کے گلے لگی ہے اور مجھ پر ایک نظر ڈال کر میری جیٹھانیوں اور دیورانیوں کے ساتھ جا بیٹھی ہے' اب مجھے پکا یقین ہے کہ وہ سب مل کر میری برائیاں کر رہی ہوں گی۔ میں نے ان لوگوں کو کبھی کوئی اہمیت جو نہیں دی اور دوں بھی کیوں ان کے پاس غربت اور نام نہاد عزت نفس کے علاوہ ہے بھی کیا' اب تو خیر یہ لوگ میرے مقابلے کی تیاریاں کر رہے ہیں' سنا ہے سب کے بچے اچھا خاصا پڑھ لکھ گئے ہیں اور امریکہ یورپ وغیرہ میں جا کر اب خوب کما رہے ہیں' خیر مجھے کیا؟ میں ان لوگوں کو ان کی اوقات یاد دلانا خوب جانتی ہوں یہ لوگ جتنا بھی پڑھ لکھ جائیں اور جتنا بھی کما لیں کم از کم میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اب ذرا پیچھے مڑیئے' یہ جو خاتون آ رہی ہیں نا یہ میری چھوٹی بہن ہے' اس دنیا میں ایسے ڈر ڈر کر

ندگی گزارتی ہے کہ کیا بتاؤں "ہائے کسی کا حق نہ رہ جائے' ہائے کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو جائے" ہر وقت انہی چکروں میں الجھی رہتی ہے اور کچھ نہ ہو تو پنج وقت کی نماز ضرور پڑھے گی۔ بھئی عبادت کا کیا ہے بندہ بڑھاپے میں کر لے تب ویسے بھی کوئی کام نہیں ہوتا انسان کو چلو مرنے سے پہلے وہ اللہ کو راضی کر لے لیکن یہ اور اس کا شوہر اس دنیا میں یوں رہتے ہیں جیسے ہر وقت کسی اور دنیا کی تیاری کر رہے ہوں' میرے بہنوئی کا اپنا کاروبار ہے جو خوب پھلا پھولا ہوا ہے مگر میری یہ بہن عقل سے پیدل ہے اپنے نوکروں اور ضرورت مندوں پر مہینے کے ہزاروں روپے لٹاتی ہے اور اس کا میاں ایسا پاگل ہے کہ اسے سمجھانے کے بجائے اس کا بھرپور ساتھ دیتا ہے' دونوں کو دیکھیے تو جہاں سے چیز اچھی لگی وہیں سے خرید لیں گے چاہے وہ پھٹا ہی کیوں نہ ہو اور پھر بڑے آرام سے اسے استعمال کریں گے اور اگر کوئی پوچھے تو بتا بھی دیں گے کہاں سے خریدی ہے' میری بہن جیسے کپڑے کوئی اور پہن لے خاص طور پر وہ لوگ جو مالی لحاظ سے کمتر ہوں تو بھی اسے کوئی فرق نہیں پڑتا' کچھ بولو تو آگے سے جواب دیتی ہے "آپا مارکیٹ بھری پڑی ہے اس ڈیزائن سے کوئی بھی خرید کر پہن لے کیا فرق پڑتا ہے۔" اور اس کے شوہر صاحب تو ویسے بھی درویش ہیں' بس انہی حرکتوں کی وجہ سے میری ان سے کم ہی بنتی ہے اور تو اور سارے رشتے دار ہر وقت ان کو گھیرے رہتے ہیں اور یہ بھی سب کے دکھ سکھ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں' بھئی سچی بات تو یہ ہے کہ میں ان رشتہ داروں سے فاصلہ رکھ کر ملنے کی قائل ہوں اور صرف ان رشتہ داروں کے دکھ سکھ میں شریک ہوتی ہوں جن سے کوئی فائدہ حاصل ہو سکے ورنہ غریب رشتہ داروں سے تو اللہ بچائے' کبھی بھول کر ان کی طرف مسکرا کر دیکھ بھی لو تو اپنی دس ضرورتیں بیان کرنے کھڑے ہو جائیں گے' آج کل کے تیز رفتار دور میں انسان کے اندر یہ سینس تو ہونی چاہیے کہ اسے اپنا قیمتی وقت اور انرجی کہاں استعمال کرنی ہے۔

یہ جو سامنے باوقار سی خاتون بیٹھی ہے یہ میری دوست ہیں' مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی کہ میری اور اس کی دوستی کیوں قائم ہے حالانکہ اس کے اور میرے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے' آپ کو بتاتی چلوں کہ یہاں آسمان میں ہوں' میرے مقابلے میں اس کے پاس بہت زیادہ مال و دولت بھی نہیں ہے' اس کے باوجود یہ ایسی شخصیت ہے کہ کوئی بھی اس کے پاس اپنا کوئی مسئلہ لے کر آئے یہ آخری دم تک کوشش کرے گی کہ اس مسئلہ کو حل کرے یا کروا دے' اس کے علاوہ یہ معاملات میں بھی بہت کھری ہے' یہ عبادات میں بھی کوتاہی نہیں کرتی، خاص طور پر جن کا فائدہ انسانوں کو پہنچتا ہے۔ رکیے! میں آپ کو مثال دے کر سمجھاتی ہوں' زکوٰۃ کی ادائیگی کے حوالے سے اس کا ریکارڈ ہے کہ یہ ہر سال اپنی اس جائیداد اور زیورات جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے' کا حساب کرتی ہے اور جتنی زکوٰۃ بنتی ہے ایمانداری سے ادا کرتی ہے' صرف ادا ہی نہیں کرتی بلکہ اس بات کو یقینی بنانے میں ہلکان رہتی ہے کہ اس کی زکوٰۃ اصل ضرورت مندوں تک پہنچ سکے' میں نے اس کے اس عمل کی کبھی حمایت نہیں کی' میرے پاس کم بیش ایک ڈیڑھ کروڑ کی جیولری تو ضرور ہوگی مگر میں نے کبھی اس پر زکوٰۃ نہیں دی' بھئی میں کیا کروں اتنی مہنگائی ہے اب ہر سال کون لاکھوں روپے زکوٰۃ کی مد میں خرچ کرے اس لیے میں نے آج تک کبھی زکوٰۃ نہیں دی لیکن چند ہزار روپے اس مد میں' میں ہر سال غریبوں پر خرچ کر دیتی ہوں اللہ اللہ خیر صلا۔ اب آپ ہی بتایئے اس مہنگائی میں اس سے زیادہ اور کیا کیا

جاسکتا ہے۔

آپ میری باتوں سے زیادہ بور تو نہیں ہورہے؟ اچھا چھوڑیئے' یہ جو سرمئی بالوں والے ڈریشنگ سے شخص آرہے ہیں' ذرا مڑ کے انہیں دیکھیے۔ دیکھا آپ بھی ان کی پرسنالٹی (persnality) سے متاثر ہوگئے ہیں نا' یہ میرے شوہر کے سابق باس تھے' آج کل تو یہ صاحب ریٹائرڈ ہیں' میرے شوہر کی ایک بہت اہم پروموشن رکی ہوئی تھی جو میں نے ان صاحب کو شیشے میں اتار کر کروائی تھی' یہ صاحب تو مجھ پر لٹو ہی ہوگئے تھے لیکن میں اتنی آسانی سے قابو میں آنے والی چیز نہیں ہوں' میں نے ان سے آسانی سے اپنا کام نکلوایا اور ان کو ایسا گھمایا کہ آج تک میرے پیچھے ہیں' آپ تھوڑا سا سائیڈ پر ہوجایئے وہ میری طرف ہی آرہے ہیں' ارے' یہ کیا؟ آج یہ بھی مجھ پر ایک نظر ڈال کر لوگوں میں جا بیٹھے ہیں حالانکہ آج سے پہلے جہاں کہیں ان سے ملاقات ہوتی تھی یہ بہانے بہانے سے میرے ارد گرد ہی منڈلاتے رہتے تھے۔

اوہ تو دیکھیے ذرا! میری دونوں کل وقتی ملازماؤں کو کچن میں کیسے کھسر پھسر کررہی ہیں' ضرور کھانے پینے والی چیزیں ادھر ادھر کررہی ہوں گی۔ ان کو تو ویسے بھی اللہ موقع دے' ان کم ظرف لوگوں کو سیدھا رکھنا مجھے خوب آتا ہے' میں ہر روز ان لوگوں کے لیے اسپیشل دال سبزی پکواتی ہوں حالانکہ میرے گھر میں ایک وقت میں دو سے تین ڈشیں تو گوشت کی ضرور بنتی ہیں مگر میں بچا ہوا گوشت انہیں دینے کے بجائے ڈسٹ بن میں ڈالنے کو ترجیح دیتی ہوں' ان کی زبانوں کو اگر گوشت کا ذائقہ لگ گیا تو کیسے پورا کروں گی' میں نے تو ان کے برتن تک الگ رکھے ہوئے ہیں' میں نے ان کو رہنے کے لیے سرونٹ کوارٹر دیا ہوا ہے' تین وقت کا کھانا دیتی ہوں اور عید تہوار پر اپنا ادھ استعمال شدہ جوڑا (آپ سے کیا پردہ میرے پاس ہر سیزن کے اتنے زیادہ کپڑے ہوتے ہیں ہر جوڑے کی باری کم ہی آتی ہے) بھی دے دیتی ہو' اب اور ان کو کتنی سہولتیں دوں' یہ دونوں کر کیا رہی ہیں؟ آپ ذرا اس طرف ہٹیے مجھے ذرا ان کی کارروائی دیکھنے دیں۔ اُف دیکھیے فریج میں رکھے کباب ٹھنڈے ہی کھائے جارہی ہیں۔ اُف میں آج اتنی بے بس کیوں ہوں؟ دل چاہ رہا ہے ابھی اٹھوں اور ان دونوں کی چوٹیاں پکڑ کر انہیں ان کی نانی یاد دلا دوں' پر نہ جانے آج کا یہ دن کیسا ہے اور میں یہ سب کیوں برداشت کررہی ہوں۔

چلیے جانے دیجیے' فخر کے ساتھ یہ جو دو جوان آگے پیچھے چلے آرہے ہیں نا یہ میرے بیٹے ہیں' میرے راج دلارے ہیں' ان میں سے جو فخر کے دائیں طرف ہے اس کا نام شاہ زیب اور جو بائیں جانب کھڑا ہے اس کا نام شاہ میر ہے۔ دونوں باپ سے زیادہ میرے قریب ہیں اور ہو بہو میرے ہی پر تو ہیں خوبصورتی میں بھی اور عادتوں میں بھی' یہ بھی میری طرح دوسروں کو کم ہی کسی گنتی میں لاتے ہیں اور کیوں نا ہو؟ میں نے ان دونوں کی پرورش اس طرح کی ہے کہ ان کے اندر اپنی کلاس کے حوالے سے احساس برتری کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے' یہ دونوں میری آنکھ کے اشارے پر چلتے ہیں مگر آج نا جانے کیوں میرے شہزادوں کے چہرے اترے ہوئے ہیں اور یہ ہمارا گھر برباد کرتے لوگوں کو منع کیوں نہیں کررہے' حالانکہ آج سے پہلے یہ مجھ سے بڑھ کر لوگوں کو ان کی اوقات یاد دلاتے تھے' میں آپ کو بتاؤں میں نے زندگی میں جو چاہا ہمیشہ وہی کیا ہے بلکہ مزے کی بات یہ ہے کہ میں نے جو چاہا وہی ہوا۔ میں نے دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی بھی زحمت نہیں کی اور اپنا حق میں نے کبھی چھوڑا نہیں چاہے وہ مجھے چھین کر ہی کیوں نہ لینا پڑے' کسی کی مجال نہیں

کہ میرے سامنے دم مارے، میں جس چیز یا شخص کی طرف اشارہ کروں وہ یوں میرے قدموں میں آجاتا ہے جیسے مقناطیس لوہے کی طرف کھنچا ہوا آتا ہے۔ لوگ مجھ پر رشک کرتے ہیں کہ میں ایک خوش قسمت اور کامیاب ترین عورت ہوں۔

ارے! یہ مجھے کیسا دھکا سا لگا ہے اور یہ کیسی آواز آرہی ہے۔ "کلمہ شہادت" اور اس کے ساتھ ہی میری چارپائی کچھ لوگوں نے اٹھالی ہے۔ ہائے ایسا تو لوگ مردوں کے ساتھ کرتے ہیں جب انہیں دفنانے کے لئے لے جاتے ہیں۔ یہ میرے ساتھ ایسا کیوں کررہے ہیں؟ یہ مجھے کہاں لے جارہے ہیں؟ میں..... میں کیسے مرسکتی ہوں؟ میں جو ہر مہینے ہزاروں روپے اپنی فزیکل مینٹیننس (Physical Mantenance) پر خرچ کرتی ہوں میں کیسے مرسکتی ہوں، میں اپنا یہ بھرا پرا گھر چھوڑ کر کیسے قبرستان چلی جاؤں، ارے یہ لوگ تو آگے ہی آگے بڑھتے جارہے ہیں، انہیں کوئی روکے تو، میں اٹھ بھی نہیں پارہی، فخر اور اپنے بیٹوں کو میں کتنی ہی آوازیں دے چکی ہوں لیکن آج کوئی بھی میری بات نہیں سن رہا، مجھے ان سب سے کتنی محبت ہے میں ان کے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی، اُف اللہ میں کیا کروں میرے تو پاؤں بھی ننگے ہیں میں جو پانچ چھ ہزار سے کم جوتا لینا اپنی شان کے خلاف سمجھتی تھی اب ننگے پاؤں کیسے چلی جاؤں؟ اور میرے بازو، ناک، گلا، کان سب خالی ہیں، میں کیسے کروڑوں کا زیور یہیں چھوڑ جاؤں؟ میں کیا کروں؟ ارے کوئی تو روکو انہیں یہ تو مجھے گھر کے گیٹ سے باہر لے آئے ہیں۔ میرے بیڈروم کی سیف میں پڑے وہ لاکھوں روپے جن سے میں نے دوبئی سے شاپنگ کرنی تھی اور میرے گھر کی ہر چیز حتیٰ کہ میرے لان کے پودے تک اتنے قیمتی ہیں میں یہ سب کچھ چھوڑ کر کیسے چلی جاؤں؟

دیکھیے! اب تو یہ مجھے جنازہ گاہ میں لے آئے ہیں۔ یہ سب لوگ پتہ نہیں کیا پڑھ رہے ہیں مجھے تو اپنی پریشانی میں کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا، بات سنیے! پلیز آپ ہی انہیں روکنے کی کوشش کریں نا، اُف انہوں نے دوبارہ میری چارپائی اٹھالی ہے، یہ مجھے کہاں لے جارہے ہیں۔ مجھے تو آج سارے راستے اجنبی سے لگ رہے ہیں۔ اوہ! اب ان سب کا رُخ قبرستان کی طرف ہے۔ یہ...... یہ...... شاید مجھے دفن کرنے لے جارہے ہیں، شاید نہیں بلکہ یقیناً یہ سب اُدھر ہی جارہے ہیں، ارے کوئی تو روک لے انہیں یہ سب قبرستان میں داخل ہوگئے ہیں۔ ہائے! ہائے! میرے پروردگار! میرا شوہر اور بیٹے مجھے اپنے ہاتھوں سے قبر میں اُتار رہے ہیں، انہیں یہ خیال کیوں نہیں آرہا کہ میں مٹی کو دور سے دیکھ لوں تو ڈسٹ الرجی کا شکار ہوجاتی ہوں میں مٹی میں کیسے رہوں گی؟ حد ہے کوئی میری بات کیوں نہیں سن رہا ہے، میں نے تو اپنے بیڈروم کے قیمتی اور نرم قالین پر لیٹنا یا بیٹھنا تو درکنار بھی ننگے پاؤں چلنا پسند نہیں کیا تو اب میں بوری کی اس چٹائی پر کیسے لیٹوں گی؟ فخر اور میرے دونوں بیٹوں کے چہرے آنسوؤں سے تر ہیں پھر بھی وہ مجھے یہاں چھوڑ کر جارہے ہیں۔

میں جو ہمیشہ دوسروں پر حکومت کرتی رہی ہوں میں کیسے مرسکتی ہوں؟ میں عام بھوکے ننگے انسانوں کی طرح کیسے مرسکتی ہوں؟ میں کس طرح مان لوں کہ مرنے کے بعد میری اوقات بھی ان انسانوں جیسی ہے جنہیں میں نے کبھی کیڑے مکوڑوں سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ مجھے افسوس تو اس بات کا ہے کہ مجھے میری ساری دولت، شوہر، بچے اور بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات بھی مرنے سے نہیں بچا سکے۔ ہائے! مجھے کوئی تو بتائے کہ میرے پاس تو دنیا کی ہر نعمت تھی پھر اب میں خالی ہاتھ کیوں ہوں؟؟

......☆......

ثناء ناز

افسانہ

کرب کے دور باقی ہیں



''ماں کل بھی روتی تھی جب بیٹا روٹی نہیں کھاتا تھا۔''

''پری سنبھالو خود کو کیوں بچوں کی طرح رو رو کر خود کو ہلکان کر رہی ہو۔'' شان پری کے آنسو اپنی مضبوط انگلیوں کے پوروں میں جذب کرتا ہوا بولا۔

''کیسی باتیں کرتے ہیں آپ، کیسے سنبھالوں خود کو، میرے بچے نے صبح سے ایک نوالہ نہیں کھایا ہے اور اب بھی بھوکے پیٹ سو گیا ہے۔'' پری کل باقاعدہ ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

''پری! ڈاکٹر نے کہا ہے اس عمر میں بچے اکثر ضد کرنے لگ جاتے ہیں تم فکر مت کرو اب رونا بند کرو اور چپ کر کے سو جاؤ اللہ نے چاہا تو روشان جلد ٹھیک ہو جائے گا انشاءاللہ۔'' پری کو سمجھاتے ہوئے شان لحاف اوڑھ کر لیٹ گئے پر نیند کی ملکہ تو جیسے پری کی آنکھوں سے روٹھ کر دور کہیں پہاڑوں پر جا بسی تھی۔

وہ دل ہی دل میں اپنے اکلوتے بیٹے روشان حیدر کی صحت و تندرستی کے لیے دعا گو تھی۔ رات کروٹیں بدلتے ہوئے گزری تھی اگلی صبح وہ معمول سے ذرا پہلے بیدار ہو گئی۔ تہجد کی نماز ادا کرنے کے بعد پری ایک بار پھر اپنے اکلوتے لختِ جگر دعا مانگنے لی۔

☆......☆

''پری! کچھ تو کھا لو کل سے بھوکی پھر رہی ہو۔'' شان نے پریشان ہو کر اسے ڈپٹتے ہوئے کہا۔

''نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔ آپ کھانا کھا لیں میں روشان کے ساتھ ناشتہ کر لوں گی۔'' شان کے فکر مند لہجے پر وہ اچانک چونکی تھی۔

''اچھا بھئی مرضی تمہاری ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ویسے بھی تم کسی کی سنتی کہاں ہو۔'' شان خفا ہو کر آفس جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ پر پری اپنی ضد پر قائم رہی۔

☆......☆

''بی بی جی! روشان بابو اٹھ گیا ہے، میں نے انہیں ناشتہ کروا دیا ہے۔ آپ کے لیے بھی لگا دوں۔''

وہ کھڑکی کے اس پار لان میں چہچہاتی ہوئی چڑیوں کا نظارہ کرنے میں مصروف تھی۔ زبیدہ کی آواز سن کر پری کو لگا جیسے کسی نے اس کے بے جان ہوتے وجود میں اچانک جان ڈال دی ہو۔

''یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' وہ دل ہی دل میں اپنے پروردگار سے مخاطب ہوئی۔

''بی بی جی! ناشتہ لگا دوں؟'' اسے سوچ کے گہرے سمندر میں ڈوبا دیکھ کر زبیدہ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولی۔

''میں روشان کے پاس جا رہی ہوں تم میرا ناشتہ وہیں لے آنا۔'' زبیدہ کو تاکید کرتی وہ تقریباً بھاگتی ہوئی کمرے میں پہنچی جہاں اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک دل کا سکون تین سالہ روشان اپنے رنگ برنگے کھلونوں سے کھیلنے میں مگن تھا۔

''ماما......ماما......'' پری کو اپنی طرف آتا دیکھ کر روشان تیزی سے اس کی جانب لپکا۔

''میرا بچہ۔'' وہ روشان کو گود میں اٹھا کر وارفتگی سے اس کا ماتھا چومنے لگی۔ ممتا کے مارے جانے کتنے آنسو اس کے گالوں پر لڑھک پڑے۔

☆......☆

''اماں! آج بھی روتی ہے جب بیٹا روٹی نہیں دیتا ہے۔''

''کیا کہرام مچا رکھا ہے تم لوگوں نے صبح کا تھکا ہارا رات کو گھر اس لیے لوٹتا ہوں کہ دو گھڑی سکون سے گزار سکوں۔ پر تم لوگوں کے جھگڑے ہیں کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔'' روشان چائے کا کپ میز پر پٹختے ہوئے غصے سے چلانے لگا۔

''مجھے کیا سناتے ہو اپنی ماں سے پوچھو۔ مجال ہے جو کسی کام میں میرا ہاتھ بٹا دے، سارا دن یا تو فارغ بیٹھ کر چارپائیاں توڑتی رہتی ہے یا پھر اس پوٹلی کو سینے سے لگا کر خدا جانے کون سا کلمہ پڑھتی رہتی

ہے۔ گھر کے ساتھ ساتھ دو بچوں کی بھی ذمہ داری ہے مجھ اکیلی جان پر، پانچ منٹ روٹی دینے میں دیر کیا ہوئی بڑھیا نے تو آسمان سر پر اٹھا لیا۔'' نور بغیر کسی توقف کے ایک ہی سانس میں زہریلے لفظوں کے تیر چلانے لگی۔

''ماں کیا ہو جاتا جو دو منٹ صبر کر لیتیں، پہاڑ ٹوٹ جاتا یا قیامت آجاتی گھر کم، مجھے تو یہ عذاب خانہ زیادہ دکھائی دیتا ہے۔'' روشان نے مغلظات اگلتے ہوئے کہا۔

''پتر میں تو کہہ رہی تھی میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔''

''بس ماں چپ کر جا۔'' پری کی بات کاٹتے ہوئے وہ میز کو ٹھوکر مار کر غصے سے باہر نکل گیا۔

''پڑ گئی ٹھنڈک دل کو نہ میں پوچھتی ہوں مل گئی راحت پانچ منٹ چپ بیٹھی رہتی کم سے کم یہ ہنگامہ تو نہ ہوتا۔ دیکھ بڑھیا ابھی بھی سمجھا رہی ہوں، مجھ سے مقابلہ کرنا چھوڑ دے نہیں تو وہ حال کروں گی کہ زندگی بھر یاد رکھو گی۔'' نور جھٹکتی ہوئی کچن میں گھس گئی۔

بیٹے اور بہو کے اس قدر درشت رویے پر نہ چاہتے ہوئے بھی پری گل کی کمزور بوڑھی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے، رونے کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ وہ دھندلی آنکھوں کو صاف کرتی ہوئی پوٹلی سینے سے لگا کر خود سے باتیں کرنے لگیں۔ آج کی رات پھر بھوک اس کا مقدر ٹھہری تھی۔

☆......☆

''روشان! میری جان کھانا تو کھا لو۔'' پری کب سے روٹھے ہوئے روشان کو منانے میں مصروف تھی۔ جو مسلسل ایک ہی ضد پر اڑا ہوا تھا۔

''نہیں کھانا مجھے کھانا، مجھے نیا گھر چاہیے بالکل ویسا عالیشان گھر جیسا سعد اور غنا (دوستوں) کے پاس ہے۔'' مجھے نہیں رہنا اس بوسیدہ اور تھرڈ کلاس مکان میں۔'' اس کی آنکھوں سے دو ننھے منے موتی چھلک پڑے۔ بیٹے کی خواہش تھی جھٹ سے اپنے زیورات اور کچھ نقدی جو برے وقتوں کے لیے سنبھال رکھی تھی نکال لائی۔

''پری! یہ کیا پاگل پن ہے تمہارا بے وجہ کا لاڈ پیار روشان کو کس حد تک بگاڑ سکتا ہے۔ کچھ اندازہ بھی ہے تمہیں، ان معمولی زیورات کو بیچ کر گھر بنانا تو درکنار ہم ایک پلاٹ ہی خرید لیں تو بڑی بات ہے۔'' شان اس کی انتہائی احمقانہ سوچ پر جز بز ہوا تھا۔

''فکر مند کریں بس اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ وہ کوئی نہ کوئی وسیلہ ضرور بنا دے گا۔ میں جاب کر لوں گی۔'' پری نے چٹکی میں مسئلہ سلجھاتے ہوئے کہا۔

''کیا کہا...... تم...... اب تم جاب کرو گی۔'' اپنی لاڈوں میں پلی نازک مزاج سی بیوی کا یہ فیصلہ شان کو قطعاً نہیں بھایا تھا۔

''جی میں جاب کروں گی اسی بہانے لاکر میں مقید ایم فل کی ڈگری کو بھی ہوا لگ جائے گی اور آپ کے کندھے پر زیادہ بوجھ بھی نہیں پڑے گا۔ اب پلیز نہ مت کیجیے گا۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔ نئے گھر کی تعمیر کے بعد فوراً ریزائن کر دوں گی۔'' وہ پر امید نگاہوں سے شان کا چہرہ تکنے لگی۔

☆......☆

بالآخر گل اور شان کی انتھک محنت رنگ لائی، یہ ان کی لگن تھی کہ ٹھیک ایک سال بعد وہ نشاط کالونی چھوڑ کر ماڈل ٹاؤن آ بسے۔ نیا عالیشان بنگلہ پا کر روشان پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اس کی خواہش پوری ہو چکی تھی۔ پر حالات نے بازی یوں پلٹی کہ پری چاہنے کے باوجود بھی اپنا وعدہ ایفا نہ کر پائی۔

☆......☆

برسات کی اس حسین شام پری گل شان کی محبتیں سمیٹنے میں مصروف تھی۔ دو دن بعد ان کی ویڈنگ اینی ورسری جو تھی، شاپنگ مال میں شان کے سنگ چلتی پری کسی طلسم کے زیر اثر تھی۔ دونوں ایک دوسرے

کے لیے اپنی اپنی پسند کی شاپنگ کرنے میں محو تھے کہ اچانک فضا میں ایک زوردار دھماکے کی آواز ابھری۔ لوگ اپنے بچاؤ کی خاطر ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ اسی افراتفری کے عالم میں پری کا تھر تھر کانپتا ہاتھ شان کے آہنی مضبوط ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وقفے وقفے کے بعد دو مزید دھماکوں کی آوازیں ابھریں اور پھر مکمل طور سکوت چھا گیا۔ آگ، دھواں، چیخ و پکار، خون میں لت پت لوگ۔ اس سے آگے وہ کچھ دیکھ ہی نہ پائی۔

ہوش آنے پر معلوم ہوا کہ اس کا شریک حیات، اس کا شریک سفر زندگی کے کٹھور سفر میں اسے تنہا چھوڑ کر اپنی آخری آرام گاہ میں جا بسا تھا۔ شان کے بنا جینے کی سکت تو نہ تھی پر اسے جینا تھا اپنے اکلوتے لخت جگر کے لیے شان کی آخری نشانی اپنے بیٹے روشان کے لیے۔

عدت پوری کرنے کے بعد ایک بار پھر اس نے کالج جوائن کرلیا۔

"دیکھو روشان ایک بات میں تم کو صاف صاف کہے دیتی ہوں۔ اس مہینے کے آخر تک یا تو مجھے نیا مکان خرید دو یا اس بڑھیا کو یہاں سے چلتا کرو، تنگ آگئی ہوں میں تمہاری ماں کے طعنے سن سن کے، پہلے تو اپنے شوہر کو کھا گئی اب نہ جانے کس کا انتظار کر رہی ہے۔ میں نہیں چاہتی اس منحوس عورت کا سایہ میرے بچوں پر پڑے۔" اور روشان کو اپنا آخری فیصلہ سناتے ہوئے تنفر سے بولی۔

"زبان سنبھال کر بات کرو ماں ہیں وہ میری۔" روشان کے اندر کا ضمیر انگڑائی لے کر جاگا تھا۔

"یہ مت بھولو اس گھر کی بنیادوں میں ان کے خون پسینے کی کمائی شامل ہے۔"

"مسٹر روشان علی! میں کچھ نہیں بھولی لیکن لگتا ہے تمہاری یادداشت کہیں کھو گئی ہے، تمہیں یاد ہو تو یہ گھر اور باقی کی تمام جائیداد تمہاری ماں اپنی دلی رضا مندی سے میرے نام منتقل کروا چکی ہیں، سو قانونی طور پر تمہارا یا تمہاری ماں کا اس گھر پر کوئی حق نہیں ہے اگر میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو بھلائی اسی میں ہے۔ اپنی ماں کو دو دن کے اندر اندر یہاں سے رفع دفع کرو۔ ورنہ مجھے شکل دکھانے کی زحمت مت کرنا۔" شدید طیش کے عالم میں کہتی اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆......☆

نور روشان کی کلاس فیلو تھی غیر معمولی شکل و صورت کی حامل وہ بولڈ سی لڑکی پہلے دن ہی اس کے دل میں آن بسی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی ملاقات پہلے دوستی اور پھر محبت میں بدلتی گئی۔ نور کے والدین نے اس شرط پر رشتے کے لیے رضا مندی ظاہر کی تھی کہ پہلے وہ اپنی ساری پراپرٹی ان کی بیٹی کے نام منتقل کروائے۔ محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے ضد کر کے گھر زبردستی نور کے نام کروا دیا اور پھر شادی کے بعد وہ ایک ایک کر کے سارے حق ماں سے چھینتا چلا گیا۔

بیٹے اور بہو کے درمیان ہونے والی گفتگو پری کی جان نکال دینے کے لیے کافی تھی۔

"اس عمر میں، میں کہاں جاؤں گی، میرا بچہ میرا لعل میرا سہارا ہے پوری دنیا مجھ سے رخ پھیر سکتی ہے۔ پر میرا روشان مجھے تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے اس کے لیے اپنوں سے منہ موڑے رکھا۔ ہر رشتہ ہر ناتا توڑ کے صرف اور صرف اسی کو وقت دیا، اسے اچھی زندگی دینے کی خاطر دن رات محنت کی لوگوں کی باتیں سنی۔ اس کی صحت کی خاطر راتیں جاگ جاگ کے دعائیں مانگیں۔ وہ...... وہ مجھے بے آسرا نہیں کر سکتا، وہ مجھے تنہا......" آواز حلق میں اٹک گئی۔ پری ٹوٹے ہوئے لہجے میں اپنی ہمت بندھانے لگی۔

☆......☆

"بھائی! بھائی روشان کی طبیعت نہیں ٹھیک صبح

سے دم سادھے مدہوش پڑا ہے۔ میرے دل کو بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے، آپ فوراً کسی اچھے ڈاکٹر کو لے کر آئیں۔" زمانے بھر کا مقابلہ کرنے والی وہ مضبوط عورت ماں کے روپ میں آج ایک بار پھر بچوں کی طرح بلک بلک کے رو رہی تھی۔

"پری! میری گڑیا رونا بند کرو۔ تم بالکل پاگل ہو۔ معمولی سا ٹمپریچر ہے خود پہ اتنا حاوی کرو گی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔ دن رات تم روشان کے سرہانے بیٹھی رہتی ہو۔ ایسا کرو کچھ دیر آرام کر لو میں ہوں ناں سب سنبھال لوں گا۔" اس نازک سے موقع پر ایک احسان بھائی تو تھے جو پری کی ایک پکار پر دوڑے چلے آتے تھے۔ ان کا ساتھ ہمیشہ پری کی ڈھارس بندھائے رکھتا تھا۔ بہن کی سرخی مائل آنکھیں دیکھ کر وہ کافی پریشان ہوئے تھے۔

"میری زندگی کا مقصد ہے میرا بیٹا میرے زندہ ہونے کی وجہ ہے یہ اس پر معمولی آنچ بھی آئے مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔ اس کے لیے اپنا لائف اسٹائل بدلا خود پیسہ کمایا، تاکہ میرا بیٹا اچھے اسکول میں پڑھ سکے۔ اس کے پاس ہر وہ آسائش ہو جو اس کی عمر کے باقی بچوں کے پاس ہوتی ہے۔ اس کے لبوں سے نکلی ہوئی ہر خواہش کو پورا کیا تاکہ اسے کبھی باپ کی کمی محسوس نہ ہو، کہیں میرا بچہ احساسِ کمتری کا شکار نہ ہو جائے۔ میں نے ماں نہیں باپ بن کر بھی پالا ہے اسے، میرا سب کچھ ہے میرا روشان اس کے بغیر تو میں کچھ بھی نہیں ہوں بھائی، کچھ بھی نہیں۔" پری روشان کے چہرے کا طواف کرتے ہوئے نم لہجے میں گویا ہوئی۔

☆......☆

"روشان! میرے بھائی کی حالت بہت خراب ہے۔ ذرا فرصت ملے تو مجھے کچھ روز کے لیے بھائی صاحب کے ہاں چھوڑ آؤ بیٹا۔" پری بوجھل آواز میں التجا کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

روشان جو اس ویک اینڈ پر بیوی کو میکے لے جانے کا پروگرام بنائے بیٹھا تھا ماں کی درخواست پر بری طرح جزبز ہوا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے امی! آپ کو یہ جانتے ہوئے بھی کہ نور کی طبیعت ناساز ہے، کام کاج تو دور کی بات اس سے ہلا تک نہیں جا رہا اور آپ کے من میں بہو کا خیال رکھنے کے بجائے گھومنے پھرنے اور سیر سپاٹوں کے شوق اٹھ رہے ہیں۔ ویسے بھی آپ کو تو عادت ہے رائی کا پہاڑ بنانے کی۔ آپ کے وہاں جانے سے کون سا ماموں کی صحت پر اثر پڑ جانا ہے؟ کون سا انہوں نے اٹھ کے بیٹھ جانا ہے کہ میری بہن آئی ہے اب میں ٹھیک ہوں۔ سو پلیز مجھے بھی سکون سے رہنے دیں اور انہیں بھی پریشان مت کریں۔ آج کل ممانی بھی اکیلی ہیں آپ کیوں ان پر بوجھ بننا چاہ رہی ہیں۔ میں کافی نہیں ہوں یہ بوجھ جھیلنے کے لیے جو آپ سب کو گھیرے میں لینے لگی ہیں۔" وہ نخوت سے بولا تھا۔ پری گل روشان کا چہرہ تکنے لگیں جسے وہ اس اجنبی بے حس شخص میں اپنا بیٹا اپنا سہارا تلاشنا چاہتی ہو۔

☆......☆

"میں نے کہا تھا ناں تم سے مجھے میرے بھائی سے ملوا دو تم نے میری ایک نہیں سنی، اب بتاؤ میں کیسے ملوں اس سے کیسے بات کروں اس سے، میرا ویر مجھے تنہا چھوڑ کر دنیا سے ہی چلا گیا۔" بھائی کی موت کی خبر سننے کے بعد پری کی حالت غیر ہوتی چلی گئی۔ وہ روتے ہوئے روشان سے شکوہ کرنے لگیں۔

"حد کرتی ہیں امی! آپ بھی انہیں جانا تھا وہ چلے گئے آپ سے بات کر کے وہ کون سا دنیا میں تاقیامت ٹھہر جاتے، آپ بھی کمال کرتی ہیں اب نہیں ہیں وہ تو رونے دھونے سے بہتر ہے ان کی مغفرت کے لیے دعا کریں اور پلیز یہ رونا دھونا مچا کر گھر کے ماحول میں مزید نحوست مت پھیلائیں۔" روشان نادم ہونے

کے بجائے الٹا ماں کو باتیں سناتا چلا گیا۔

☆......☆

”امی! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ، آپ تو جانتی ہیں میری آنکھوں نے بچپن سے شان کے خواب دیکھے ہیں۔ میرے دل نے صرف انہیں چاہا ہے۔ میری زندگی پر میرے دل پر اگر کسی کا حق تھا تو وہ صرف شان تھے۔ ان کے بعد کسی اور مرد کو میں اپنی زندگی میں شامل کر سکتی ہوں نہ دل میں جگہ دے سکتی ہوں۔“ وہ گلوگیر لہجے میں بولی تھی۔

”پری! جذباتی ہو کر نہیں دل سے سوچو بیٹا، ہم تمہارے ماں باپ ہیں تمہارا کبھی برا نہیں چاہیں گے۔ یہ جو دنیا ہے ناں بیٹا بڑی ہی ظالم ہے۔ یہ سفاک درندے تنہا عورت ذات کا جینا حرام کر دیتے ہیں۔ میجر صاحب آرمی سے ریٹائرڈ ہیں۔ بیٹا سلجھے ہوئے ایماندار شخص ہیں۔ پرانے وقتوں میں وطن سے عشق تھا اس لیے شادی نہیں کی۔ ہمیشہ اپنی محبت کو اولین درجہ دیا۔ دنیا کی ہر آسائش میسر ہے انہیں ضد چھوڑ دو بیٹا، ایسے رشتے بار بار نہیں ملتے۔ انہیں ساتھ مل جائے گا اور تمہیں سہارا، بھائی تمہارے لندن سیٹل ہو رہے ہیں اور پھر ہمارا کیا آج مرے کل دوسرا دن۔“ سکینہ بیگم (امی) اسے ایک طویل لیکچر دیتے ہوئے سمجھانے لگیں۔

”امی! میں تنہا نہیں ہوں میرے پاس سہارا ہے جسے دیکھ کر روز مجھے جینے کی ایک نئی وجہ ملتی ہے جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک میرے دل کی راحت ہے۔ میں تنہا نہیں ہوں میرا بچہ میرے ساتھ ہے اور روشان کے ہوتے ہوئے مجھے کسی کے ساتھ کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا ساتھ نبھائے نہ نبھائے میرا بچہ میرا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گا۔“ کس قدر یقین تھا اس کے پختہ لہجے میں۔

”امی! آپ فکر مت کریں اللہ ہے ناں میرا سہارا، ہر لمحہ ساتھ نبھانے والا، ہر پل ہمت بندھانے والا امی بندوں کا ساتھ تو عارضی ہوتا ہے۔ مستقل ساتھ تو بس اللہ کا ساتھ ہے۔ اس نے مجھے آج تک کمزور پڑنے نہیں دیا۔ مجھے یقین ہے وہ آگے بھی میرا ساتھ ضرور نبھائے گا۔“ پری نے نم آواز میں کہا تو سکینہ بیگم کو چپ ہونا پڑا۔

اپنی مرضی پری پر تھوپ کر وہ اسے مزید کسی ذہنی آزمائش سے دوچار کرنا نہیں چاہتی تھیں۔

☆......☆

”کہا تھا ناں دو دن کے اندر اندر اپنی ماں کا بندوبست کر لو، ساری ساری رات بڑھیا کی کھانس کے نیند حرام کر دیتی ہے۔“ نور کا لہجہ تکبر و تحقیر میں ڈوبا ہوا تھا۔

”تم فکر مت کرو، میں نے ایدھی سینٹر والوں سے بات کی ہے۔ وہ آتے ہوں گے ماں کو لینے کے لیے۔“ اپنے ضمیر کا گلا گھونٹ کر روشان آہستگی سے بولا تھا پر اس کی آواز دروازے کے اس پار بیٹھی ماں کے کانوں میں بخوبی سنائی دی تھی۔ بے یقینی کا بے درد ہتھوڑا تھا جو سیدھا پری کے سر پر لگا تھا۔ دل کے درد نے اچانک شدت اختیار کی۔ وہ ایک سرد آہ بھر کے ڈھے گئیں۔ بیٹے کی خاطر دنیا سے مقابلہ کرنے والی ماں، دنیا کی خاطر ماں کو بے گھر کرنے والا بیٹا، ذہن میں سب گڈمڈ ہو رہا تھا۔ اسے لگا اب دل مزید نہیں دھڑکے گا۔ اسے صرف لگا نہیں دل واقعی ہی دھڑکنا بھول چکا تھا۔ بے جان ہوتے ہاتھوں سے پوٹلی لڑھک کر قدموں میں آ گری۔ روشان کی جنت روشان کی ماں اسے بھری دنیا میں تنہا چھوڑ کر جا چکی تھیں۔ اس کی صحت و تندرستی کے لیے دعا کرنے والے ہاتھ اب منوں مٹی تلے دبے تھے۔ اپنی ماں کو زندہ درگور کرنے سے پہلے روشان یہ بھول گیا تھا کہ ہر عمل کا مکافاتِ عمل ضرور ہوتا ہے۔

☆......☆

آفس کے کام نمٹا کر وہ معمول سے ذرا پہلے گھر

لوٹ آیا۔ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر موجود نور کو کسی غیر مرد سے باتیں کرتا دیکھ کر روشان اچانک ٹھٹھک گیا۔ اس کی آمد سے بے خبر نور اس اجنبی کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر جانے کون سے حسین خواب بننے میں مگن تھی۔ روشان کے چہرے پر کئی رنگ ایک ساتھ آ کر ٹھہر گئے۔ ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ چکے تھے۔ برسوں کی سوئی ہوئی غیرت اچانک بھڑک اٹھی تھی۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہو اڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ اس کا خیال تھا یوں رنگے ہاتھوں پکڑا جانے پر نور شرم سے پانی پانی ہو جائے گی مگر اس کا خیال صرف خیال ثابت ہوا کیوں کہ شرمندگی تو دور کی بات نور کا سکون ہنوز برقرار تھا۔

بعض اوقات انسان غصے کے ہاتھوں مجبور ہو کر انتہائی غلط قدم اٹھا لیتا ہے۔ غصہ جب حد سے بڑھ جائے تو انسان کی عقل پر حاوی ہو جاتا ہے۔ پھر ہمیں سوچنے سمجھنے کا کوئی موقع کہاں دیتا ہے۔ جب ہی تو اسلام میں غصے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

''میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔'' اس وقت انتہائی طیش کے عالم میں کہے گئے الفاظ روشان کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی ثابت ہوئے۔

''ٹھہرو۔'' روشان جو تین حرف کہنے کے بعد واپس جانے کے لیے پلٹا تھا۔ نور کی زوردار آواز سن کر ایک پل کے لیے رک گیا۔

''جو شخص اپنی سگی ماں کا نہ ہو سکا وہ میرا کیا ہو گا۔ یہ پکڑو اپنی ماں کی آخری نشانی اور دوبارہ کبھی اس طرف بھولے سے بھی قدم مت دھرنا۔'' وہ پوٹلی شان کی طرف اچھالتے ہوئے بولی۔

☆......☆

سخت طوفانی شام تھی۔ درختوں کے پتے لڑھکتے ہوئے اس کے چہرے کا طواف کرنے لگے۔ سائیں سائیں کرتی زوردار ہوا ماحول کی کیفیت مزید سوگوار بنا رہی تھی۔ نیلے ابر کالے بادلوں کی آڑ میں چھپے بیٹھے تھے۔ سامنے فٹ پاتھ پر درخت کے نیچے بھکاری خالی کشکول تھامے اداس بیٹھا تھا۔ اسی درخت کی شاخ پر جھولتی گم صم سی چڑیا اپنے بچوں کو طوفانی بارش سے محفوظ رکھنے کے لیے ہلکان ہو رہی تھی۔ روشان خالی نگاہوں سے بھکاری کو تکتا رہا۔ دونوں خالی ہاتھ تھے۔ دونوں کے پاس رہنے کو آشیانہ نہ تھا۔ دونوں کا سکون کہیں کھو چکا تھا۔ دونوں کی نیندیں روٹھی ہوئی تھیں۔ اس کے برعکس شاخ پہ چہچہاتی چڑیا روشان کو ہر لحاظ سے مکمل اور پرسکون دکھائی دے رہی تھی۔

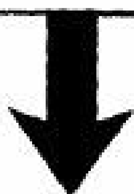
ماں کی یاد آنے پر وہ پوٹلی پر لگی گرہیں بے تابی سے کھولنے لگا۔ اندر اس کی تصویریں پڑی تھیں۔ یہی ماں کی کل کائنات تھی جسے وہ ہر دم سینے سے لگائے رکھتی تھی۔ پلکوں کی باڑ میں چھپے آنسو ایک تواتر کے ساتھ بہتے چلے گئے۔

''ماں......'' انتہائی اضطراب کی کیفیت میں اس نے زیر لب پکارا تھا۔

''ماں! ایک بار بس ایک بار لوٹ آؤ۔ مجھے اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر لینے دو۔ مجھے اپنی خدمت کرنے کا موقع تو دو ماں میں وعدہ کرتا ہوں اب بھی تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا۔ ہمیشہ تجھے سینے سے لگا کر رکھوں گا۔ ماں اب لوٹ......'' آنسوؤں نے شدت پکڑی تھی۔

اے ماں مجھے نیند نہیں آتی
مجھے اپنی آغوشِ شفقت دے دو
میرے ماتھے پر لب محبت رکھ دو
مجھے میٹھی لوری سنا کر
میرے سارے غم مٹا کر
اپنے سینے کی ٹھنڈک میں چھپا لو
اے ماں

بارش کا سلسلہ زور و شور سے جاری تھا۔ ندامت اور پچھتاوے کے آنسو بہاتا ہوا وہ گھبرو شیر جوان کوئی جوگی لگ رہا تھا۔



ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں

السلام علیکم!

صوبہ پنجاب کے ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں۔ ادارہ ماہنامہ ''رداڈائجسٹ'' نے ٹوبہ ٹیک سنگھ کے نیوز ایجنٹ حاجی محمد یاسین طاہر کو صوبہ پنجاب بالخصوص فیصل آباد وگردونواح کے شہروں میں ماہنامہ ''رداڈائجسٹ'' کی ترسیل (سپلائی کے لیے) سول ڈسٹری بیوٹر نامزد کیا ہے۔

ان شہروں کے ایجنٹ حضرات محمد یاسین طاہر سے اس موبائل نمبر 0321-7531597 پر رابطہ کریں۔

چیف ایڈیٹر صالحہ محمود

صالحہ محمود

افسانہ

حاصلِ سفر



"میں نے زندگی کو سترہ سال کی عمر سے فیز کیا ہے۔ میں آج بھی ہار نہیں مانوں گی۔" ماحول بہت سوگوار تھا۔ اس کے ابو کی آوازیں اس کے کانوں میں برابر آرہی تھیں۔

"یہ آج کا دن بھی نہیں نکال سکے گی تمہاری ماں، تم فضول کوشش کررہے ہو۔" اس کے ابو کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"نہیں شہزاد چلو اٹھاؤ امی کو ہاسپٹل لے کر چلتے ہیں۔" اس کے پاؤں میں عزم سفر کی گری تھی۔

"ابو کا کیا سترہ سال بعد ایک دوسری عورت کے ساتھ عیاشی کرکے گھر لوٹے ہیں۔ ہماری ماں نے ہی تو ہمیں اتنا بڑا کیا ہے۔ آج میں جو کچھ ہوں انہی کی بدولت ہوں۔ خوش حال گھرانے سے ان کا تعلق ہے وہ بھی تو ہمیں چھوڑ کر جاسکتی تھیں۔" ذہن میں ایک ہلچل مچی تھی۔ اس کی ماں شوگر کی مریض تھیں۔ ایک ٹانگ اتنی متاثر تھی کہ ڈاکٹروں نے ناامیدی ظاہر کردی وہ بھاگ دوڑ کررہی تھی۔ ڈاکٹروں نے صاف جواب دے دیا تھا کہ اس کی ماں کی ٹانگ کاٹ دی جائے گی۔ وہ پھر ایک بار اشکبار ہوگئی۔ گھبرا کر اس نے خالہ وغیرہ کو بتا دیا تھا۔ اخراجات کے لیے بھاری رقم درکار تھی۔

"ڈھائی لاکھ ایک بڑی رقم ہے۔" آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ تبھی چھوٹی بہن نائیلہ کا فون آیا تھا۔

"خالہ کہہ رہی ہیں ہماری کمیٹی نکلی ہے اس کے پیسے تو دے دو۔ تم لوگوں کو ضرورت ہوگی۔ کہیں استعمال نہ کرلو آمنہ باجی سے پوچھ لینا۔" یہ سن کر مہوش تڑپ کررہ گئی تھی۔ پھر امی نے کہا۔

"شائلہ سے کہو کہ وہ کمیٹی (بی سی) کے پیسے دے دے۔" بھائی کو دیکھ کر وہ گھبرا کر اٹھی اس کی امی کی فائنل رپورٹ آگئی تھی۔ ٹانگ تو لازمی کٹنی تھی اوپر سے ڈھائی لاکھ۔

"چلو آؤ ڈاکٹر سے پوچھتے ہیں کہ پھر کتنے دن امی زندہ رہیں گی۔"

"صرف چھ ماہ۔" ڈاکٹر کے انکشاف پر دونوں بہن بھائی نے ایک دوسرے کو بہت مایوسی سے دیکھا تھا۔

"چلو اٹھاؤ مہوش امی کو، ان کو گھر ہی لے چلتے ہیں۔ ڈاکٹروں کی ہدایت پر پائیوڈین سے زخم کی صفائی کرنی ہے تاکہ زخم ہڈی تک نہ پہنچے۔" پھر وہ امی کو گھر لے آئے۔ وہ اپنی امی کا پیر نیم گرم پانی میں ڈبو کر رکھ دیتی تھی۔ پھر پیر نکال کر سارا پس اور گندگی صاف کرکے پھر پٹیوں کی تہہ بنا کر پائیوڈین سے بھگو کر امی کے پیر کے زخموں پر رکھتی روئی ہرگز استعمال نہ کرتی کہ کہیں زخموں پر روئی چپک نہ جائے۔ اس کے ساتھ اس کی چاروں بہنیں بھی معاون ہوتی تھیں۔ سرکاری اسپتالوں میں تو کوئی ڈریسنگ کرنے والا بھی نہیں ہوتا دو سے تین بار ڈریسنگ کی جاتی تھی۔ مختلف ڈاکٹروں کی مختلف رائے تھی۔ کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ۔ لیکن انہوں نے ڈریسنگ کا عمل جاری رکھا۔ ہر طرف سے مشکلات آتی رہیں مگر اللہ ان کے ساتھ تھا۔ خالائیں بڑی بڑی گاڑیوں میں آتیں۔ موسموں کے مزے لیتیں۔ پکوڑے، سموسے اور پاپڑ کھاتیں۔ اسی بہانے کہ وہ بہن کو دیکھنے آئی ہیں۔ بڑے لوگوں کی تفریح کا سب سے اہم ذریعہ غریب رشتے داروں کے گھر جہاں ہر وقت جاؤ اور خوب مزے لے کر بیسن کی روٹی، چٹنی، پکوڑے، پاپ کارن اور پاپڑ کھالو جو امیر ترین لوگ اپنے گھروں میں کبھی نہیں کھاتے مگر دوسروں کے گھروں میں واہ واہ کرکے کھاتے ہیں یہ وقت گزاری کا ایک اہم حصہ ہے۔ ایسی تفریح کسی ہوٹل میں میسر نہیں ہوتی۔ کتنا اچھا لگتا

ہے جب کوئی ٹرے میں لا کر بھاپ نکالتی چائے اور پکوڑے رکھ دے۔ پی سی اور شیرٹن میں بھی اتنی کو ئیک سروس نہیں ملتی اور اخلاقی طور پر بھی فریضہ پورا ہو جاتا ہے۔ دل مطمئن کہ ہم اپنی بہن کو دیکھ آئے۔ زندگی رواں دواں تھی۔ اللہ نے گہرے زخموں میں پھر سے نیا گوشت پیدا کر دیا۔ بیٹیوں کی تیمارداری سے چھ ماہ کیا تین سال گزر گئے اور آج بھی ان کی امی ان کے ساتھ ہیں۔ ان کی امی جو کہ بیڈ پر تھیں روزمرہ زندگی کا عمل ہر لمحہ جو بیڈ پر گزرتا تھا۔ اللہ کی شان کہ وہ اٹھ کر اب کچن تک چلی جاتیں ہیں۔ اپنی بیٹیوں کے ساتھ ہر عمل ہر سوچ میں شامل ہوتی ہیں۔ ابا کی بے حسی نے جو سترہ سال پہلے خود مختاری چھین لی تھی وہ اللہ نے پھر عطا کر دی۔ اب وہ خود بے بس اور مجبور لوگوں کو سبزیاں بنا کر بھیجتیں ہیں۔ اس کی ماں کے سگھڑ پن کا ایک خوب صورت عمل وساری سبزیاں جو مہوش آج بھی اتوار بازار سے بھائی کے ساتھ جا کر بائیک پر اٹھا کر لاتی ہے۔ اس کی ماں کاٹ کاٹ کر ہر سبزی کو تھیلیوں میں ڈال کر فریج میں رکھ دیتی ہیں۔ پھر ہر کام اتنا آسان ہو جاتا ہے کہ روزانہ ایک کٹی ہوئی سبزی تیار ملتی ہے روز روز گندگی اور خراب ہونے کا خدشہ نہیں رہتا۔ محنت اور جدوجہد رنگ لاتی ہے۔ زندگی سے دکھ اور ملال سب دور ہوتا ہے۔ جب انسان مشکل ترین حالات میں ہمت نہ ہارے۔ مہوش اس عمل کا ایک حصہ ہے۔ اس کے بھائی کا خدا پر یقین اور حالات سے مقابلہ کرنے کے جذبہ نے ان کی ماں کی زندگی صحت کے ساتھ لوٹا دی۔

خواہشوں اور آرزوؤں کا انسانی زندگی میں جدوجہد کا عنصر اگر غالب رہے تو شکست ہو ہی نہیں سکتی۔

☆

قمر وش شیخ

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 17

تیرے پیار کی خوشبو

آسیہ نے عارفین اور حرا کو زمیل کے دروازے پر کھڑے دیکھا تو حیران ہوئے بنا نہ رہ سکی تھیں۔
''خیریت تم دونوں یہاں اس طرح کیوں کھڑے ہوئے ہو؟''



''پہلے آپ بتائیں آپ کہاں جارہی ہیں؟'' حرا نے آسیہ کے ہاتھ میں سوپ دیکھا تھا۔
''میں زرمیل کو سوپ پلانے جارہی ہوں اس کے بعد دوائی بھی دینی ہے۔''
''تو پھر تو بڑی امی آپ یہ زحمت مت کریں۔'' عارفین کے چہرے پر بڑی شریر مسکراہٹ تھی جو آسیہ سمجھیں نہیں تھیں۔
''وہ کیوں؟''
''وہ اس لیے کہ اندر یہ کام آپ کی بہو صاحبہ انجام دے رہی ہیں۔''
''کون ژالے؟'' ان کی کیفیت حیرت اور خوشی سے ملی جلی تھی۔
''جی ہاں ژالے۔''
''ارے یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔'' ان کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی ایک سکون سا ان کے چہرے پر



تھا۔
"تم......!" زرمیل نے آہٹ پر آنکھوں سے بازو ہٹایا تھا وہاں ژالے کو کھڑے دیکھا تو اندر باہر ایک لاوا سا بہنے لگا تھا۔
"تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میرے بیڈروم میں آنے کی وہ بھی میرے سامنے نکل جاؤ یہاں سے دور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔" زرمیل پوری طاقت سے دہاڑا تھا اور اس کی دہاڑ اور غصے پر ژالے پوری جان سے کپکپا کے رہ گئی تھی' دل اندر سے پوری طرح سہم کر رہ گیا تھا ہاتھوں کی کپکپاہٹ کی وجہ سے ہاتھ سے ٹرے کارپٹ پر گر گئی سوپ کارپٹ پر پھیل گیا تھا۔
سبز آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگی تھیں ڈر و خوف میں پوری طرح گھری ڈبڈبائی آنکھوں سے زرمیل کو دیکھ رہی تھی مگر اسے اس وقت ہمت سے کام لینا تھا زرمیل کو کسی بھی صورت منانا تھا۔
"وہ......وہ......میں......میں......آ......آپ کے......"
"شٹ اپ جسٹ شٹ اپ۔ ایک لفظ بھی مزید کہا تو تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔ نہ تو مجھے تمہاری آواز سننے کا شوق ہے اور نہ ہی تمہاری شکل دیکھنے کی آرزو ہے اور اس سے پہلے کہ میں غصے میں کچھ کر دوں فوراً میرے کمرے سے دفع ہو جاؤ۔" وہ پھر زور سے چیخا تھا۔
باہر کھڑی آسیہ سب سن رہی تھیں ان سے مزید رہا نہیں گیا تھا اس لیے وہ اندر جانے لگی تھیں کہ عارفین راستے میں حائل ہو گیا آسیہ نے سوالیہ نظروں سے عارفین کو دیکھا تھا۔
"مت جائیں آپ زرمیل بہت غصے میں ہے اسے ژالے پر غصہ ہے اور اچھی بات ہے کہ وہ اپنا سارا غصہ نکال دے دل کی جتنی بھی بھڑاس ہے وہ نکل جائے یہی ٹھیک ہے۔"
"وہ سب تو ٹھیک ہے عارفین! مگر ژالے ناراض ہو جائے گی پھر نہیں آئے گی وہ یہاں زرمیل کو سمجھنا ہوگا۔" انہیں ژالے کی فکر ہو گئی تھی۔
"نہیں بڑی ماں اس بار ژالے ناراض نہیں ہو گی' کیونکہ اس بار وہ غلطی پر ہے اس کو زرمیل کے جارحانہ غصے کا سامنا کرنا پڑے گا وہ سب سننا پڑے گا جو زرمیل کہے گا۔" عارفین نے آسیہ کو سمجھایا تھا جس سے حرا بھی راضی تھی۔
"زر......میل......آ......آپ......پلیز......میری بات تو سن لیں میں......"
"کوئی بات نہیں سننی مجھے تمہاری جو کہنا سننا تھا وہ ہو گیا اب سب کچھ ختم ہو گیا ہمارے بیچ یہ نام نہاد رشتہ ہے یہ تو میں کبھی نہیں توڑوں گا مگر اب زندگی بھر تمہاری شکل بھی نہیں دیکھوں گا چلی جاؤ یہاں سے مجھے تمہاری شکل تمہارے وجود سے نفرت ہو رہی ہے اور اس سے پہلے کہ میں تمہیں دھکے دے کر یہاں سے نکال دوں تم خود چلی جاؤ یہاں سے۔" زرمیل بمشکل ہلا تو سینے میں جھٹکے کی وجہ سے بہت زور کا درد اٹھا تھا کہ دوبارہ اسے لیٹنا پڑا تھا۔
"ژالے چلی جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔" کس قدر نفرت تھی اس کے لب و لہجے میں وہ اندر سے ٹوٹتی چلی گئی تھی۔
یہ تو طے تھا کہ وہ اسے معاف نہیں کرے گا' اس کی تکلیف اس کی ہی وجہ سے بڑھنے لگی تھی زرمیل کی سرمئی آنکھوں سے نکلتے ہوئے شعلوں نے اسے جھلسا کے رکھ دیا تھا وہ ریزہ ریزہ ہو گئی تھی منہ پر ہاتھ رکھے وہ اپنی سسکیوں کو دباتی تیزی سے کمرے میں بھاگ گئی تھی۔
"ژالے......!" حرا نے دکھ سے اسے پکارا تھا۔

ژالے نے اوپر نظر اٹھا کے دیکھا ان نظروں میں جانے کیا تھا کہ حرا کو اپنی نظریں جھکانی پڑیں تھیں وہ پھر رکی نہیں تھی تیزی سے بغیر کسی کو دیکھے اوپر کی سمت بھاگتی چلی گئی تھی۔

''بس ہو گئی تم دونوں کی تسلی اگر میں اندر چلی جاتی تو اس وقت یہ نوعیت نہ ہوتی۔'' آسیہ نے غصے سے عارفین اور حرا کو دیکھا تھا وہ دونوں اپنی جگہ شرمندہ ہو گئے تھے شاید آسیہ ٹھیک بول رہی تھیں انہیں ژالے کی حالت پر ترس آنے لگا تھا۔

''کتنی مشکل سے وہ مانی ہو گی نیچے آنے کو تیار ہوئی ہے ژالے نے بھی تو دو سال اتنی تکلیفیں اتنی اذیتیں برداشت کی ہیں وہ ہم بھلا کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں بہت افسوس کی بات ہے زرمیل کو اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا میں اب چپ نہیں رہوں گی۔'' آسیہ نے حرا کو ٹرے تھمائی اور زرمیل کے کمرے کے اندر داخل ہوئی تھیں۔

''زرمیل......!'' انہوں نے غصے میں پکارا تھا۔

''جی ممی!'' زرمیل نے آسیہ کو غصے میں دیکھا تو سمجھ نہیں سکا وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ باہر کھڑی اس کی ساری باتیں سن چکی ہیں۔

''زرمیل تم نے اچھا نہیں کیا اس طرح کرتے ہیں اپنی بیوی کے ساتھ سچ زرمیل تم نے مجھے بہت شرمندہ کیا ہے۔'' زرمیل نے ایک سرد سانس کھینچی تھی۔

''ممی! مجھے معاف کر دیجیے گا مگر میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔''

''کیوں...... کیوں نہیں کرنا چاہتے۔ ہم کسی غیر کی نہیں ژالے کی تمہاری بیوی کے بارے میں بات کر رہے ہیں زرمیل۔''

''اونہہ بیوی......'' کس قدر نفرت اور حقارت تھی اس کے انداز میں اس کے لب و لہجے میں کہ آسیہ دنگ رہ گئی تھیں، زرمیل کی سوچ ژالے کے لیے اتنی کڑوی اور زہریلی ہو سکتی ہے ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا مگر یہ غلط تھا۔

''ہاں وہی بیوی جو پھر سے تخلیق کے عمل سے گزر رہی ہے۔'' آسیہ نے اس پر گہرا طنز کیا تھا جیسے کسی اونچی جگہ سے پستیوں پر پٹخا ہو۔

ژالے ماں بننے والی ہے اس خبر پر خوش ہوں یا اپنی بے بسی پر سوگ مناؤں قدرت نے یہ تحفہ دیا بھی تو کب جب اسے اس شے کی آرزو تھی نہ تمنا حالات نے جو رخ بدلا تھا وہ ابھی تک اس میں ہی الجھا ہوا تھا پھر یہ نئی خبر۔

''زرمیل! ژالے دوسری بار ماں بننے والی ہے پہلی بار تو تم نہیں تھے اور دوسری بار ہو بھی تو اس بے چاری کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو۔'' آسیہ کی سختی نرمی میں نہیں بدلی تھی انہیں زرمیل کی حرکت بالکل بھی پسند نہیں آئی تھی۔

''بے چاری......'' وہ استہزائیہ ہنسی ہنسا تھا۔

''ممی! آپ کی اس بے چاری کی بدولت آج آپ کا بیٹا یہاں بستر پر پٹیوں میں جکڑا پڑا ہے اس کا آپ کو کوئی احساس نہیں ہے۔'' کتنے دکھ سے اس نے آسیہ کو دیکھا تھا اور یہی دکھ آسیہ کے ہزار ٹکڑے کر گیا تھا۔

''احساس ہے بیٹا! کیوں نہیں ہے مگر میری جان ژالے سے جو کچھ بھی ہوا وہ انجانے میں ہوا ہے اس نے اس وقت جو سمجھا وہ کیا ہم اسے ژالے کی نادانی بھی گردان سکتے ہیں۔''

''سوری ممی! آپ کو جو ماننا ہے سمجھنا ہے آپ کریں مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں مگر اب میرے دل میں

میرے بیڈروم میں آپ کی بہو کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔'' بدگمانی اور بے حسی کی زرمیل آخری سرحدوں پر تھا کہ آسیہ اس کی بے حسی اور بدگمانی شاکڈ ہو کر دیکھتی رہ گئیں تھیں۔

''اتنے بدگمان ہو تم ژالے سے؟''

''پلیز ممی! میرے سینے میں بہت شدید تکلیف ہو رہی ہے میں سونا چاہتا ہوں۔'' وہ اس ٹاپک پر کوئی بات ہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

آسیہ نے بھی فی الحال زیادہ زور دینا بہتر نہیں سمجھا اور کسی اور وقت کے لیے سمجھانے کا سوچ کر واپس مڑ گئیں تھیں۔

''ممی!......'' زرمیل نے ہولے سے پکارا تھا آسیہ واپس پلٹی تھیں ان کے دل میں ہلکی سی خوش فہمی نے گھر کرلیا تھا۔

''ہاں بولو زرمیل!''

''پلیز آپ ذرا یہ کارپٹ صاف کرادیجیے آپ کی بے وقوف بہو سارا یہیں گرا کے چلی گئی ہے۔'' زرمیل نے ان کی خوش فہمی پر پانی پھیر دیا تھا۔

''آل رائٹ بلکہ تم یوں کرو دوسرے بیڈروم میں کچھ دنوں کے لیے شفٹ ہو جاؤ میں تمہارے بیڈروم کا فرنیچر، کلر اسکیم، کرٹن، کارپٹ سب چینج کروادوں گی میں عارفین سے کہہ دیتی ہوں وہ تمہیں اٹھانے میں مدد کردیں گے۔'' لب ولہجہ بالکل روکھا پھیکا سا تھا زرمیل نے نوٹ تو کیا مگر کچھ نہیں کہا صرف خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھتا رہا وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں کا دل دکھا ہے مگر وہ مجبور تھا اپنے دل کے ہاتھوں وہ اس بار بالکل پتھر بن گیا تھا۔

''اوکے جیسا آپ بہتر سمجھیں۔'' بس اتنا کہہ کر وہ آنکھیں موند گیا تھا آسیہ نے دکھ بھری نظروں سے اپنے جگر گوشے کو دیکھا تھا اور پھر وہ رکی نہیں باہر نکل گئی تھیں۔

سرمئی کانچ پر وہ روتا پرمژدہ عکس ابھرا تھا زرمیل نے جھٹ سے آنکھیں وا کی تھیں۔

''تمہیں ژالے میں تمہیں معاف نہیں کروں گا شاید کبھی نہیں۔''

خود سے بولتا ہوا وہ ایک بار پھر آنکھیں موند گیا تھا مگر اس چہرے سے پھر بھی پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا۔

ژالے منہ پر ہاتھ رکھے بلکتی ہوئی اپنے بیڈروم میں جابند ہوئی تھی۔

نجمہ جو کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کرنے جا رہی تھیں ژالے کو اس طرح روتے بلکتے بھاگتے ہوئے دیکھا تو اپنا سارا کام چھوڑ کے اپنے دل پر ہاتھ رکھے اس کے روم میں آئی تھیں۔

ژالے اپنے بیڈ پر بیٹھی چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے بلک بلک کر ہچکیوں سے زاروقطار رو رہی تھی، نجمہ کا دل بیٹی کے اس طرح بلکنے پر پھٹ ہی تو پڑا تھا وہ تیزی سے اس کے پاس بیٹھی تھیں۔

''ژالے! میری بچی میری جان کیا ہوا کیوں اس طرح سے رو رہی ہو؟'' انہوں نے ژالے کے دونوں ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹائے تھے۔

''ماما............!''

ماں کی پرنور شفقت ان کی نرم وگرم آغوش پا کر وہ ان کے سینے سے لگی مزید بکھرتی چلی گئی تھی اس کی ہچکیوں میں مزید روانی آ گئی تھی۔

''ژالے! کیوں اس طرح رو رہی ہو میری جان کیوں میری جان نکالو گی بتاؤ مجھے کیا ہوا ہے؟ کسی نے کچھ کہا

ہے بتاؤ ژالے ورنہ میرا دل تمہارے غم پر پھٹ جائے گا۔''
نجمہ نے زبردستی اسے خود سے الگ کیا تھا اور اس کا بھیگا چہرہ اپنے دوپٹے سے خشک کیا تھا۔
اندر آتے ارشد کے قدم وہیں ٹھٹھک گئے تھے۔
''ماما! زرمیل نے مجھے اپنے بیڈروم سے بے عزت کر کے نکال دیا ہے۔'' وہ ایک بار پھر بری طرح رو دی تھی'
نہ نے کچھ نہیں کہا اپنے ڈوبتے دل کو سنبھالا اور خاموشی سے ژالے کو دیکھا تھا یہ تو ہونا ہی تھا زرمیل کا ردعمل
الے کے عمل پر ہی تھا۔
''تو جان تم نے بھی تو زرمیل کے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا تھا نا۔'' نجمہ نے نرمی سے ژالے کا چہرہ پھر اپنے
دوپٹے سے خشک کیا تھا۔
ژالے خاموش رہی ایک لفظ بھی نہیں کہا یا شاید اس کے پاس بولنے کے لئے کوئی لفظ ہی نہیں تھا زرمیل کی
حالت کی ذمہ دار وہی تو تھی آج جس تکلیف میں وہ بستر پر پڑا تھا موت کے منہ سے واپس آیا تھا صرف اور
صرف اس کی وجہ وہی تو تھا۔
''اچھا ایک بات بتاؤ مجھے تم نے زرمیل کی بات نہ مان کر ارشد کی بات کیوں مانی' جبکہ تم اچھی طرح سے
جانتی ہو کہ تم اور زرمیل ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے ہو اور اس پر تم ایک بار پھر زرمیل کے بچے کی ماں بننے
والی ہو' اسلام آباد میں ایک ساتھ ہوٹل میں ایک ہی بیڈروم میں رکنا اور پھر یہاں بھی زرمیل کا تمہارے بیڈروم
میں رات گزارنا' پھر بھی تم نے کہا کہ تم اس سے طلاق لینا چاہتی ہو۔ یہ سب کیا ہے ژالے مجھے سمجھاؤ کسے دھوکا
دے رہی ہو تم؟''
ژالے اپنا رونا بھول کر بڑی حیرانگی بھری نظروں سے نجمہ کو دیکھ رہی تھی' وہ تو اس خوش فہمی یا غلط فہمی میں زندہ
تھی کہ اس کی ماں سے سب چھپا ہے مگر وہ غلط تھی نجمہ سے کچھ چھپا نہیں تھا وہ تو اس کی رگ رگ سے واقف تھیں
اس کے ہر رنگ کو جانتی اور پہچانتی تھیں۔
اور کچھ یہی حال پیچھے کھڑے ارشد کا بھی تھا وہ بھی حق دق ہی تو رہ گیا تھا' وہ اتنا بے وقوف تھا اتنا ظالم کہ اپنی
اکلوتی بہن کی خوشی کو جانے بغیر اس پر زبردستی اپنا فیصلہ مسلط کر رہا تھا' کتنا بڑا نقصان کرنے چلا تھا وہ اور جلد
بازی یا جذبات میں زرمیل خدانخواستہ اتنا بڑا قدم اٹھا لیتا اس کے زبردستی کہنے میں آ کے تو کیا بعد میں اس کی
بھرپائی ہوتی اس کی بہن زندہ رہتی نہیں...... ارشد کا رواں رواں کانپ اٹھا تھا اپنی ہی سوچ پر نجمہ نے اس کی
حیرت بھری سبز آنکھوں میں جھانکا تھا۔
''تمہارے رویے انداز و اطوار میں بدلاؤ میں نے اسی دن نوٹ کر لیا تھا جب تم اسلام آباد سے واپس آئی
تھیں' میں جانتی تھی کہ تم نے زرمیل کو معاف کر دیا ہے' اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہو سب کچھ بھلا کے اور یہ بھی
جانتی ہوں کہ زرمیل تم سے حد درجہ محبت کرتا ہے' بے انتہا چاہتا ہے۔ مگر آج وہ جس حالت میں ہے جتنی اذیت و
تکلیف میں ہے اس کی ذمہ دار اس کی وجہ بھی تم ہو؟ کیوں ژالے...... کیوں کیا بیٹا تم نے زرمیل کے ساتھ ایسا؟
تمہیں کچھ علم ہے آسیہ بھابی پر اپنے اکلوتے لخت جگر کو ایسی حالت میں دیکھ کر کیا گزر رہی ہوگی' ان کا دل
کتنے ٹکڑوں میں خون کے آنسو رو رہا ہوگا۔ ژالے یہ تو آسیہ بھابی کی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت ہے کہ انہوں نے
تمہیں کچھ کہنا تو درکنار ترچھی نظروں سے دیکھا بھی نہیں' ورنہ جس ماں کا بیٹا ایسا کسی کے سہارے کا محتاج
ہو جائے کیا وہ ماں اس کو چھوڑ دے گی جو اس کا ذمہ دار ہے۔''

آج نجمہ کو اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا مگر ان کے لب و لہجے میں کہیں کوئی سختی کڑواہٹ غصہ نہیں تھا۔ ان کے انداز میں نرماہٹ تھی سمجھانے کا طریقہ تھا جو ژالے بغیر کچھ بولے پلک جھپکے خاموشی سے سن رہی تھی' بلکہ اندر ہی اندر ایک پچھتاوا مارے دے رہا تھا' ایک روگ تھا جو اس کی نس نس کو گھلانے لگا تھا' ان دونوں کے پیچھے کھڑا ارشد وہ بھی تو شرمندہ تھا پچھتاوا تھا جو اسے گہری کھائی کے اندر ہی اندر پھینکتا جارہا تھا۔

نجمہ نے ژالے کی خاموشی کو بغور دیکھا تھا۔

''کیا ہوا خاموش کیوں ہوگئی ہو تم' اگر یہ سوچ رہی ہو کہ ابھی کچھ دیر پہلے زرمیل نے جو تمہارے ساتھ کیا وہ ظلم ہے تمہارے ساتھ زیادتی ہے ناانصافی ہے تو میری جان یہ اسی کا ردعمل ہے جو عمل تمہاری طرف سے ہوا ہے سب کے بیچ تم نے زرمیل کو ٹھکرادیا' اس کی محبت کو گالی دی ہے' اس کی بے عزتی کی ہے تو میں وجہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم نے ایسا کیوں کیا' کیوں دھوکا دیا؟ کیوں بیچ منجدھار میں تنہا اکیلا چھوڑ دیا؟ کیوں ژالے؟''

نجمہ نے آہستگی سے پوچھتے ہوئے اس کے رخسار پر ہاتھ رکھا تھا' ژالے نے ان کا ہاتھ تھام لیا تھا' دو آنسو ان سبز آنکھوں سے ٹوٹ کر رخسار پر بکھرتے چلے گئے تھے۔

''ماما! میں ارشد بھائی کا مان نہیں توڑنا چاہتی تھی' میں ارشد بھائی کو بہت چاہتی ہوں انہوں نے مجھے جب سنبھالا جب میں خود کو مارنے لگی تھی' جب میں خود سے ناامید ہوگئی تھی زندگی سے بے زار ہوگئی تھی' جینے کی امنگ ختم ہوگئی تھی خود کو ختم کرنے کی دھن میں اتنی آگے نکل گئی تھی کہ اپنے آنے والے بچے کا بھی نہیں سوچ رہی تھی' کوئی رشتہ یاد نہیں رہا تھا اپنے چاہنے والا کا ان کی پرخلوص محبت کو فراموش کردیا تھا مگر کس نے مجھے سنبھالا سہارا دیا؟ صرف میرے بھائی نے۔ ارشد بھائی نے...... تو ماما آپ ہی بتایئے میں ان کا کہا کیسے ٹال دیتی' کیسے ان کا ہاتھ چھڑا کے زرمیل کا ہاتھ پکڑ کے چل دیتی؟ کیسے ارشد بھائی کو ہارتا ہوا دیکھ سکتی تھی میری زندگی چاہے آگے کچھ بھی رہے' مگر ارشد بھائی کو زرمیل کے آگے جھکا ہوا نہیں دیکھ سکتی' میں جانتی ہوں میں زرمیل سے اور زرمیل مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں مگر یہ محبت ارشد بھائی کی محبت کے آگے بہت چھوٹی پڑگئی تھی ماما...... بہت چھوٹی۔''

ژالے کی آنکھوں سے بدستور موتی بہہ رہے تھے وہ آج لگ رہا تھا اپنا سب کچھ ہار گئی ہے اپنی محبت چاہت سب کچھ گنوا کے بیٹھی ہے۔ وہ ایک زندہ لاش بن کر اپنی زندگی گزارنے کا فیصلہ کرچکی تھی۔

اور نجمہ وہ تو حیران تھیں کہ شاید حیران لفظ بھی ان کے لئے چھوٹا لگ رہا تھا؟ ژالے اتنی گہری ہے ان کی چلبلی نٹ کھٹ سی چنچل سی بیٹی ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک دل کا سکون اندر سے اس قدر گہری ہے' جس کی زندگی خالی کورے کاغذ کی طرح ہے' جو یہ جانتی ہے کہ اس کی زندگی تباہ و برباد ہو رہی ہے' مگر ہر فکر سے آزاد صرف ایک محبت کے بارے میں سوچ رہی ہے' جو ارشد کو دکھ نہیں دینا چاہتی۔

ارشد کی آنکھیں نمی سے بھرنے لگی تھیں' ژالے کی سوچ اس کی باتوں نے اس کا دل چھاڑ دیا تھا' کل جو بچی جسے اس نے اپنی گود میں کھلایا اپنے کندھے پر بٹھا کے گھمایا اس کی چھوٹی چھوٹی شرارتوں پر خوش ہوتا اس کی ہر خواہش و فرمائش پوری کرتا' آج وہ چھوٹی سی پیاری سی بہن اتنی بڑی ہوگئی تھی جو اپنے بھائی سے ہر دکھ سکھ ہر بات شیئر کرتی تھی' آج وہ اتنی بڑی بات اپنے دل میں چھپائے پھر رہی تھی اس تک سے شیئر نہیں کی اپنی زندگی برباد کرنے پر تلی تھی اپنی خوشیاں سب تباہ کررہی تھی تو صرف اس کی وجہ سے۔ کتنا گر گیا تھا وہ اپنی ہی نظروں میں کہ خود سے نگاہ ملانے کی بھی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

ژالے نے روتی ہوئی سبز آنکھوں کو اوپر دوسری سمت اٹھایا تو آنکھیں جیسے پتھرا کے رہ گئی ہوں' ہونٹ سل

گئے ہوں انجانے میں وہ زرمیل سے محبت کا انکشاف بھی تو کر گئی تھی جو یقیناً ارشد نے سن لیا ہوگا۔

''ارشد بھائی......!'' ژالے کے بنا آواز میں ارشد کا نام پکارنے پر نجمہ نے پلٹ کر پیچھے دیکھا تھا۔

ارشد نے ایک خاموش نظر نجمہ پر پھر ژالے پر ڈالی اور آرام سے چلتا ہوا اس کے پاس آرکا تھا اور نہایت ذمہ داری اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''آج لگ رہا ہے کہ میری چھوٹی سی پیاری سی بہن بہت اونچائی پر کھڑی ہے اور میں اتنی پستی میں کہ اپنا وجود نظر ہی نہیں آرہا ہے۔ میں بہت چھوٹا ہوں میری بہن میری سوچ تمہاری سوچ کے آگے نہایت ہی گھٹی ہے' جو صرف اپنا مفاد حاصل کرنے کے لیے اپنی بہن کی خوشی نہیں دیکھ سکا۔ اس کے چہرے کے رنگ اس کی آنکھوں کی قوس وقزح فراموش کر گیا۔ میں اس قدر اندھا ہو گیا کہ یہ بھی نہیں جان سکا کہ میری بہن کیا چاہتی ہے اپنی غرض کی خاطر اپنی بہن کی خوشیاں برباد کرنے چلا تھا۔''

''نہیں ارشد بھائی! آپ اس طرح نہیں بولیں آپ نے کچھ نہیں کیا۔'' وہ سسکتی ہوئی اٹھی اور ارشد کے سینے سے لگی ہچکیوں سے رو دی تھی۔

''میں آپ کو کوئی دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔''

''اور اپنے لیے زندگی بھر کا جو روگ خود کے لیے لے رہی تھیں اس کا کیا آج مجھ [illegible] ہوا کہ میری جذباتی طبیعت میرا غصہ کسی اور کے لیے ہی نہیں خود میرے لیے بھی کتنا نقصان دہ ہے۔'' ارشد [illegible] ژالے کے بال سہلاتے ہوئے نجمہ کو دیکھا جوان دونوں بہن بھائیوں کو ہی دیکھ رہی تھیں مگر ارشد کے دیکھنے پر نظروں کا رخ ہی بدل لیا تھا کہ وہ اس سے ناراض تھیں۔

ارشد نے ایک گہری سانس لی تھی ابھی وقت کی ڈور اس کے ہاتھ میں تھی جسے اسے تھام کر اب صحیح فیصلہ کرنا تھا۔

''جو کچھ غلطی مجھ سے ہوئی اس کا مداوہ تو شاید مشکل ہے مگر پھر بھی اللہ کا شکر ہے کہ کوئی پچھتاوہ کوئی محرومی ہاتھ نہیں آئی۔ جو کچھ گزر گیا اسے واپس تو نہیں پلٹ سکتے کہ وقت کو سدھار سکیں مگر اپنے آنے والے وقت کو ضرور سدھارا جاسکتا ہے اور میں اپنی معصوم پیاری سی بہن کو وہ خوشی ضرور دوں گا جس کی وہ حقدار ہے مجھے اپنی گڑیا کی آنکھوں میں آنسو نہیں خوشی امنگوں کے رنگوں کے دیپ جلے دیکھنے ہیں۔'' ارشد نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تھا اور اس کے بالوں پر شفقت سے بوسہ لیا تھا۔ نجمہ نے ایک سرسری سی نگاہ ان پر ڈالی تھی اور وہاں سے کھڑی ہو گئی تھیں اور پھر بغیر کچھ کہے وہیں سے ہٹتی چلی گئی تھیں۔

انہیں تو یہ سمجھ آ گیا تھا کہ ارشد اپنی جذباتی غلطیاں پر پشیمان ہے افسوس کر رہا ہے مگر یہ بھی کہ وہ اپنی غلطیوں کا ازالہ ضرور کرے گا ژالے کو اس کی ہنستی بستی زندگی ضرور دے گا مگر شاید وہ ابھی بھی اپنی زندگی کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا ثمرن کو نہیں سوچ رہا تھا شاید اس کے لیے اسے وقت چاہیے...... اچھا ہے کسی کے سمجھانے سے بہتر ہے خود اپنے آنے والی زندگی کے بارے میں [illegible] جتنا زیادہ بہتر ہوگا۔

ارشد نے ایک دکھ بھری نظر جاتی ہوئی نجمہ پر ڈالی تھی وہ جانتا تھا کہ ان کی [illegible] اس سے سخت ناراض تھیں ثمرن کے اس کے گھر سے چلے جانے سے وہ اس سے بات نہیں کر رہی تھیں اور وہ اپنی جگہ بالکل [illegible] تھا اس نے اپنی جذباتیت میں بہت سوں کے دل دکھائے تھے نقصان کیا تھا مگر وہ کوشش کرے گا پہلے کی طرح سب ٹھیک کر دے گا۔

☆..........☆

''یار! یہ کیا بات ہوئی اتنے دن تمہارے بغیر میں کیسے رہ سکوں گا۔'' حنین آفریدی سیڑھیوں سے اترتا ہوا آرہا تھا اس کی ٹک سک سی تیاری سے لگ رہا تھا کہ وہ کہیں جا رہا تھا مگر چہرے کی بے زاری سے لگ رہا تھا کہ پروگرام کینسل ہو گیا ہے۔

کان سے فون لگائے وہ فون کے اس پار کس سے محو گفتگو تھا وہ اچھی طرح جانتی تھی اس کے چہرے کی بے زاریت کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھ رہی تھی اور اب تو اس کی موجودگی پر اس کا پورا وجود سماعت بن جایا کرتا تھا۔

''ہنی پندرہ دن کی تو بات ہے۔'' سمعیہ زیدی نے چاہت سے کہا تھا۔

''پندرہ دن......'' حنین آفریدی نے سمعیہ زیدی کا لفظ دہرایا تھا جو اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا مگر شاید حنین آفریدی کے لیے زندگی اور موت کے برابر تھا۔

''سمعیہ زیدی تمہارے لیے تو پندرہ دن کوئی معنی نہیں رکھتے ہیں۔''

''رکھتے ہیں ہنی! مگر کیا کروں کینیڈا سے پھوپھو اگر مجھے یہاں خود لینے پاکستان نہ آتیں تو میں ان کے بیٹے کی شادی میں کبھی شرکت نہیں کرتی مگر ان کی محبت کے آگے مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے۔''

''پھوپھو کی محبت نظر آرہی ہے اور میں...... میری محبت اس کا کیا تمہیں کچھ احساس ہے۔'' حنین آفریدی کے لب و لہجے میں غصے کی معمولی سی چنگاری جھلکنے لگی تھی۔

''آف کورس ڈارلنگ، بے احساس، تمہاری محبت تو میرے لیے بہت معنی رکھتی ہے مگر ڈیئر میری مجبوری بھی تو سمجھو میں اپنے رشتوں سے بھی تو منہ نہیں موڑ سکتی جو مجھ سے محبت کرتے ہیں چاہتے ہیں اور پھر پاپا کی بھی تو دلی خواہش ہے کہ میں یہ شادی اٹینڈ کروں۔''

''تو تم نے فیصلہ کر لیا ہے تم جا رہی ہو مجھے چھوڑ کر۔''

''اونلی ففٹین ڈے ہنی!''

''سوچ لو اگر ان پندرہ دن میں مجھے کسی اور سے محبت ہو گئی تو پچھتاؤ گی۔''

''تم ایسا نہیں کر سکتے میری محبت اور بے پناہ حسن کا اتنا گہرا اثر ہے تم پر کہ تم کسی اور چہرے کی طرف نظر بھر کے دیکھ بھی نہیں سکتے۔'' سمعیہ زیدی نے نہایت فخر سے کہا تھا اس کے لہجے میں اعتماد بول رہا تھا جو حنین آفریدی کو مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

''اتنا کانفیڈنس۔''

''خود سے بھی زیادہ۔''

''آل رائٹ تو پھر تم اپنے پندرہ دن انجوائے کرو تم بھی کیا یاد کرو گی کہ کس سخی سے واسطہ پڑا ہے۔''

''تھینکس۔'' سمعیہ زیدی نے شکر کا سانس لیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی حنین آفریدی کی ناراضی بہت مشکل سے بہت مشکل سے مانتا تھا وہ۔

''اوکے...... آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔''

''ٹیک کیئر۔'' حنین آفریدی نے کہا۔

''اور کچھ نہیں کہو گے۔'' سمعیہ زیدی کی فرمائش پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

''وہ تو تمہیں کہنا چاہیے۔'' حنین آفریدی اس کی نرالی خواہش اچھی طرح جانتا تھا۔

''اوکے تو پھر آئی لو یو۔'' بغیر کسی جھجک اور حیاء کے اس نے جھٹ کہہ بھی دیا تھا۔

''آئی لو یو ٹو۔'' حنین آفریدی نے بھی مسکرا کے اس کا جواب دیا تھا اور پھر فون آف کر کے وہاں صوفے پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔ یہ سب وہاں بیٹھی لاروش اغولان دیکھ رہی تھی اور اب تو ویسے بھی حنین آفریدی کی موجودگی پر اس کا پورا وجود ہی سماعت' آنکھیں بن جایا کرتا تھا مگر اس وقت اس کے دل پر کتنے آرے چلے تھے کہ دل کتنے ہی ٹکڑوں میں ہو کر بکھرا تھا' یہ صرف وہی جانتی تھی' حنین آفریدی کی بے اعتنائی اس کا اگنور کرنا' جانے کیوں اس سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔

نکاح کے جس بندھن میں وہ حنین آفریدی کے سنگ بندھ گئی تھی' یہ انہی تین لفظوں کی طاقت تھی کہ وہ حنین آفریدی کو سوچنے لگی تھی' اسے چاہنے لگی تھی دل ہی دل میں اسے سوچنے لگی تھی' اس کی پرستش کرنے لگی تھی' محبت کرتی تھی وہ حنین آفریدی سے۔ جس کا اسے پورا پورا حق تھا کیونکہ وہ اس کی بیوی تھی اس کی شریک حیات اور حنین آفریدی اس کا شوہر اس کا مجازی خدا تھا' تو پھر بھلا ایک مشرقی بیوی اپنے شوہر کا کسی اور لڑکی کے ساتھ افیئر کیسے برداشت کر سکتی تھی مگر لاروش اغولان کو برداشت کرنا تھا کیونکہ اس کے شوہر نے اس سے کوئی عہد و پیاں نہیں باندھے تھے' کوئی وعدے نہیں کیے تھے' اس کے پلو سے کوئی میٹھے لفظوں کی ڈور نہیں باندھی تھی' بات وعدے' عہد و پیاں تو دور کی بات وہ تو اس پر ایک سرسری نظر بھی نہیں ڈالتا تھا۔

حنین آفریدی تو سمعیہ زیدی کے حسن کا اسیر تھا' اس کی باتوں کا گرویدہ تھا' اس کو سوچتا تھا اسی کو چاہتا تھا حنین آفریدی کے دل و دماغ پر سمعیہ زیدی کا ہی تو راج تھا' تو پھر لاروش اغولان کی جگہ کہاں نکلتی تھی۔

حنین آفریدی جو ابھی تک سمعیہ زیدی کی ہنسی اس کی باتوں میں کھویا ہوا تھا کہ نظر اب لاروش اغولان پر پڑی تھی جو بنا پلکیں جھپکائے یک ٹک اسے ہی دیکھ رہی تھی' حنین آفریدی نے آگے بڑھ کر اس کی سوچی آنکھوں کے آگے چٹکی بجائی تھی۔

''محترمہ یہ آپ کہاں کھوئی ہوئی ہیں؟''

لاروش اغولان بری طرح چونک کر رہ گئی تھی' بلکہ خفیف سی نظر چرا گئی تھی' جس کا حنین آفریدی نے کوئی نوٹس نہیں لیا تھا بلکہ اس کی نظر اس ٹیبل پر پڑی جہاں سے خوشبو آ رہی تھی' ٹیبل پر ٹرے میں زنگر برگر' فرنچ فرائس' کیچپ مایونیز کے ساتھ کولڈ ڈرنک رکھی ہوئی تھی' وہ تو ویسے بھی کھانے پینے کا حد درجہ شوقین تھا اور اس وقت تو بھوک بھی زبردست لگی ہوئی تھی۔ آج رات کا ڈنر کا پلان سمعیہ زیدی کے ساتھ تھا جو کہ کینسل ہو گیا تھا۔

حنین آفریدی نے بغیر لاروش اغولان کی فیلنگ محسوس کیے وہ ٹرے اپنے آگے کر لی تھی۔

''یہ تم نے بنایا ہے یا ریڈی میڈ منگوایا ہے؟'' اس نے ٹرے میں سے ایک فرنچ فرائس اٹھا کے منہ میں رکھی اور زنگر برگر اٹھا کے کھانا بھی شروع کر دیا تھا' کوئی دس منٹ میں وہ ہر چیز سے انصاف کر چکا تھا۔

''میں نے ہر ریسٹورنٹ میں بیف، زنگر اور بھی مختلف قسم کے برگرز کھائے ہیں مگر اس کا ذائقہ سب سے الگ ہے اور مزیدار بھی' تم نے کہاں سے منگوایا ہے یہ؟'' حنین آفریدی اپنی انگلی چاٹنے لگا تھا' لاروش اغولان حیرت سے ٹرے دیکھنے لگی تھی۔

''تم نے بتایا نہیں کہاں سے منگوایا ہے؟'' حنین آفریدی نے اس کی حیرت کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی تھی۔

''جی...... یہ میں نے خود بنایا تھا۔'' لاروش اغولان نے آہستگی سے کہا تھا۔

''یقیناً بنایا ہوگا۔'' حنین آفریدی نے پریقین لہجے میں کہا تھا۔
وہ تو پہلے بھی کوئٹہ میں اس کے ہاتھ کے کھانوں کا ذائقہ چکھ چکا تھا۔
''ایک کام کرو گی؟''
''جی کہیے۔''
''ایسا ہی ایک اور برگر بنا دو مجھے بہت بھوک لگی ہے اور ایک برگر سے تو ویسے بھی میرا گزارا نہیں ہوتا ہے۔''
حنین آفریدی نے بنا جھجک کے فرمائش کی تھی' لاروش اغولان نے خاموشی سے اس کی فرمائش سنی تھی۔ حنین آفریدی نے بھی اس کی خاموشی کو نوٹ کیا تھا۔
''کیا ہوا میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟''
''جی...... نہیں تو۔''
''تو پھر جاؤ اور جلدی سے ایک اور برگر بنا کے لاؤ اور ساتھ کیچپ ضرور لانا' اس کے بغیر فرنچ فرائس کھانے کا مزہ نہیں آتا۔'' حنین آفریدی نے ریموٹ اٹھا لیا تھا۔
''میں بنا کے لاتی ہوں۔'' وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔
دل بھی کتنا خوش فہم ہو جاتا ہے ان چند لمحوں کی قربت میں وہ سمعیہ زیدی کو بھول ہی گئی تھی اور حنین آفریدی کا خود سے مخاطب ہونا خوش فہمیوں کے نئے در وا کرتا چلا گیا تھا۔

☆......☆

کچن سمیٹ کر وہ اپنے بیڈ روم میں آئی تو عارفین کو بیڈ پر میگزین پڑھتے ہوئے پایا وہ تو سمجھی تھی کہ وہ بے خبر سو گیا ہوگا' اس لئے وہ جان کر اتنی لیٹ کمرے میں آئی تھی وہ فی الحال اس کا سامنا ہی نہیں کرنا چاہتی تھی' جانے انجانے میں اس نے عارفین کو بہت ہرٹ بھی تو کیا تھا۔ کچن سائیڈ لیتی ہی وہ سو گئی۔ ہر وقت یہی کہتی کہ وہ سومی کی امانت ہیں۔ حالانکہ دل کے کسی کونے میں اس کے بچھڑنے کا روگ بھی تھا مگر اس نے خود کو سمجھا لیا تھا اور اپنے دل پر پتھر رکھ لیا تھا۔ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے واپس لندن چلی جائے گی' عارفین زندگی بھر کے لئے اس کے دل میں زندہ رہے گا۔ ایک درد بن کر وہ اس کو پوجتی رہے گی' سوچتی رہے گی مگر اب جو ہوا اس کا دل قبول نہیں کر پا رہا تھا اس حقیقت کو وہ تسلیم نہیں کر پا رہی تھی کہ عارفین کوئی خواب نہیں ہے اس کا ہے' ایک زندہ حقیقت عمر بھر کے لیے اس کا ساتھ اس کا نام اس کے ساتھ جڑا رہے گا۔
مگر اسے تھوڑا وقت چاہیے عارفین کو ماننے کے لئے۔ وہ انہی گہری لامتناہی سوچوں میں گھری تھی کہ خبر ہی نہیں ہوئی کب عارفین چلتا ہوا اس کے نزدیک آ ٹھہرا تھا۔
''کیا سوچ رہی ہو جان عارفین؟'' عارفین نے معصوم کے چہرے پر آتی ایک کرلی لٹ کو ہلکے سے پھونک ماری تھی کہ وہ ہوش کی دنیا میں آ کر بغور اس کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنے لگی تھی' ان آنکھوں میں کیا کچھ نہیں تھا، محبت تھی، اپنائیت، تحفظ تھا، مان تھا، چاہت کا امڈتا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔

ایک احساس
ایک جذبہ
ہمدردی تھی
ایک حقیقت تھی

کہ وہ زندگی بھر اس کے دل کے ایوانوں پر راج کرے گی۔اس کی ہر سانس پر حکمرانی کرے گی۔
معقوم نادیدان جذبے لٹاتی نگاہوں میں نہ دیکھ سکی تھی اور جھینپ کر نگاہ ہی جھکالی تھی' بلکہ جھجک کر وہاں سے ہٹنے ہی لگی تھی کہ عارفین نے اس کی کلائی تھام لی تھی' وہ واپس پلٹی تھی اور نظر اپنی نازک کلائی پر پڑی جو عارفین کی مضبوط ہتھیلی میں قید تھی' عارفین نے ایک جھٹکے سے اس کی نازک کلائی کھینچی تھی' وہ اس افتاد کے لیے قطعی طور پر تیار نہیں تھی اور کھنچتی ہوئی اس کسرتی مضبوط وجود کا حصہ بنی تھی۔
''اور کتنا ستاؤ گی' کتنا میرے صبر کا اور امتحان لو گی برداشت کا پیانہ بھی لبریز ہو گیا ہے مگر تم تو صرف دور سے دیکھ رہی ہو؟ اتنا ظلم بھی اچھا نہیں ہوتا کچھ تو رحم کرو اپنے دیوانے پر۔'' آنکھوں میں خمار لئے وہ اس کے کانوں میں سرگوشی کر رہا تھا۔اس کے کرلی گھنے سیاہ بالوں میں چہرہ چھپائے اظہار محبت کر رہا تھا۔اپنے جنون کی ایک داستان سنا رہا تھا۔
یہ بھی نہیں دیکھ اور سوچ رہا تھا کہ مقابل کی حالت کیسی ہے۔اس کے برعکس معقوم کی حالت غیر سے غیر تر ہوتی جا رہی تھی' وہ خود کو چھڑانے کی ہر درجہ کوشش کر رہی تھی مگر عارفین کی باہیں اس قدر مضبوط تھیں کہ اس کی ہر مزاحمت ناکام ہی ٹھہری تھی۔
''عا.....ر.....فین.....پلیز.....چھوڑیں مجھے.....ابھی نہیں عارفین.....ابھی نہیں.....'' اس قدر ٹھنڈ میں بھی وہ پوری پسینے میں شرابور ہو گئی تھی۔
''نہیں معقوم! مجھ سے تمہاری اور دوری برداشت نہیں ہوتی ہے۔''
معقوم بڑی مشکل سے خود کو چھڑا پائی تو عارفین نے معقوم کی مرمریں کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے نہایت قریب تر کر لیا تھا کہ جو انچ بھر کا بھی فاصلہ تھا وہ بھی سمٹ چکا تھا۔
''عارفین.....!''
ان سیاہ نین کٹوروں سے گرم سیال بہنے لگے تھے' وہ ابھی خود کو تیار نہیں کر پا رہی تھی سمجھا نہیں پا رہی تھی یا شاید اس کے ہو جانے کا یقین نہیں کر پا رہی تھی۔
عارفین اس کے موتی کی طرح بہتے آنسو دیکھ کر پگھل گیا اور نہایت احتیاط سے خود سے الگ کیا تھا' اس کا دل بری طرح دکھا تھا۔
''معقوم.....!''
عارفین نے اس کے بھیگے چہرے کو اپنی مضبوط ہتھیلیوں کے پیالے میں بھرا تھا۔
''تم ابھی بھی خوش نہیں ہو۔''
''وہ بات نہیں ہے مگر مجھے خوشیاں راس نہیں ہیں عارفین! بہت جلدی میری خوشیوں کو کسی کی نظر کھا جاتی ہے اور مجھے تو ابھی خود یہ بھی یقین نہیں ہو پا رہا کہ آپ ایک حقیقت ہیں یا خواب؟ آپ میری زندگی کا حصہ بن چکے ہیں اس حقیقت کو یقین میں بدلنے کے لئے مجھے وقت چاہیے۔'' بھیگی گھنیری باڑ گرائے وہ اشارے میں ہی اقرار محبت کر گئی تھی۔
اور اس کے اس طرح اظہار محبت پر عارفین کو شادی مرگ ہو گیا تھا۔
''تو میری جان' یقین کر لو کہ میں کوئی خواب نہیں بلکہ ایک خوب صورت حقیقت ہوں' تمہاری ان خوبصورت

آنکھوں کا سپنا ہوں تمہارے دل و دماغ کا یقین ہوں۔'' مقسوم کے چہرے پر آئی کرلی بالوں کی چند لٹوں کو اس نے پرشوق انداز میں چھیڑا تھا۔

''مگر عارفین! اگر یہ حقیقت ہے تو یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے' میں کون ہوں؟ لندن سے یہاں کیوں آئی ہوں؟ میرا ماضی میرا گزرا ایک ایک پل کیسا ہے؟ آپ کو یہ سب جاننا چاہیے عارفین۔'' مقسوم نے بے اختیار اس کی دونوں ہتھیلیوں کی پشت پر ہاتھ رکھا تھا جو ابھی بھی اس کے چہرے پر تھے۔

''بس اتنی سی پریشانی ہے۔'' عارفین نے چاہت سے اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''تو میری جان! تم کون ہو؟ تمہارا گزرا پل' تمہارا ماضی کیا تھا؟ مجھے ان سب سے کوئی سروکار نہیں ہے' میں بس اتنا جانتا ہوں کہ تم میرا آج ہو۔ تم میرے لئے بہت قیمتی ہو جو میرے دل کے ایوانوں پر حکومت کرتی ہے' جس کی میں پرستش کرتا ہوں جسے میں پاگلوں کی طرح چاہتا ہوں' دیوانوں کی طرح پیار کرتا ہوں اور بے انتہا محبت کرتا ہوں اور جن سے محبت کی جائے ان کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں کرتے۔'' عارفین نے نہایت محبت سے اس کے رخسار پر بہتے آنسو صاف کیے تھے۔

''لیکن عارفین......''

''شش......'' عارفین نے اس کے پنک کپکپاتے لبوں پر اپنی انگشت شہادت رکھ دی تھی۔

''کچھ مت بولو بس ان لمحوں کو محسوس کرو' ان ساعتوں کو سنو کہ یہ کیا کہانی سنا رہے ہیں یہ کہہ رہے ہیں کہ تمہارا ساتھ میری زندگی کو بہت خوبصورت بنا گیا ہے مجھے مکمل کر دیا ہے تمہارے وجود نے۔'' وہ پھر سے کہنے لگا آنکھوں میں خمار تھا لب و لہجے میں اس کو پانے کا نشہ تھا خوشی تھی چہرے پر الوہی چمک لئے وہ اس پر جھکا تھا کہ مقسوم ایک جھٹکے سے اس سے پیچھے ہوئی تھی اور پیچھے کھڑی مضبوط دیوار سے لگی تھی۔

عارفین نے پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھا تھا' ڈری ہی وہ کوئی خوفزدہ چڑیا لگ رہی تھی' گھبرائی ہوئی ہرنی جسے شکاری اپنے جال میں جکڑ کے سفید گھوڑے پر اٹھا کے لے جائے گا مگر مقابل بھی عارفین تھا جسے اپنے نفس پر اپنے اعصاب پر بھرپور کنٹرول حاصل تھا۔ اس کا حصول تو پہلے بھی مشکل نہیں تھا اور اب بھی نہیں رہا مگر وہ مقسوم کے اعتماد پر اس کی انا پر ضرب لگا کر اسے پانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ان سیاہ آنکھوں میں ڈر و خوف' چہرے پر کچھ کھونے کا سایہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا' وہ ان آنکھوں میں اس کے لئے محبت و چاہت کے دیپ جلتے دیکھنا چاہتا تھا۔ چہرے پر اسے پانے کی خوشیوں کی چمک دیکھنا چاہتا تھا' پر اعتماد دیکھنا چاہتا تھا کمزور نہیں۔

عارفین آگے بڑھا اور دونوں ہاتھ اس کے دائیں بائیں ٹکا کر اس پر تھوڑا جھکے ان سیاہ خوفزدہ آنکھوں میں جھانکنے لگا تھا۔ جہاں اسے اپنا ہی مسکراتا ہوا عکس نظر آرہا تھا۔

''اٹس او کے' جہاں اتنا صبر' اتنا برداشت کیا تمہاری فرقت و رفاقت کے لئے وہاں تھوڑا اور سہی مگر خدارا انتظار اتنا طویل مت رکھنا' ورنہ تمہارا یہ دیوانہ کہیں اپنی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے۔''

''خدا نہ کرے۔'' بے ساختہ ہی مقسوم نے اس کے ہلتے لبوں پر ہاتھ رکھا تھا اس کے اس جملے پر اس کا دل سہم کر سکڑا تھا اور پھر خود ہی اپنی بے ساختگی پر بری طرح جھینپ کر رہ گئی تھی' ہاتھ ہٹا ہی رہی تھی کہ عارفین نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور آہستگی سے اپنے لبوں کے قریب کر کے اس پر اپنے دہکتے لب رکھ دیئے تھے۔

''گڈ نائٹ۔'' اس کا گال تھپتھپا کے وہ وہاں سے ہٹتا چلا گیا تھا اور واپس بیڈ پر کمبل اوڑھے سونے کی تیاری

کرنے لگا تھا۔
معصوم نے سہمی سہمی نظروں سے عارفین کو دیکھا تھا اور اپنی بے پناہ شور مچاتی دھڑکنوں پر قابو پایا تھا' رکی سانسوں کو بحال کیا تھا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ کی دوسری سائیڈ پر آ کر بالکل کونے پر لیٹ گئی تھی' آنکھوں سے نیند تو کوسوں دور تھی' مگر جب بھی آنکھیں بند کرتی عارفین کا پرشوخ سا مسکراتا چہرہ جھلملانے لگتا تھا' تو پنک ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ رینگنے لگتی۔

☆......☆

ژالے اپنے بیڈروم میں اداس و افسردہ بیٹھی تھی اجڑے بال بکھری حالت جو جانے کب سے ایسی ہی تھی ملگجے سے شکن آلود کپڑے تھے جو کوئی ایک ہفتے سے اس کے جسم کی زینت بنے ہوئے تھے' خود سے بے خبر بے گانہ وہ سامنے کھیلتے رضا کو کھلونے سے کھیلتا دیکھ رہی تھی' ارشد اس کے روم میں آیا تو اسے ایسی اجڑی بکھری حالت میں دیکھ کر اس کے دل کو زور سے دھکا لگا تھا۔ کس قدر خون خون ہوا تھا اس کا دل کہ اس کا خدا ہی جانتا تھا۔ اس کی چھوٹی سی پیاری اکلوتی بہن نے کتنے غم اٹھائے درد بے تکلیفوں سے چور چور ہو گئی تھی سب کچھ اندر ہی اندر برداشت کرتی چلی گئی اوپر سے ارشد کی جذباتیت نے اس کا رہا سہا سکون بھی چھین لیا' اب رہ گئی رہے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی' جیسے وہ جاننے کا دعویٰ بڑے اعتماد سے کرتا تھا' اصل میں وہ اسے بالکل نہیں جانتا تھا' اس کے دل میں جھانک کر یہ نہیں دیکھ سکا کہ وہ صرف اور صرف زرمیل سے پیار کرتی تھی' اسے بے انتہا چاہتی تھی اور وہ اس کا سگا بھائی کتنے آرام سے اس کا گھر بگاڑنے چلا تھا یہ سوچے سمجھے بغیر کہ اگر خدانخواستہ زرمیل نے اسے جذبات کی رو میں بہہ کر طلاق دے بھی دی ہوتی تو شاید وہ اسی وقت مرجاتی' اس کی سانسیں رک جاتیں۔
ارشد اپنے کیے پر جتنا شرمندہ ہوتا' کم تھا وہ پچھتا رہا تھا' اپنی بہن ژالے اور بھائی جیسے دوست زرمیل کے ساتھ ایسا بدترین اور گھٹیا سلوک کر کے مگر ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا تھا وہ حالات کو سنبھال سکتا تھا' اپنی بہن کی زندگی' خوشیوں بھری رعنائیاں اسے دے گا وہ اس کا گھر آباد کرے گا' اپنی غلطی کا مداوا کرے گا۔
"ژالے۔" ارشد نے دھیرے سے آواز دی تھی مگر وہ وہاں ہوتی تو جواب دیتی ناں اس کا پورا وجود اس کا دھیان اس کی سوچ کے تانے بانے تو صرف اور صرف زرمیل کے اردگرد ہی گردش کر رہے تھے' ارشد چلتا ہوا آیا اور اس کے پاس آ ٹھہرا تھا۔
"ژالے بیٹا!" اس نے ژالے کے سر پر دستِ شفقت کا ہاتھ رکھا تھا۔
ڈرائنگ روم میں آسیہ اور فہیم احمد صوفے پر براجمان شام کی چائے پی رہے تھے۔ دونوں کی نظر ان پر پڑی تھی بلکہ آسیہ تو اپنا چائے کا کپ رکھ کے کھڑی ہو کر جانے بھی لگی تھیں مگر فہیم احمد نے اشارے سے انہیں روک دیا تھا۔
زرمیل پھر نہ نکال دے اپنے کمرے سے ژالے کو اور پھر ارشد بھی ساتھ ہے معاملہ مزید نہ بگڑ جائے۔ ان کے دل کا ڈر چہرے پر بہت واضح تھا۔
"کچھ دیر رک جاؤ پھر دیکھتے ہیں۔" انہوں نے سنجیدہ انداز میں کہا اور چائے کا کپ ٹیبل پر رکھے TV آن کر کے بزنس نیوز سننے لگے تھے۔ آسیہ نے بے بسی سے فہیم احمد کو ایک نظر دیکھا اور واپس صوفے پر بیٹھ گئیں مگر ان کا دل و دماغ ان کی نظریں سب زرمیل کے بیڈروم میں تھیں۔ زرمیل بیک کراؤن سے ٹیک لگائے میگزین

دیکھ رہا تھا۔

"زرمیل!" ارشد نے ہولے سے پکارا تھا۔

زرمیل نے میگزین سے نظریں ہٹا کر اوپر کی سمت نظریں اٹھائیں' سامنے ارشد کھڑا تھا جس کی گود میں رضا تھا اور برابر میں ژالے کھڑی تھی' جس کی نگاہیں نیچے کارپٹ پر گڑھی ہوئی تھیں' زرمیل نے ژالے کو بری طرح نظر انداز کیا اور ہاتھ ارشد کی گود میں رضا کی طرف بڑھایا تھا وہ قلقاریاں بھرتا ہوا ارشد کی گود سے اچکتا زرمیل کی طرف آیا تھا' ارشد نے بغور زرمیل کو نوٹ کیا تھا نظر اٹھا کے بھی نہیں دیکھا تھا' ارشد نے بالکل برا نہیں منایا تھا۔

"زرمیل!" رضا کو پیار کرتے زرمیل نے ارشد کو دیکھا تھا۔

"ہاں ارشد بولو۔"

"زرمیل میں ژالے کو یہاں چھوڑنے آیا ہوں۔"

زرمیل نے ایک خاموش نگاہ ارشد پر ڈالی تھی اور پھر برابر میں کھڑی ژالے پر ایک عام سی نظر ڈالنے کے بعد رضا سے بات کرنے میں مصروف ہو گیا' جیسے اس سے زیادہ اہم کام اس کی زندگی کا کوئی ہے ہی نہیں اور یہ زرمیل کی خاموشی اور مصروفیت ارشد کو بہت محسوس ہوئی تھی' بلکہ اپنی غلطی پر مزید پشیمانی بھی بہت ہوئی تھی مگر ارشد نے اپنی ساری ہمتیں مجتمع کر کے ایک بار پھر پکارا تھا۔

"زرمیل!" ارشد کے لہجے میں جانے ایسی کیا بات تھی کہ رضا سے بات کرتے زرمیل نے پھر اسے نظر اٹھا کے دیکھا تھا۔

"ہوں!" آہستہ سے پوچھا تھا۔

"زرمیل ابھی بھی مجھ سے ناراض ہو معاف نہیں کرو گے میری بے وقوفیوں کو؟"

ارشد اس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور اس کا فٹوں میں جکڑا ہاتھ تھام گیا تھا۔

"نہیں یار! ایسی کوئی بات نہیں ہے' اپنے دل میں کوئی برا خیال مت لاؤ جو ہوا سو ہوا جو کچھ گزر گیا اس پر پچھتانا کیا۔ میرے دل میں تمہارے لئے کوئی ناراضی نہیں ہے۔" زرمیل نے مسکرا کے اسے دیکھا تھا اس کے لب و لہجے کی نرماہٹ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ارشد سے قطعی ناراض نہیں ہے۔

"اور ژالے یہاں رہ سکتی ہے؟" ارشد خود کو مجرم سمجھ رہا تھا۔ ابھی بھی ایک دکھ بھری نظر اس نے ژالے پر ڈال کر زرمیل کو دیکھا تھا۔

زرمیل نے ژالے پر ایک سرسری سی نظر ڈالی تھی اس ایک سرسری سی نظر میں ژالے کے اُجڑے ہوئے حلیے کا جائزہ لے لیا تھا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" وہ چاہتا تو منع کر دیتا جیسے اس دن اپنے بیڈروم سے نکالا تھا آج اور ابھی بھی نکل جانے کو کہہ دیتا مگر ارشد جس آس اور امید سے پوچھ رہا تھا بلکہ اس کے انداز میں جو التجا تھی صرف اسی کی خاطر وہ منع نہیں کر سکا تھا۔

"تھینکس زرمیل!" ارشد نے ایک سکون کا سانس لیا تھا اس کے چہرے پر خوشی سے دمکنے لگی تھی تھوڑی ہی سہی ژالے کو خوشی دینے میں کامیاب تو ہوا۔ اس نے مسکرا کر زرمیل اور پھر ژالے کو دیکھا تھا کہ اسی اثناء میں اس کا موبائل بجنے لگا تھا اس نے اپنی جیب سے موبائل نکالا کوئی انجان نمبر تھا اس نے او کے کر کے کان سے لگا لیا تھا۔

''واٹ...... کب کہاں؟'' وہاں سے کچھ کہا گیا تھا ارشد شاکڈ رہ گیا تھا وہ کھڑا ہوا تھا۔

''مگر یہ سب ہوا کیسے؟'' اس کے چہرے پر دکھ اور افسوس کے سائے تھے۔

''کہاں ہے وہ اس وقت آپ کون سے اسپتال سے بات کر رہے ہیں؟'' لب و لہجے میں پریشانی واضح تھی۔

''او کے میں ابھی ہسپتال پہنچتا ہوں نہیں نہیں مجھے زیادہ ٹائم نہیں لگے گا میں بس دس پندرہ منٹ میں پہنچتا ہوں۔'' ارشد نے موبائل آف کر کے جیب میں ڈالا تھا اس کی پریشانی پر اور پھر ہسپتال کے نام پر زرمیل اور ژالے تو دیکھ ہی اسی کو رہے تھے۔

''ارشد سب خیریت تو ہے کس کا فون تھا کون ہے ہسپتال میں؟''

''ہسپتال سے فون تھا وہاں کے ڈاکٹر کا' میرے فرینڈ حسن کا بری طرح سے ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ کنڈیشن بہت سیریس ہے مجھے وہاں فوری پہنچنا ہے۔'' ارشد پریشانی کے عالم میں جانے لگا تھا کہ زرمیل نے پیچھے سے آواز دی تھی ارشد نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

''ڈرائیو کیئر فلی۔'' ارشد صرف سر ہلا کے رہ گیا تھا۔

ارشد کے جانے کے بعد اس نے ایک نگاہ غلط بھی اس پر نہیں ڈالی تھی جیسے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہو جائے گا اور پھر رضا کی معصوم معصوم شرارتوں اور قلقاریوں کو سننے لگا تھا۔

ژالے کو زرمیل کے اس انداز پر اس برتاؤ پر تکلیف تو بہت پہنچی تھی مگر کیا کر سکتے ہیں یہ درد یہ تکلیف تو اس کا اپنا ہی لیا ہوا تھا برداشت کرنا پڑے گا یہ سب سہنا پڑے گا وہ ایک نظر باپ بیٹے پر ڈال کر وہاں ... صوفے پر جا کر بیٹھ گئی تھی مگر پھر بھی زرمیل نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

''چلو اتنا ہی بہت ہے فی الحال اس نے اپنے بیڈروم میں جگہ دے دی۔''

☆......☆

اب یہی ہونے لگا تھا حنین آفریدی کو لاروش اغولان کے ہاتھ کا برگر کیا پسند آیا وہ ہر روز لاروش اغولان سے نئی نئی ڈشیں بنواتا' کبھی برگر' کبھی زنگر برگر' پزا چاہے وہ کوئی سا بھی ہو فرنچ فرائس' اٹالین فوڈ' چائنیز فوڈ' شام کی چائے یا کافی اسنیکس' نوڈلز' میکرونی تو اسے ضرور چاہیے ہوتا تھا۔

کبھی کبھی تو لاروش اغولان چڑ بھی جاتی تھی اور کبھی خوشگوار حیرت بھی ہوتی تھی خوش فہمیوں کے ایک نئے جہاں نے اس کے دل میں گھر کرنا شروع کر دیا تھا وہ بس شام کی چائے وغیرہ پی کر گھر سے باہر اپنے دوستوں کے ساتھ گپ شپ کرنے نکل جاتا بے شک وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ہوٹلنگ کرتا رات کے کتنے ہی بجے وہ گھر آتا لاروش اغولان کو اٹھا کے ضرور کچھ نہ کچھ بنوا کے کھاتا تھا کیونکہ ٹی وی یا نیٹ دیکھنے کے ساتھ اسے کھانے کا حد درجہ شوق تھا اور لاروش اغولان نیند کی چور اس کے لیے لازمی بنا کے ... تھی ... بی جان بے خبر سو رہی ہوتی تھیں جب وہ اسے اٹھانے آتا تھا۔

لاروش اغولان بہت خوش رہنے لگی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کی تکلیفوں اور آزمائشوں کے دن بہت جلد اب ختم ہو جائیں گے مگر کبھی کبھی اسے بہت غصہ آتا تھا اور تکلیف بھی ہوتی تھی جب حنین آفریدی سمعیہ زیدی سے فون پر عشق اور محبت کی باتیں کرتا تھا۔ عہد و پیماں کی قسمیں کھاتا تھا اپنی چاہت اس پر لٹاتا بلند ارادوں کی باتیں کرتا۔

سمعیہ زیدی سے ایسی کھلی اور بے باک گفتگو کرتا کہ وہ شرم وحیا سے کٹ کے رہ جاتی تھی۔ اسے یہ بھی احساس نہیں ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ اس کے سامنے اس کی بیوی لاروش اغولان موجود ہے، اس کے دل پر کیا گزرے گی مگر حنین آفریدی نے تو پہلے دن ہی اسے یہ بات باور کرادی تھی کہ وہ اپنی زبان پر ہونٹوں پر قفل ڈال لے۔ کسی کو کچھ نہ بتائے۔ وہ بے چاری خاموش ہی رہی مگر اسے ایسا لگتا کہ ہواؤں کا رخ بدل رہا ہے۔

لاروش اغولان نہیں جانتی تھی کہ وہ بہت بڑی غلطی پر ہے۔ اس کی سوچوں کے دھارے الٹی سمت چلیں گے جو ابھی وہ دیکھ نہیں پا رہی تھی۔

اس وقت شام کے چھ بجے تھے۔ حنین آفریدی اوپر سے خوب نک سک سا تیار ہو کر خود کو پرفیوم کی بارش میں نہلاتا نیچے آرہا تھا۔ لاروش اغولان مغرب کی نماز پڑھ کر بی جان کے کمرے میں جا رہی تھی کہ تیز خوشبو کے جھونکے نے اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس نے نظر اٹھا کے دیکھا تھا۔

بلیک جینز پر ریڈ فیٹنگ کی ٹی شرٹ اس کی گوری رنگت پر خوب کھل رہی تھی۔ وہ ڈرشنگ وہینڈسم سا خوب صورت سا حنین آفریدی اس کی قسمت تھا، بھی حنین آفریدی نے اس کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ اس سے پیار کے دو بول نہیں بولے مگر ہو تو اس کو اپنے دل کا دیوتا مانتی تھی اس کی پرستش کرتی تھی۔ حنین آفریدی اس کی آتی جاتی سانسوں میں بہتا تھا خوشبوؤں کی طرح وہ اس کے گرد حصار بن کے رہتا تھا۔ بے شک وہ حنین آفریدی سے پیار کرتی تھی۔ بے انتہا چاہتی تھی مگر وہ بھی اس نے اپنے کسی رویے سے اس پر ظاہر نہیں کیا تھا لیکن اس کا ایمان تھا یقین تھا کہ حنین آفریدی کو ہمارے رشتے کا ضرور احساس ہو گا اس کا شوہر اس کی جانب پلٹے گا۔ اللہ رب العزت نے نکاح کے دو بول میں اتنی کشش رکھی ہے کہ وہ اپنا ہونے کا احساس ضرور دلاتا ہے اور لاروش اغولان کو اسی دن کا انتظار تھا۔ سمعیہ زیدی جیسی تھی ہی لڑکیاں صرف وقت کا زیاں ہیں، ایسی لڑکیوں سے پیار نہیں صرف فلرٹ کیا جا سکتا ہے۔

''یہ تم کہاں چلے اتنا بن سنور کے؟'' لاروش اغولان اس قدر اس کو دیکھنے میں منہمک تھی کہ یہ بھی احساس نہیں ہوا کب وہاں زوباریہ آگئی ہیں۔

لاروش اغولان بری طرح چونکی تھی بلکہ اپنی نادانی پر شرمندہ بھی ہوئی۔ اب ایسی بھی کیا دیوانگی کہ ارد گرد کا ہوش ہی نہیں رہے۔

''مم آج میرے فرینڈ ارسل کی برتھ ڈے ہے۔''

حنین آفریدی بغیر لاروش اغولان پر نظر ڈالے زوباریہ کے گلے کا ہار بنتا تھا۔

''ضرور ہو گی اس لیے تمہاری تیاری کو دیکھ کر لگتا ہے کہ کمرے کا کیا حال کیا ہو گا۔'' زوباریہ نے اس کی اتنی نک سک تیاری کا اوپر سے نیچے تک کا جائزہ لیا تھا۔

''وہ ایکچولی مجھے سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ کیا پہنوں تو......'' وہ چہرہ نیچے کیے سر کھجانے لگا تھا۔ ہونٹوں پر بڑی شریر مسکراہٹ تھی۔

''بھئی! لاروش نے کوئی دو گھنٹے لگا کر تمہارا کمرہ سمیٹا تھا۔'' زوباریہ نے حنین آفریدی کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا تھا۔ انداز سے ناراضی صاف ظاہر تھی۔

''تو لاروش دوبارہ کرلے گی۔'' اس نے بھی ڈھٹائی سے کہا تھا۔

''نہایت ہی ڈھیٹ ہو تمہیں ذرا شرم نہیں آرہی نا یہ کہتے ہوئے۔'' زوباریہ نے گھور کے دیکھا تھا۔ وہاں کھڑی

لاروش اغولان نے بھی اس کی ڈھٹائی کو خاموشی سے دیکھا تھا اور پھر زوباریہ کو جو مسلسل اسے ڈانٹ رہی تھیں مگر وہ بھی حنین آفریدی تھا۔ڈھیٹوں کا سردار۔

''السلام علیکم گائز۔''

زوباریہ نے اور حنین آفریدی دونوں نے ایک ساتھ داخلی دروازے کی سمت دیکھا تھا۔لاروش اغولان بھی پلٹی تھی اور اس نئے چہرے کو تکنے لگی تھی جس کی طرف حنین آفریدی تیزی سے بھاگا تھا۔

''سلجوق بھیو......''

حنین آفریدی اپنے بڑے بھائی کی سمت بھاگا تو سلجوق آفریدی نے اپنے دونوں ہاتھ اسے گلے لگانے کے لیے پھیلا دیے تھے جس میں وہ سما گیا تھا۔

''آنے کی خبر کیوں نہیں دی آپ نے؟''

''پھر تمہارے چہرے پر یہ خوشی کیسے دیکھ پاتا اس لیے برادر سرپرائز ہی رکھا تھا۔''

سلجوق آفریدی نے مسکراتے ہوئے اپنے چھوٹے چہیتے بھائی کو دیکھا اور پھر دونوں ایک ساتھ زوباریہ کی سمت بڑھے تھے۔

''کیسی ہیں مما آپ؟''

''ٹھیک ہوں تم سناؤ کیسے ہو؟''

زوباریہ نے محبت سے اپنے بہادر فوجی بیٹے کا دیکھا تھا جس کے مضبوط چوڑے وجود پر فوجی وردی بہت جچ رہی تھی۔جانے کیوں آنکھیں نمی سے بھرنے لگی تھیں شاید اتنے دن بعد دیکھ رہی تھیں۔

''میں بھی ٹھیک ہوں بس ذرا ہلکا سا فلو ہو گیا تھا جس کی وجہ سے فیور بھی ہو گیا تھا مگر اب بالکل ٹھیک ہوں اور مزید آپ لوگوں کو دیکھ کر ہو جاؤں گا۔'' سلجوق آفریدی نے زوباریہ کے دونوں ہاتھ عقیدت سے تھامے تھے۔

''کب ہو گیا تھا بتایا کیوں نہیں۔میری جان دوائی وغیرہ لی ڈاکٹر کو دکھایا؟'' زوباریہ کے چہرے پر ممتا سے بھری فکر در آئی تھی۔

انہوں نے سلجوق آفریدی کے چہرے پر گلے پر ہاتھ رکھ کے ٹمپریچر چیک کیا تھا جو کہ بالکل ٹھیک تھا۔سلجوق آفریدی ان کی فکر پر ہولے سے مسکرا دیا تھا اور نہایت نرمی سے ان کے ہاتھ تھام کر اس پر بوسہ لیا تھا۔

''آئی ایم آل رائٹ مما...... میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔''

حنین آفریدی بھی فکر سے اسے دیکھنے لگا تھا مگر جب مطمئن ہو گیا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے تو رگ ظرافت پھر پھڑکنے لگی تھی۔

''سلجوق بھیو کہیں کسی کے روگ میں تو بیمار نہیں پڑ گئے تھے۔''

''ہنی ہر دم کا مذاق مت کیا کرو۔'' زوباریہ نے اس کو ڈانٹ دیا تھا جس پر سلجوق آفریدی ہولے سے ہنس دیا تھا۔

''مما مت ڈانٹیے اس کو، اس کا تو مزاج ہے ہی کھلنڈرا سا۔'' سلجوق آفریدی نے جانثار نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے بے سنورے بال بگاڑے تھے۔

''ٹھیک کہتے ہو ہنی کو کچھ بھی کہہ لو مگر اس پر کچھ اثر نہیں۔اب دیکھو جانے کس کی برتھ ڈے میں جا رہے ہیں صاحبزادے۔'' زوباریہ نے حنین آفریدی کو دیکھا تھا جس کا بچپنا ابھی تک نہیں گیا تھا۔

"مگر برتھ ڈے میں جانا اب کینسل۔ سلجوق بھیو کی آنے کی خوشی میں آج مابدولت گھر میں ہی رہیں گے۔" نہایت فخر سے اس نے اپنے فرضی کالر جھاڑے تھے۔
"سوچ لو تمہاری گرل فرینڈ ناراض ہو جائیں گی۔" سلجوق آفریدی نے اسے ڈرانے والے انداز میں کہا تھا۔
"سلجوق بھیو میری گرل فرینڈز آپ سے بڑھ کر نہیں ہیں اس لیے جب تک آپ چھٹیوں پر ہیں میں گھر میں ہی ہوں۔"
"پھر تو اپنی ساری گرل فرینڈز کو گڈ بائے کر دو کیوں کہ اب میں مستقل یہیں ہوں۔"
"کیا مطلب......" زوباریہ نے جلدی سے پوچھا تھا۔
"مطلب یہ مما کہ میری پوسٹنگ اب یہیں کراچی میں ہی ہو گئی ہے۔"
"رئیلی سلجوق بھیو۔" سب سے زیادہ خوشی حنین آفریدی کو ہوئی تھی۔
"یس مائی نوٹی برادر۔" سلجوق آفریدی نے اپنا کیپ اس کے سر پر رکھا تھا اسی اثناء میں مسکراتے ہوئے اس کی نظر اب وہیں کھڑی لاروش اغولان پر پڑی تھی۔ سلجوق آفریدی نے خاموشی سے بغور لاروش اغولان کو دیکھا تھا۔
"اگر میں غلط نہیں ہوں تو یہ لاروش ہیں؟" سلجوق آفریدی کی نظروں میں پسندیدگی کے رنگ ابھرے تھے۔
زوباریہ نے سلجوق آفریدی کے دیکھنے پر لاروش اغولان کو دیکھا تھا اور پھر اپنی بے پروائی پر تھوڑا غصہ بھی آیا تھا۔
"ارے دیکھو ذرا تمہارے آنے کی خوشی میں، میں اپنی پیاری سی بیٹی کو بالکل ہی نظر انداز کر گئی۔" زوباریہ آگے بڑھیں اور لاروش اغولان کو خود سے لگایا۔
"سلجوق آپ نے بالکل ٹھیک پہچانا یہ لاروش ہے۔ میری بہت ہی پیاری سی بیٹی۔"
سلجوق آفریدی کے دیکھنے پر لاروش اغولان نے سلام کیا تھا۔
"وعلیکم السلام۔ خوش رہو مما جیسا آپ نے بتایا ہے یہ اس سے زیادہ انوسینٹ اور پیاری ہیں۔" سلجوق آفریدی نے مسکراتے ہوئے اس کا معصوم چہرہ دیکھا تھا۔
لاروش اغولان، سلجوق آفریدی کے دیکھنے پر اور پھر اس کی تعریف پر جھینپ کر رہ گئی تھی بلکہ جانے کیوں ایک چور سی نظر حنین آفریدی پر بھی ڈالی تھی جس کی موجودگی میں ہی وہ خود محفوظ سمجھتی تھی۔
"اور آپ کی پیاری سی بیٹی آج ڈنر میں کیا کھلا رہی ہیں؟" حنین آفریدی نے اپنے جانے کا ارادہ کینسل کر دیا تھا۔
"تمہیں تو بس کھانے کی ہی سوجتی ہے اور آج میری بیٹی کھانا نہیں بنائے گی آج کی ساری ڈشز خانساماں بنائے گا۔" زوباریہ نے قطعی طور پر انکار کر دیا تھا۔ آج لاروش اغولان کو کچن میں کام کرنے سے۔
"تو مما مجھ سے نہیں کھایا جائے گا۔" حنین آفریدی نے برا سا منہ بنایا تھا جس پر سلجوق آفریدی مسکرا دیا تھا۔
"اینڈ ہائے داوے آپ تو شاید اس قدر بن سنور کر کہیں جا رہے تھے۔" سلجوق آفریدی نے اپنے پیارے چہیتے بھائی کو محبت سے دیکھا تھا۔
"جا تو رہا تھا مگر آپ کے آنے کی خوشی میں کینسل ہو گیا ہے۔"
"سوچ لو تمہاری گرل فرینڈز ناراض ہو جائیں گی۔"

(جاری ہے)

ردا کی ڈائری

شیریں تبسم کی ڈائری سے

انلیم اظہر کی غزل

ذرا چنچل، ذرا سی شوخ جیسی
کرے جو بات اکثر ہو وہ میٹھی
جونہی وہ آئے بزم دبا غ جھومیں
بہت سے رنگ لے کر ایک تتلی
اگر تم دور سے بھی دیکھ لو تو
بہت سے لوگ ہوں پر منفرد سی
سنو تو رس سماعت میں یہ گھولے
ملو تو ہے ادا جس کی انوکھی
سبک رفتار، شیریں لب و لہجہ
کہاں دیکھی ہے کوئی اور ایسی

سیدہ فرزین حبیب کی ڈائری سے

ایک غزل

ادھورے پن کی یہ رفتہ رفتہ تکمیل کرتی تھی
محبت زندگی کو حسن میں تبدیل کرتی تھی
کبھی سوچا بھی ہے تو نے کہ وہ مغرور سی لڑکی
نہ جانے کیوں تیرے ہر حکم کی تعمیل کرتی تھی
نہیں روتی ہے اب وہ بند کمرے میں گھٹ کر
وہ اپنے آنسوؤں کو شعر میں تمثیل کرتی تھی
ساغر ڈوب جاتے تھے بنا سوچے بنا سمجھے
وہ اپنی آنکھ کو جب خاموشی سے جھیل کرتی تھی

دیا کی ڈائری سے

ایک نظم

نہیں بدلے دیکھو ہم تو اب بھی کہتے ہیں
کہا نا پیار ہے تم سے
تو پھر کیوں ضد تمہاری ہے؟
کہ جب بھی میں ملوں تم سے
یہی اظہار ہو لب پہ
مجھے تم سے محبت ہے
تمہیں معلوم ہے جاناں!
محبت تو محبت ہے
یہ تو آنکھوں میں دکھتی ہے
حسیں سے خواب کی صورت
اسے کہنا نہیں پڑتا
بہت چُپ چاپ سا جذبہ ہے
دبے پاؤں ہی چلتا ہے
مگر جو نقش اس کے ہیں
بہت ہی گہرے ہوتے ہیں
انہیں کہنا نہیں پڑتا
مگر اظہار کی خوشبو سے
کبھی آنکھوں کی شوخی سے
تو پھر کیوں ضد تمہاری ہے
یہی اظہار ہو لب پہ
مجھے تم سے محبت ہے

ریما نور رضوان کی ڈائری سے

فراز احمد فراز کی نظم

مجھے تم سے اتنی محبت ہے
کہ جیسے سورج کو حدت سے
جذبے کو شدت سے
ساگر کو روانی سے
ابر کو پانی سے
رات کو اندھیرے سے
صبح کو سویرے سے
ہوا کو شور سے
طوفان کو زور سے
ماہی کو سمندر سے
ساقی کو جام سے
شاعر کو قلم سے
موتی کو سیپ سے
پروانے کو دیپ سے
مجھے تم سے ایسی محبت ہے

سحر انجم کی ڈائری سے

نامعلوم شاعر کی نظم

بے قرار موسم میں
یاد کے جھرنکوں سے
پھر
تم ہی سے ملنے کی
دل میں کتنی خواہش ہے
آج کل نومبر کی
پھر اداس شامیں ہیں
دسمبر کے آنے میں
وقت تھوڑا باقی ہے
ان اُجاڑ آنکھوں میں
زرد زرد راتیں ہیں
اس سرد موسم میں
ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں
نومبر جانے والا ہے

سعدیہ عابد کی ڈائری سے

خلیل اللہ فاروقی کی غزل

ناکام نہیں ناشاد نہیں
میں قیس نہیں فرہاد نہیں
پنوں بھی نہیں رانجھا بھی نہیں
وامق بھی نہیں مرزا بھی نہیں
وہ لوگ تو بس افسانہ تھے
اس شدت سے بیگانہ تھے
میں زندہ ایک حقیقت ہوں
سرتاپا جذبۂ الفت ہوں
میں تم کو دیکھ کر جیتا ہوں
ہر لمحہ تم پہ مرتا ہوں
میں ایسی محبت کرتا ہوں
تم کیسی محبت کرتی ہو؟
شیریں بھی نہیں لیلیٰ بھی نہیں
میں ہیر نہیں عذرا بھی نہیں
وہ قصہ ہیں افسانہ ہیں
وہ گیت ہیں پریم ترانہ ہیں
میں زندہ ایک حقیقت ہوں
میں جذبۂ عشق کی شدت ہوں
میں تم کو دیکھ کے جیتی ہوں
میں ہر پل تم پہ مرتی ہوں
میں ایسی محبت کرتی ہوں
تم کیسی محبت کرتے ہو؟

......☆......

نورین ملک

اشعار

سباس گل.............. رحیم یار خان
ہم کو جانا ہے لوٹ کر آخر
مستقل یہاں قیام کس کا ہے؟

افشاں علی.............. کراچی
توڑ کر جوڑ لو چاہے دنیا کی ہر چیز
سب کچھ قابل مرمت ہے ایک اعتبار کے سوا

فرزانہ شوکت.............. کراچی
حقیقت کے نگر میں جاگتے لمحوں میں پھیلے گا
میرا خواب تمنا شہر کے رستوں میں پھیلے گا
محبت رنگ ہے ایسا کہ روکے سے نہیں رکتا
کبھی پھولوں میں بکھرے گا کبھی تاروں میں پھیلے گا

حنا علی.............. ملتان
ہر ایک شب مری تازہ عذاب میں گزاری
تمہارے بعد تمہارے ہی خواب میں گزری
میں ایک پھول ہوں، وہ مجھ کو رکھ کے بھول گیا
تمام عمر اسی کی کتاب میں گزری

ریما نور رضوان.............. کراچی
کیسے کرے گا تو میری چاہت کا اندازہ فراز
میرے پیار کا سمندر تیری سوچ سے بھی گہرا ہے

عاصمہ رشید.............. فیصل آباد
اسے کہو میرے وجود میں وفا کی روشنی اتار دے
پھر اتنا پیار دے کہ مجھے چاہتوں میں مار دے

راؤ تہذیب حسین تہذیب.............. رحیم یار خان
حال یہ ہے کہ کوئی حال نہیں ہے میرا
جو ندامت میرے احوال میں کیا رکھا ہے

آپ کی چشم عنایت ہے یہ آقا ورنہ
مجھ گناہ گار کے اعمال میں کیا رکھا ہے

عابد محمود.............. ملکہ ہانس
وہ عالم تھا تمہاری کھوج میں میری نگاہوں کا
تمہارے بعد میں نے دن گزارے آنکھ میں اکثر

عمارہ شاہ.............. کوئٹہ
وفا کی قدر تو کسی سے نہ ہو سکی
ان کی جفا پہ ایک زمانہ نثار تھا

اریشہ.............. کمالیہ
یہی بہت ہے کہ بیٹھا ہے سر جھکائے ہوئے
مجھے اجاڑ کے وہ شخص شرمسار تو ہے

روشی فیصل.............. کراچی
تیرے بنا ہم جینا بھول جاتے ہیں
زخموں کو سینا بھول جاتے ہیں
تو زندگی میں سب سے عزیز ہے ہمیں
تجھ سے ہر بار یہی کہنا بھول جاتے ہیں

ثناء حیات.............. کراچی
کوئی اس طرح میرے ساتھ عداوت کرتا
قید کر لیتا مجھے اور حکومت کرتا
میں نے یہ کب کہا تھا کہ وہ سب کو چھوڑے
وہ اپنے انداز سے کرتا پر محبت کرتا

مریم نواز.............. فیصل آباد
اگرچہ کوئی بھی اندھا نہیں تھا
لکھا دیوار کا پڑھتا نہیں تھا

تم ہی نے کون سی اچھائی کی ہے
چلو مانا کہ میں اچھا نہیں تھا
نوشین مدثر..........لاہور

آگہی کا عذاب اب باقی ہے
کھل گئی آنکھ خواب باقی ہے
وقت تتلی تھا اڑ گیا کب کا
ڈائری میں گلاب باقی ہے
امبرین حیدر..........اسلام آباد

کچھ تجھ کو محبت پہ یقین تھا نہ وفا پر
کچھ دکھ میری تقدیر میں لکھا بھی بہت ہے
بینائی اندھیروں سے بھلا کیسے بچاتا
اک شخص ترے ہجر میں جاگا بہت ہے
عانیہ نیازی..........ربوہ

ہم نہ ہوں گے تو کون منائے گا تمہیں
یہ بری بات ہے ہر بات پہ روٹھا نہ کرو
محبت توقیر..........چیچہ وطنی

یہ اونچے پیڑ کیسے ہیں
کہیں سایہ نہیں کرتے
بہت اجڑے ہوئے گھر پر
بہت سوچا نہیں کرتے
ماہ نور..........فیصل آباد

تمہارے رنج سے اٹھتے رہے سوال بہت
گئے دنوں کا بھی آتا رہا خیال بہت
کنزیٰ شاہ..........بھکر

اُسے گلہ رہا کہ توجہ نہ دی اسے
لیکن ہمیں تو خود اپنی رفاقت نہیں ملی
شمائلہ ناز..........پنڈی گھیب

پھر اس کے بعد آنکھوں میں بس گیا وہ شخص
اگرچہ ہم نے اسے بے دلی سے دیکھا تھا
رامین ذوالفقار..........کراچی

ہونٹوں پر اک چپ سی جمی رہ جاتی ہے
دل کی اکثر دل میں دبی رہ جاتی ہے

لوگ بچھڑ جاتے ہیں اور تصویر ان کی
آنکھوں میں تاعمر بجی رہ جاتی ہے
رابعہ منیر..........سرگودھا

مثال موسم کی دوں یا تمہاری؟
کسی نے پوچھا ہے بدلنا کس کو کہتے ہیں
عائبہ..........لاہور

یاد آؤں تو بس اتنی سی عنایت کرنا
اپنے بدلے ہوئے لہجے کی وضاحت کرنا
تم تو چاہت کا سمندر ہوا کرتے تھے
کس سے سیکھا ہے محبت میں ملاوٹ کرنا
عانیہ نیازی..........ربوہ

مت یاد آیا کر اتنا کہ رات بھر سو نہ سکیں
صبح کو سرخ آنکھوں کا سبب پوچھتے ہیں لوگ
سمیرا راؤ..........لاہور

کچھ میں بھی تھک گئی ہوں اسے ڈھونڈتے ہوئے
کچھ زندگی کے پاس بھی مہلت نہیں رہی
اس کی اک اک ادا سے جھلکنے لگا خلوص
جب مجھ کو اعتبار کی عادت نہیں رہی
نوشین مدثر..........لاہور

غم زندگی تیری راہ میں شب آرزو تیری چاہ میں
جو اجڑ گیا وہ بسا نہیں جو بچھڑ گیا وہ ملا نہیں
امبرین حیدر..........اسلام آباد

اک فسانہ ہے زندگی لیکن
کتنے عنوان ہیں اس فسانے میں
چاک داماں کی خبر ہو یارب
ہاتھ گستاخ ہیں زمانے کے
دھنک ناز..........کراچی

جانے کیوں ہر امتحان کے لیے
زندگی کو ہمارا پتہ یاد ہے

......☆......

اس ماہ میں

اس ماہ کی حمد باری تعالیٰ

اے رب کائنات، اے مالک دو جہاں
تو ہر سو، ہر جا ہ تیری ذات ہے کون و مکاں
تو رحیم ہے تو رحمٰن ہے
سب کو عطا کرنا بس تیرا کام ہے
ہم تیرے گناہ گار تیرے خطا کار ہیں
مگر تیری رحمتیں ہم پر بے شمار ہے
یا بدیع تیرا کمال ہے
ہر شے میں تیرا جمال ہے
تو ستاروں پر ڈالے کمند
چاہے تو چاند کو اچھال دے
تو وحدہ لاشریک ہے
شہ رگ سے بھی تو قریب ہے
ہمیں بخش دے ہمیں معاف کر
ہمیں گناہ سے نکال دے
تو نور ہے ہادی ہے تو!
ہمیں سیدھے رستے پہ ڈال دے
اے رب کائنات اے میرے خدا
کہاں سے لاؤں میں وہ زباں
جو کر سکے تیرا شکر ادا
تو بصیر ہے تو رب ذوالجلال ہے
مجھے بس ایسی چال دے
کہ زمانہ میری مثال دے
تو غفور ہے تو غفار ہے
ہے فرزین تیرے در کی گدا
بس اس کی ہر بلا کو ٹال دے (آمین)

سیدہ فرزین حبیب۔ کراچی

اس ماہ ہماری بھی سنیے!

✦ کسی دانشور نے کیا خوب کہا ہے کہ عورت اور موسیقی کبھی پرانی نہیں ہوتی۔
☆ یقیناً اس دانشور کی شادی نہیں ہوئی ہوگی۔
✦ صحت مند بیوی کے ملنے پر شوہر سر پر آسمان کیوں اٹھا لیتے ہیں؟
☆ اب وہ بیوی ویٹ بیوی کو تو سر پر اٹھانے سے رہے۔
✦ کسی بھی گھر میں دولت، عورت کی قسمت کی وجہ سے آتی ہے۔
☆ اور تباہی و بربادی بھی......!
✦ کنوارے مرد عموماً اچھے باورچی ہوتے ہیں۔
☆ اور شادی شدہ اچھے ملازم۔
✦ عورت عظیم ہے، جس نے ہمیشہ اپنے شوہر کے عیبوں پر پردہ ڈالا۔
☆ اور اپنے عیب آزادانہ فیشن کی آڑ میں نمایاں کیے۔
✦ معاشرے کے لیے سب سے بڑا دردِ سر کنوارے لڑکے ہوتے ہیں۔
☆ جب کہ جوان کنواریاں، دردِ دل کا باعث ہوتی ہیں۔
✦ اے مردوں! تم عورت کو طاقت سے نہیں جیت سکتے۔

☆ بالکل درست! عورت کو جیتنا ہے تو دولت سے، خوشامد سے جھوٹی تعریف سے جیتو۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

اس ماہ کا اقتباس

دانا اور غلام عجمی

حضرت شیخ سعدیؒ فرمودہ اند کہ ایک غلام عجمی ایک کشتی میں بیٹھا جا رہا تھا اس نے پہلے کبھی دریا کی صورت نہ دیکھی تھی۔ بیچ دھارے کے کشتی پر موجوں کے تھپیڑے جو پڑے تو لگا چیخنے چلانے اور واویلا مچانے۔ ہر چند لوگوں نے دلاسہ دیا۔ پکڑ پکڑ کر بٹھایا لیکن کسی حسرت زدہ دل کی بے قراری کو قرار آیا ایک دانا بھی کشتی میں بیٹھا تھا۔ شیخ سعدیؒ کے زمانے میں دانا اسی طرح جابجا موجود رہتے تھے جس طرح ہر بس میں ایک کنڈیکٹر اور ہر محکمے میں افسر تعلقات عامہ ہوتا ہے اس نے لوگوں کی طرف داد طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ تم لوگ کہو تو میرے پاس ایک ترکیب ہے اسے ابھی خاموش کرا دوں؟ مسافر بے لطف ہو رہے تھے فارسی میں بولے۔ ''ازیں چہ بہتر'' اس پر اس نے مسافر مذکور کو دریا میں پھنکوا دیا اور جب وہ چند غوطے کھا کر ادھ موا ہو گیا تو ملاحوں سے کہا اب اسے کشتی میں گھسیٹ لاؤ۔ احتیاط کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ ملاحوں سے پوچھ لیتا کہ بھائیوں تمہیں تیرنا بھی آتا ہے؟ فرض کیجیے وہ تیراکی میں اس دانا کی طرح اور ہماری طرح کورے ہوتے تو غضب ہو جاتا۔ دانا صاحب کی بھد ہو جاتی۔ مقدمہ الگ ان پر چلتا لیکن خیر ایک ملاح اسے کشتی کے قریب گھسیٹ لایا اور وہ شخص دونوں ہاتھوں سے کشتی کے کنارے کو پکڑ کر اس پر سوار ہو گیا اور آرام سے چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھا۔ لوگوں نے حیران ہو کر پوچھا۔ اس میں کیا بھید ہے؟ اس زمانے میں لوگ عموماً کند ذہن ہوتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پوچھنے کے لیے داناؤں کے پاس دوڑے جاتے تھے۔ دانا نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ اے سادہ لوگو! یہ شخص اس سے پہلے نہ غرق ہونے کی مصیبت کو جانتا تھا نہ کسی کو سلامتی کا ذریعہ مانتا تھا اب دونوں باتوں سے واقف ہو گیا ہے تو آرام سے بیٹھ گیا نتیجہ یہ نکلا۔ لیکن نتیجہ نکالنے کا ہمارے پاس وقت نہیں۔

انشاء جی کی اردو کی آخری کتاب سے اقتباس

عائشہ نیازی۔ ربوہ

یہ بچھڑنے والے

کسی کا بچھڑ جانا قیامت سے کم تو نہیں ہوتا، ایسی صورتیں جو ہمارے دلوں کے قریب رہتی ہیں۔ جو روحوں میں اتر جاتی ہیں۔ جن کے دم سے دنیا آباد لگتی ہے۔ جن کے ہونے سے اپنے ہونے کا احساس جیتا ہے۔ وہ بچھڑ جائیں، عدم کی وادیوں میں کھو جائیں، قضا کے جبڑے میں پھنس جائیں۔ موت کے شکنجے میں آ جائیں، تو قیامت ہی آ جاتی ہے۔ زندگی زندگی نہیں رہتی، اسے جیتے ہوئے بھی موت آ جاتی ہے اور پھر جو بھی وقت گزرتا ہے وہ زندگی کا نہیں موت کی زندگی کا وقت ہوتا ہے۔

(رضیہ بٹ کے ناول گل بانو سے انتخاب)

عابد محمود، ملکہ ہانس

اس ماہ کی ہری مرچیں

☆ سورج اور بیوی میں ایک بات مشترک ہے کہ دونوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا جا سکتا۔

☆ شادی ایک ایسا بندھن ہے جس میں دو شریف شہریوں کو خواہ مخواہ ایک دوسرے سے لڑنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔

☆ دو بے وقوف مل کر ایک عقل مند نہیں بن سکتے میاں بیوی بن سکتے ہیں۔

☆ وہ اسے ایک ذہین لڑکی نظر آئی تھی اس لیے اس نے اس سے شادی کرنا چاہی لیکن لڑکی نے انکار

کردیا کیوں کہ وہ واقعی ذہین تھی۔

☆ شادی دردِ دل کا علاج ضرور ہے لیکن اس سے بہت سے دردسر پڑ جاتے ہیں۔

☆ شادی محبت ہے اور محبت اندھی ہوتی ہے اس لیے شادی ایک ایسا ادارہ ہے جو دو اندھوں کے لیے قائم کیا گیا ہے۔

☆ محبت چار حروف اور دو احمقوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

☆ تین چیزیں اندر سے ہمیشہ خالی رہتی ہیں حکومتی خزانہ شوہر کی جیب اور عورت کا سر۔

☆ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہوشیار مرد اچھے شوہر ثابت ہوتے ہیں۔ عجیب احمقانہ سی بات ہے ہوشیار مرد بھلا شادی شدہ ہی کب ہوتے ہیں۔

امبرین حیدر۔ اسلام آباد

اس ماہ کے لطیفے

ایک بڑھیا سڑک پر چلتے ہوئے گر پڑی۔ ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر بڑھیا کو اٹھایا تو بڑھیا نوجوان کو دعا دیتے ہوئے بولی۔ "بیٹا تو نے مجھے اٹھایا اللہ تجھے اٹھائے گا۔"

☆☆

ایک آدمی نے رکشہ ڈرائیور سے پوچھا۔
"عسکری پارک کے کتنے لو گے؟"
رکشہ ڈرائیور بولا۔ "عسکری پارک کیا میرے باپ کا ہے۔"

☆☆

مریض نے ڈاکٹر سے پوچھا۔ "ڈاکٹر صاحب! سنا ہے آپ شراب چھڑواتے ہیں؟"
ڈاکٹر نے کہا۔ "گارنٹی کے ساتھ کل ہی میرے دوست کی پانچ پیٹی پکڑی گئی تھی وہ میں نے چھڑوائی۔"

دھنک ناز۔ کراچی

اس ماہ کا فلسفہ

محبت ایسا سپنا ہے جسے جتنا کوئی دیکھے نیا محسوس ہوتا ہے۔ ایسا منظر ہے جسے تصویر کرنے میں زمانے بیت جاتے ہیں۔ ایسا وعدہ ہے کہ کسی کے ساتھ ہو جائے تو پھر توڑا نہیں جاتا۔ وہ تعلق ہے کہ جس کے ساتھ ہو جائے اسے چھوڑا نہیں جاتا۔ محبت ایک پہیلی ہے کہ جس کو راس آجائے تو پھر اس کی پہیلی ہے محبت وہ کہانی ہے کہ جتنا بھی کوئی بھولے ہمیشہ یاد رہتی ہے، محبت پاس رہتی ہے۔

حنا علی۔ ملتان

اس ماہ کے سوال

☆ مستقبل کے بارے میں کون سوچتا ہے مرد یا عورت؟
◆ شادی سے پہلے عورت اور شادی کے بعد مرد۔
☆ ہر روز بھیگی بلی بننے والا شوہر شیر کب بنتا ہے؟
◆ جب بیوی میکے گئی ہو۔
☆ کیا دور رہنے سے محبت بڑھتی ہے؟
◆ محبت کا تو نہیں پتہ ٹیلی فون کا بل ضرور بڑھتا ہے۔
☆ شادی والے دن دولہا کو کس بات کی مبارک باد دی جاتی ہے؟
◆ آہیں بھرتے رہنے میں اضافے کی۔
☆ اگر کسی کی بیوی مر جائے تو مرد دوسری شادی کر لیتا ہے لیکن کسی کا ضمیر مر جائے تو؟
◆ تب تو اسے چار شادیاں ضرور کرنی چاہئیں۔
☆ سیاستدان اور ڈاکو میں کیا فرق ہے؟
◆ ڈاکو پہلے لوٹتا ہے پھر جیل جاتا ہے جب کہ سیاستدان پہلے جیل جاتا ہے پھر لوٹتا ہے۔

نوشین مدثر۔ لاہور

اس ماہ کا ڈراپ سین

میں ایک اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہوں اور میرے پاس وسیع اختیارات ہیں۔ ملک بھر میں میری بے حد عزت و شہرت ہے۔ بقول مفکرین علم و دانش

میں بھی میرا کوئی ثانی نہیں ہے۔ میری صحت قابل رشک ہے میرے گھر میں دولت کی ریل پیل ہے میرے آگے پیچھے نوکروں کی فوج موجود ہوتی ہے۔ میں کئی ہزار ایکڑ زمینوں کا مالک ہوں۔ میرے فارم میں تالاب مچھلیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

میری بیوی بہت نیک سیرت اور انتہائی خوب صورت ہے۔ میرے خالو فوج میں جنرل ہیں۔ میرا بھائی ڈی ایس پی ہے میری اولاد نیک سعادت مند اور......!

"ارے اٹھو! میں کہتی ہوں اب اٹھ بھی جاؤ۔ گھر کے دروازے پر مالک مکان گزشتہ تین ماہ کا کرایہ مانگ رہا ہے۔ جلدی سے اٹھ جاؤ ورنہ وہ گھر کا سامان باہر گلی میں پھینک دے گا۔"

روشنی فیصل۔ کراچی

اس ماہ کی نمکین غزل

بچوں کو ایک توس پر ٹرخا رہا ہوں میں
مہنگائی کی وجہ سے مرا جا رہا ہوں میں
فلمیں پرانی دیکھنا کار ثواب ہے
انور کا قول ہے جسے دہرا رہا ہوں میں
سی ڈی ان کی دیکھ رہا ہوں مزے کے ساتھ
روزے بڑے تپاک سے بہلا رہا ہوں میں
سر دس نہیں ملی تو بلا سے نہیں ملے
مُردے بڑے مزے سے جو نہلا رہا ہوں میں
سسرال کا جو مال ہے عاصی حلال ہے
جوڑا سسر کا ساتھ لیے جا رہا ہوں میں

شاعر: مرزا عاصی اختر
انتخاب: نور بانو، کوئٹہ

اس ماہ کی معلومات

☆ کابلی چنوں کا پلاؤ گوشت کے برابر طاقت رکھتا ہے۔

☆ حلوہ کدو سستی و قبض کشا تر کاری ہے۔

☆ کبوتر کا شوربہ لقوہ و فالج کے مریضوں کے لیے غذا اور شافی دوا ہے۔

☆ مٹر گوشت پیدا کرنے والی غذا ہے۔

☆ میتھی کا ساگ اعصاب کو طاقت دینے کی قدرتی غذا ہے۔

☆ بند گوبھی دائمی قبض اور ذیابیطس کی قدرتی غذا ہے۔

☆ کینو دل کے مریض میں مفید پھل ہے۔

☆ لیموں کا اچار موٹاپہ کم کرنے میں معاون ہے۔

☆ مرغابی کا گوشت قوت حافظہ کو مضبوط کرتا ہے۔

☆ آلو بخارا پتے کے امراض کی موثر دوا ہے۔

ریما نور رضوان۔ کراچی

اس ماہ کے اقوال

☆ محبت دکھ نہیں دیتی یہ دکھ ہم خود مستعار لیتے ہیں اپنے غلط فیصلوں اور غلط نقطہ نظر سے۔

☆ اپنے آپ سے محبت اتنا سنگین گناہ نہیں جتنا سنگین گناہ اپنے آپ سے لاپرواہی ہے۔

☆ محبت احساسات کی تفسیر کا نام ہے۔

☆ جب صورت حال خطرناک ہو تو دانا لوگ خاموش رہتے ہیں۔

☆ ہر مرض کا سر چشمہ ہماری بے جا خواہشات ہوتی ہیں۔

☆ حسد، حاسد کو مرنے سے پہلے مار دیتا ہے۔

☆ ہمیشہ سچے لوگوں سے دوستی رکھو، کیونکہ وہ اچھے دنوں میں سرمایہ اور برے دنوں میں محافظ ہوتے ہیں۔

☆ نیت کتنی بھی اچھی ہو، دنیا آپ کو آپ کے دکھاوے سے جانتی ہے اور دکھاوا کتنا بھی اچھا ہو خدا آپ کو آپ کی نیت سے جانتا ہے۔

☆ جب لوگ کسی سے محبت کرتے ہیں تو اس کی برائیاں بھول جاتے ہیں اور جب کسی سے نفرت کرتے ہیں تو اس کی اچھائیاں بھول جاتے ہیں۔

☆ تکلیف میں صبر کرنا اور راحت میں شکر کرنا اعلیٰ ترین انسانی وصف ہے۔

امبرین حیدر......اسلام آباد

......☆......



تکبر سے ممانعت

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ و جنت نے آپس میں جھگڑا کیا آگ نے کہا۔

''میرے اندر سرکش اور متکبر لوگ ہیں۔''

جنت نے کہا۔

''مجھ میں کمزور اور مساکین ہوں گے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا۔

''اے جنت تو رحمت ہے۔ تیرے ساتھ جس کو میں چاہوں گا رحم کروں گا۔'' پھر آگ سے کہا۔

''اے آگ! تو میرا عذاب ہے۔ تیرے ساتھ میں جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا۔ تم دونوں کو بھرنا میری ذمہ داری ہے۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین آدمیوں سے کلام نہیں فرمائے گا اور نہ انہیں پاک قرار دے گا۔ نہ ان لوگوں کو رحمت دے گا۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ان تین آدمیوں میں بوڑھا زانی، ظالم بادشاہ اور متکبر فقیر شامل ہے۔ (مسلم)

ریما نور رضوان۔ کراچی

یادیں

تنہائی کا دکھ بہت گہرا ہوتا ہے۔ سرما کی طویل راتیں ہوں یا پیلی دھوپ بھری اداس دوپہریں۔ بے نیازانہ چلتے چلتے لمحہ بھر کے لیے کوئی بھلا منظر نظروں کے سامنے آتا ہے اور یادوں کے بہت سے در وا کر جاتا ہے۔ یادوں کے تہ خانے میں وہ ولمحات جو اثاثہ کل ہوتے ہیں انہیں کھول کر بیٹھو تو خوب صورت چمکتی یادیں، اذیت دیتی یادیں اور لبوں کو مسکراہٹ بخشنے والی یادیں اس وقت کیا رنگ جماتی ہیں۔ یہ وہی جانتا ہے جو حساس دل رکھتے ہو۔ جانے والے واپس لوٹنے کے لیے نہیں جاتے لیکن کبھی کبھی دل سے ہوک سی اٹھتی ہے۔

کہ بچھڑے ہوئے لوگوں کو صدا دے
اے دل تیری آواز پہ شاید کوئی مڑ کر دیکھے

اور پھر صرف ایک صدا دینا ہی ہماری دسترس میں ہوتا ہے۔ لوٹنے کا اختیار بہرحال مسافر ہی کو ہے اور کبھی یوں بھی ہوا ہے کہ جانے والے منتظر رہے کہ

بچھڑے ہوئے یاروں کی صدا کیوں نہیں آتی
اب روزن زنداں سے ہوا کیوں نہیں آتی
اے موسم خوشبو کی طرح روٹھنے والے
پیغام لے کے صبا کیوں نہیں آتی

کبھی یادوں کی پٹاری کھولو تو بھی رنگ برنگی یادیں جگنوؤں کی طرح آنکھوں کو خیرہ کرتی ادھر ادھر بکھر جاتی ہیں۔ کچھ یادیں تحریر کی صورت میں ہمارے پاس ہوتی ہیں۔ جبھی تو شاعر نے حسینہ کے خطوط اور تصویر بتاں کو زندگی کا سرمایہ قرار دیا ہے۔ آج انہی یادوں سے گھبرا کر میں نے قلم کا سہارا لیا ہے۔ یہ زندگی بہت چھوٹی ہے۔ دوستو اس کو خوشیوں

کے ساتھ گزار لو۔ میری رب کائنات سے یہی دعا ہے کہ اے خدا جو بچھڑ گئے ہیں اپنے پیاروں سے ان کو ملا دے۔ کیونکہ تنہائی کا دکھ بہت گہرا ہوتا ہے۔ جو انسان کو اندر سے دیمک کی طرح کھا جاتا ہے۔

کائنات ارشد۔ شورکوٹ کینٹ

میری ڈائری سے......!

آج میں تھک کر جب شام کو آفس سے گھر لوٹا تو سنبھالنے والا کوئی نہ تھا۔ دیوار پر چسپاں تمہاری بولتی مسکراتی تصویر مجھ سے ہم کلام تھی اور شاید میری طرح اس کی آنکھ بھی نم تھی۔ اسی احساس نے مجھے ساری رات جگائے رکھا کہ زندگی کی تمام خوشیاں تمہاری موجودگی کے سوا کچھ بھی تو نہیں ہیں۔ مجھے تمہارے پہلو میں رہ کر اتنا بھی خیال نہ رہا کہ پھر یہ جدائی مجھے دیمک کی طرح چاٹ جائے گی۔ آنکھوں میں رت جگے آبسیں گے اور لفظ اپنے مفہوم کھو بیٹھیں گے۔

دسمبر کی یہ بھیگتی شام کتنی دلفریب ہے۔ مجھے ان گھڑیوں کی بے ساختہ یاد آرہی ہے۔ جب میں اور تم کسی دسمبر میں ساتھ ہوا کرتے تھے۔ تمہیں اس مہینے کی ٹھٹھرتی شامیں اور کہر میں لپٹی صبحیں بے تحاشا پسند ہیں۔ مجھے بھی اب کے دسمبر میں تمہاری طرح برفباری کا انتظار ہے جو آہستہ سے شگوفوں کی طرح ہمارے جسموں کو چھو جاتی تھی اور یوں معلوم ہوتا کہ جیسے میرے اور تمہارے علاوہ دنیا میں کوئی وجود نہیں ہے۔ میں پارک میں آہستہ آہستہ ٹہل رہا تھا تو درختوں سے گرتے ہوئے خشک زرد پتوں کو دیکھ کر میری آنکھیں بھر آئیں کہ گزرے دنوں میں ہم یہ منظر ساتھ دیکھا کرتے تھے۔

جاناں! تم نے بھی ایسا سوچا ہے کہ ان حسین موسموں کے رنگ کسی کے بچھڑ جانے سے کتنے پھیکے پڑ جاتے ہیں اگر ہو سکے تو دسمبر میں لوٹ آنا اور مجھے وہ لمحے لوٹا دینا جو میں نے تمہارے قرب میں بتائے ہیں۔ تم نے کہا تھا دسمبر سے کہو کہ یہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے کہ اس کے موسم کا رنگ دھڑکنوں کو بھا جاتا ہے اور یہ مہینہ ہماری محبت کا آئینہ دار ہے۔ اگر ممکن ہو تو دسمبر کو روک لینا اور اس کی ٹھنڈی شاموں کی سنسناتی ہواؤں کو ہماری نظروں میں قید کر لینا۔ میں ایسا نہیں کر سکا کہ خوب صورت موسم پلکیں جھپکتے گزر جاتے ہیں۔ چہروں پر اداسی اور دلوں پر اپنے گہرے نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ مجھے معاف کر دینا کہ میں ہزار ہا کوشش کر کے بھی اس گزرتے دسمبر کے ایک لمحے کو بھی روک نہ سکا لیکن میرا وعدہ ہے میں تمہارے ساتھ رہوں گا اور تمہارے چہرے پر وہ دائمی مسکراہٹیں بکھیر دوں گا جو تمہیں ہر موسم میں تسکین دیں گی۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

یاد

جب میرے سینے کے خالی کاسے میں
زخم کے سکے گر کر کھنکھناتے ہیں
تو مجھے بے ساختہ تم یاد آتے ہو!

شاعرہ: ردا شیخ
انتخاب: ریما نور رضوان۔ کراچی

عظیم لوگوں کی عظیم باتیں

☆ اس چیز کے پیچھے مت بھاگو جسے تم سمجھ نہیں سکتے۔ (امام حسینؑ)

☆ صبر میں کوئی مصیبت نہیں اور رونے میں کوئی فائدہ نہیں۔ (ابوبکر صدیقؓ)

☆ جسے شکر کی توفیق ملی وہ نعمتوں کی زیادتی سے کبھی بھی محروم نہ ہوگا۔ (حضرت ابوہریرہؓ)

☆ جو علم کو دنیا کمانے کے لیے حاصل کرتا ہے علم کبھی بھی اس کے قلب میں جگہ نہیں پاتا۔
(امام ابوحنیفہؒ)

☆ جو شخص صبح و شام توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔
(حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ)

☆ طمانیتِ قلب چاہیے تو حسد سے دور رہو۔
(حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ)
☆ ایک عالم کی طاقت ایک لاکھ جاہلوں سے زیادہ ہے۔(بایزید بسطامیؒ)
☆ والدین کی خوشنودی اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔(حضرت خواجہ معین الدینؒ)

علم

تحصیل علم کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان چیزوں سے محبت کرنا سیکھیں جن سے ہمیں محبت کرنی چاہیے اور ان چیزوں سے نفرت کرنا سیکھیں جن سے نفرت کرنی چاہیے۔(افلاطون)

وہ لوگ

◆ کتنے کم ظرف ہوتے ہیں جو دوسروں کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔
◆ کتنے اچھے ہوتے ہیں جو بے غرض دوسروں کے کام آتے اور سچی محبت کرتے ہیں۔
◆ کتنے سنگ دل ہوتے ہیں جو دوسروں کا سکون لوٹ کر خوش ہوتے ہیں۔
◆ کتنے بدقسمت ہوتے ہیں جو سچائی اور خلوص کی قدر نہیں کرتے۔
◆ کتنے عظیم ہوتے ہیں جو دوسروں کی غلطیوں کو معاف کر دیتے ہیں۔
◆ کتنے کھوکھلے ہوتے ہیں جن کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے۔
◆ کتنے ایثار پسند ہوتے ہیں جو دوسروں کی خوشیوں پر اپنی خوشیاں قربان کر دیتے ہیں۔
◆ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں جو اللہ کی خوشنودی کے لیے اس کے بندوں سے پیار کرتے ہیں۔

عائشہ نیازی۔ربوہ

لڑائی

ایک لڑکی کی شادی ہو گئی۔شادی کے پانچ دن بعد اس نے اپنی امی کو فون کر کے کہا۔امی آج میری ان سے لڑائی ہو گئی ہے۔
''کوئی بات نہیں بیٹا! شادی کے بعد میاں بیوی کے جھگڑے چلتے رہتے ہیں۔'' امی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔
''وہ تو ٹھیک ہے امی! لیکن لاش کا کیا کروں؟''
لڑکی نے لاپروائی سے جواب دیا۔

دھنک ناز۔کراچی

نصیب

دعائیں مانگنا اور انتظار کرنا روز اول ہی سے نا صرف لڑکیوں کی قسمت میں لکھ دیا گیا بلکہ ان کی ساری ہستی ان دو چیزوں کے درمیان گھومتی رہتی ہے۔ دعائیں مانگنا اور ہر خوشی کا انتظار کرنا تو جیسے لازم و ملزوم ہیں۔ چاہے دل کے ہر گوشے میں ناامیدی کے زہریلے تیر پیوست ہوں چاہے نصیبوں کی سیاہی نگاہوں کو دھندلائے جا رہی ہیں۔ ہر آس نراس بنتی جا رہی ہو لیکن وہ خاموش لبوں سے دعائیں مانگتی جائیں گی۔

نگہت توقیر۔چیچہ وطنی

محبت کا پیکر

دنیا میں ماں سے زیادہ حسین شے کوئی نہیں ماں کے بغیر زندگی ادھوری ہے۔ ماں تپتے صحرا میں چھاؤں اور موجوں کے سمندر میں کنارہ ہے۔ ماں جنت جانے کا راستہ اندھیری رات میں اجالا اور بارش دھوپ سے بچاؤ کے لیے سایہ ہے۔
ماں محبت کا پیکر ہے ایسی عظیم ہستی سے اس کی عظمت کے مطابق محبت کرو۔ جس نے تمہیں زمانے کی سورج جیسی گرم شعاعوں سے بچائے رکھا اور خود کو جلایا۔ ماں ایک عظیم سرمایہ ہے میری ماں میری دنیا

ہے اللہ تعالیٰ میری ماں کا سایہ ہمیشہ میرے سر پر سلامت رکھے، آمین۔

نوشین مدثر۔ لاہور

وضع داری

ایک محفل میں اس کی ملاقات اپنی سابقہ بیوی سے ہوگئی۔ اِدھر اُدھر کی چند باتوں کے بعد اس نے تجویز پیش کی۔ ''ہم دونوں کو دوبارہ شادی کر لینی چاہیے۔''

سابقہ بیوی یہ سنتے ہی بھڑک اٹھی۔ ''تم سے دوبارہ شادی کرے میری جوتی میں پھر اس عذاب میں مبتلا نہیں ہونا چاہتی۔'' سابقہ بیوی کے تیور دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور دھیمے لہجے میں بولا۔ ''خدا کی قسم تمہاری وضع داری میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی۔''

امبرین حیدر۔ اسلام آباد

تعاون

چندہ مانگنے والے افراد ایک کنجوس کے پاس پہنچے اور اس سے کہا۔

''ہم نے گاؤں والوں کے لیے ایک تالاب بنانا ہے اس لیے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔''

''ہاں ہاں تالاب کی واقعی ضرورت ہے۔''

کنجوس نے اپنے بیٹے کو آواز دے کر کہا۔ ان لوگوں کو تالاب کے لیے دو بالٹی پانی دے دو۔''

نور بانو۔ کوئٹہ

علاج

ایک ڈاکٹر اپنے دوست کے ساتھ پارک میں چہل قدمی کر رہا تھا کہ سامنے سے آتی ہوئی ایک عورت کو دیکھ کر باڑ کے پیچھے چھپنے لگا۔ دوست نے حیران ہو کر پوچھا۔ ''کیوں بھئی کیا ہوا؟''

''میں اس عورت سے بچنا چاہتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''مگر کیوں ایسی کیا بات ہے؟'' دوست نے پوچھا۔

''میں نے اس کے شوہر کا علاج کیا تھا اس لیے یہ مجھ سے خفا ہے۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔

''تو کیا وہ مر گیا؟'' دوست نے دریافت کیا۔

''نہیں! وہ میرے علاج سے ٹھیک ہو گیا تھا۔'' ڈاکٹر نے منہ بسورتے ہوئے جواب دیا۔

مریم نواز۔ فیصل آباد

علم کا پیالہ

علم کے پیالے کو اپنے ہونٹوں سے لگا لو۔ اس کا جو گھونٹ تمہارے حلق سے اترے گا وہ تمہارے دل و دماغ کو سورج کی طرح روشن کرتا جائے گا۔ یہی وہ روشنی ہے جو مشکل سے مشکل اور تنگ سے تنگ راستوں سے گزر کر انسان کو منزلِ مقصود تک پہنچا دے گا۔

صدف مرتضیٰ۔ ملتان

سانحہ پشاور کے نام

ہم چل پڑے کن راہوں پر
جہاں چراغ لہو کے جلائے جاتے ہیں
اپنے ہاتھوں کو کس کے شکنجوں میں
ہاتھوں سے لاشے اٹھائے جاتے ہیں
گلستان میں پھولوں کو تار تار کیا
کیوں خاک میں یہ موتی لٹائے جاتے ہیں
چشم پُرغم دریدہ دل لب پہ مقاں
گہوارہ محبت میں کیوں دل دفنائے جاتے ہیں
جنبش قلم اب اپنے اختیار میں نہیں
لکھتا ہوں شان تو حے لکھے جاتے ہیں
ننھی ننھی جانوں پر آخر ظلم کس لیے
مقابل دیکھ کر بدلے لیتے ہیں
چشم فلک نے دیکھا ہے بربریت کا منظر
پھول سے نازک جنازے اٹھائے جاتے ہیں

ہیلا خان۔ کراچی

......☆......

ذرا ہمیں بھی کہنا

سانحہ پشاور

کہوں کیا ان کو؟
جو بچے مجھ سے یہ پوچھتے ہیں
ٹیچر ٹیچر آپ تو غصہ نہیں کرتی ہیں
لیکن جن کو
ہم بچوں کے پڑھنے پر بھی غصہ ہے وہ
آ کر ہم کو ماریں گے کیا؟
اور میں ان سے اشک چھپاتی رہ جاتی ہوں
آہیں بھرتی رہ جاتی ہوں
کہوں کیا ان کو؟
ان ننھے منے بچوں کے سامنے
میں کتنی بے بس ہو جاتی ہوں

سباس گل

نظم

کل کیا ہوا اتحاد دیکھو سر شام تھی اداسی
بے چین سا تھا یہ دل اور روح بھی تھی پیاسی
وہ پھول ننھے ننھے گلشن میں جو کھلے تھے
روشن بہت زیادہ وہ علم کے دیے تھے
سر شام بجھ گئے وہ بے چین کر گئے وہ
ماؤں کے دل رلا کے کس دیس چل دیے وہ؟
بکھرے ہوئے طبقات کو اک قوم کر گئے
ہم سے بچھڑ گئے وہ ہم سے بچھڑ گئے
اب قوم پر ہے قرض ان کے لہو کا زاہی
جنت کو چل دیے ہیں جو چھوٹے چھوٹے راہی
فریاد اپنے رب سے کرتے ہیں مل کے ہم سب
ناپاک دشمنوں کو ناکام کر دے یارب

زاہدہ ہاشمی زاہی

میری زندگی

میری زندگی میرا پیار
میرے دل کا قرار
مجھے ہاں میری جان
تم سے بے تحاشہ ہے پیار
ہے سر عام اقرار
کہ اب محبت نے ڈرنا
چھوڑ دیا ہے
زمانے کی باتوں کو ذہن
سے کھرچ کر نکال دیا ہے
میری زندگی، میرا پیار
میرے دل کا قرار
ہاں میری جان
تم سے بے حد و بے حساب پیار
پیار کا کوئی مول نہیں
سر عام اقرار ہے

ریما نور رضوان

ایسا کیوں ہوتا ہے

ایسا کیوں ہوتا ہے
خوب صورت مقام میں
جب سورج کی کرنوں کے
مدھم اجالے
ہوا کی گھنٹیاں ساری فضا کو
بے ترنم سے بہلا رہی تھیں
پر سکون بہار کے ٹھنڈے جھونکے
پھولوں کو نئی زندگی دے رہے تھے
اک خیال ذہن میں آیا
ہم ہزاروں دلوں کو
طنز و حقارت کی نذر کر دیتے ہیں
ایسا کیوں ہوتا ہے
زندگی
جسے ہم پھولوں کا نام دیتے ہیں
تو پھر ہم
کیوں پھولوں کو مسل دیتے ہیں
ایسا کیوں ہوتا ہے

نگہت اکرم

تمہاری آنکھیں

تمہاری آنکھیں جو مجھے
احساس دلاتی تھیں کہ میں
خوب صورت ہوں آج ان میں
میرے لیے
اتنی بیگانگی ہے کہ مجھے اپنا آپ
بدصورت لگنے لگا ہے
تمہاری مسکراہٹ جو کبھی میری زندگی تھی
آج تمہارے ہونٹوں پر نہیں ہے تو

میں زندہ نہیں ہوں ہاں
میں زندہ نہیں ہوں اور تم
مجھے مار رہے ہو پل پل
پلیز
مجھے مت مارو پلیز مجھے اپنی
بیگانگی سے مت مارو پلیز

ثناء کنول اللہ دتہ

ہائیکو

لہر کا چکر
گیلی ریت کے دامن میں
جذب سمندر تھا

☆☆

ہم جو بوتے ہیں
جب کھیتوں میں اگتا ہے
پھر کیوں روتے ہیں

فرزانہ شوکت

نظم

دل کے آئینے میں
جو عکس تھا
میرا ہمسفر تھا
اسے چھونے کی چاہ میں
اس تک جاتی راہ میں
آئینہ ٹوٹ کر بکھرا
تلخ حقیقتوں کا ہر منظر نکھرا
وہ عکس مجھ سے بچھڑا...... جو میرا تھا ہی نہیں!

ریمل آرزو

مجھے تم سے محبت ہے

سنو
تم بہت پاگل سے ہو

اپنے انداز سے
اپنی آواز سے
مجھے اپنا بنا لیتے ہو
کچھ ایسا بولتے ہو کہ
میں مدہوش سی ہو جاتی ہوں
تمہارے لفظوں
تمہاری باتوں میں کھو جاتی ہوں
پھر نہ دماغ کچھ سوچتا ہے
نہ سمجھتا ہے
بس دل یہی کہتا رہتا ہے
مجھے تم سے محبت ہے
مجھے تم سے محبت ہے

دانیہ آفرین

بیٹی

لوگ کہتے ہیں میں دقیانوسی ہوں
نامحرم سے بات کرتے جھجکتی ہوں
سنے زمانہ شرم و حیا کا پاس ہے مجھے
میں اسی امت مسلمان کی بیٹی ہوں
تعلیم و ہنر میں کسی سے کم نہیں ہوں
پھر بھی حد فاصل و حجاب رکھتی ہوں
لباس ممنوعہ اگر ہے فیشن زمانے کا
دور جہالت کی تازہ مثال سمجھتی ہوں

ثمینہ فیاض

غزل

تم ہی میرا پہلا خواب ہو
تم ہی میرا آخری خواب ہو
تم ہی میری پہلی محبت ہو
تم ہی میری آخری محبت ہو
تم ہی میری پہلی مسکراہٹ ہو
تم ہی میری آخری مسکراہٹ ہو
تم ہی میرا پہلا آنسو ہو
تم ہی میرا آخری آنسو ہو
تم ہی میری پہلی خوشی ہو
تم ہی میری آخری خوشی ہو
تم ہی میری پہلی خواہش ہو
تم ہی میری آخری خواہش ہو
تم ہی میری پہلی یاد ہو
تم ہی میری آخری یاد ہو
تم ہی میری صدائے دھڑکن ہو
تم ہی میرا حوصلہ امید ہو
تم ہی میری روح دل ہو
تم ہی میری دعا آرزو ہو
تم ہی میری سانسیں ہو
تم ہی میری زندگی ہو
تم ہی میرا سایہ ہو
تم ہی میرا فلک ہو

مدیحہ اعجاز حسین

غزل

ہاتھوں سے مجھے اپنے مقتل کو سجانے دو
احساس کے زنداں میں اک شمع جلانے دو
مظلوم کی آہوں سے پھوٹے گی سحر تازہ
مظلوم کو آہوں سے اک حشر اٹھانے دو
احساسِ پشیمانی اک کرب مسلسل ہے
آنکھوں سے ندامت کے آنسو تو بہانے دو
خوابوں کی حسیں دنیا یہ میری نہیں دنیا
یہ قصرِ شہنشاہی یہ تخت گرانے دو
چاہت کے دریچے سے دی ہے یہ صدا کس نے
دیکھوں تو سہی آخر پردے کو اٹھانے دو
پتھر کے لبوں سے بھی نکلے گی صدائے حق

ایمان کے دریا کو جذبات میں آنے دو
برسات میں اشکوں کی رخصت نہ کرو مجھ کو
ہم تم سے ملیں گے پھر ہنستے ہوئے جانے دو

حکیم خان حکیم

غزل

لگی دل لگی ہو تو کیا کیجیے
اگر غم خوشی ہو تو کیا کیجیے
جنوں کھل کھلا کے یہ سوچا تو ہے
ہنسی چیخ سی ہو تو کیا کیجیے
یہ دل رو رہا ہے مگر درد سے
لبوں پر ہنسی ہو تو کیا کیجیے
ترے پاس سب کچھ ہے فضل خدا
وفا کی کمی ہو تو کیا کیجیے
پتنگ کی طرح کٹ کے اڑتے رہے
ہوا سر پھری ہو تو کیا کیجیے
امتیاز یاس حسرت تڑپ اور غم
یہی شاعری ہو تو کیا کیجیے

ایس امتیاز احمد

غزل

گزر گئی شب غم یار بھی دل دکھانے آئے
ہجر کی راتوں میں کوئی شمع جلانے آئے
جو کہتے تھے ہم تیرے ہیں آخر ہوئے بیگانے
دل خوش فہم کو امید وفا دلانے آئے
جو خفا ہے ہم سے گزرے موسموں کی طرح
کوئی تو میرے صحن گلشن میں پھول کھلانے آئے
خاموش ہے ساری فضا تیرے جانے سے
یار بھی پرانے قرض وفا کا چکانے آئے
ٹھوکر ایسی کھائی ہم نے تیرے عشق میں جاوید
داغ جدائیوں کے پھر سے کوئی مٹانے آئے

ظرف

چاہنے والوں کا یہ ظرف ہی تو ہے
خاموشی کی زنجیروں سے
شکوے باندھ رکھتے ہیں
رسوائیاں دل کے زندان میں
قید کرتے ہیں
یہ ظرف ہی تو ہے
مروت کے مارے لوگ
ضبط کے پردوں میں
اشک چھپا دیتے ہیں
حرف آئے نہ اپنی محبت پر
ہونٹوں پہ صبر کے
قفل لگا لیتے ہیں
اپنی وفا کا بھرم رکھ کر
اکثر بے وفائی کا زہر
ان کو پینا پڑتا ہے
ان خوددار لوگوں کو
دھوکے کا ہر گھاؤ
جگر پہ سہنا پڑتا ہے
طعنوں کے دھاگوں سے
روح کو سینا پڑتا ہے
چپ رہنا پڑتا ہے
کبھی اک پل کو سوچو تو
لحاظ کے اس کھیل میں
محبت زبان رکھتی تو
کئی معتبر صورتوں میں
سفاک چہرے دکھتے
کون مجرم، قصوروار؟

ب نقاب اٹھتے
چاہنے والوں کے ظرف کو
سلام ہی ہے پھر
و دردکو ڑنے دیتے یہ
سوں کو چیخنے دیتے
نوں کو بولنے دیتے
ئی لوگوں کے پھر گناہ
یاں ہو جاتے
محبت زبان رکھتی تو
ئی لوگوں کے بھرم
دا ہو جاتے

حمیرا نضا

نظم

توں کی کڑی دھوپ میں
ر محبت کے بھکاری
کشکول
رے ہیں ہم
ئی تو خدارا ترس کھا کر
ن کا ایک سکہ ہی ڈال دے
کے خالی کشکول میں

ہاجرہ امین خان ہاجی

غزل

با مجھے چھوڑ کر مجھے اس سے کوئی گلہ نہیں
ایک کھیل ہے جسے چاہا بہت وہ ملا نہیں
خار زندگی، شکستہ آرزو تشنہ بندگی
ؤں کا اعجاز ہے میری محبتوں کا صلہ نہیں
، بجھے خواہشوں کے جگنو
میں ٹوٹے خوابوں کی کرچی
ا حسرتوں کی راکھ ہے

طاق دل پر کوئی دیا پھر جلا نہیں
یہ اڑی اڑی بے رنگ تتلی
جیسے کسی گلاب مرگ کی آخری ہچکی
یہ اس کے غم کا ساز ہے
پھر میرے لب نم پر بجا نہیں
دکھوں کی اس دھوپ میں
موم کی وہ لڑکی پگھل گئی
دل کی زمین فرزین
کوئی پھول پھر کھلا نہیں

سیدہ فرزین حبیب

غزل

ہر قصہ ہر بات ادھوری لگتی ہے
مجھ کو اپنی ذات ادھوری لگتی ہے
چاند ستارے بکھرے بکھرے رہتے ہیں
مجھ کو ہر اک رات ادھوری لگتی ہے
اس کی ساری دھاریں ریزہ ریزہ ہیں
مجھ کو تو برسات ادھوری لگتی ہے
مجھ کو کوئی ہوش نہیں کیا لکھتا ہوں
اپنی بھی ہر بات ادھوری لگتی ہے
بشارت جس کے اپنے خواب ادھورے ہوں
اس کو کائنات ادھوری لگتی ہے

سید بشارت شاہ

نظم

کچھ یہ وقت ایسا
کچھ یہ حالات ایسے
کچھ آگے رستہ ہے دشوار
منزل نہیں کوئی اپنی
مجھے ہے پہنچنا
ساتوں آسماں کے پار

نور الصباء

سندیسے

روشنی فیصل..................کراچی

پیاری صالحہ آپی، سویٹ سے قارئین ردا اور پیاری رائٹرز روشنی فیصل کا پیار بھرا، خلوص سے بھرپور سلام قبول کیجیے۔ بہت دل کرتا ہے کچھ لکھوں اپنے ردا کے لیے مگر میرا بیٹا مجھے لکھنے نہیں دیتا۔ جیسا کہ شازیہ عمران کے ساتھ ہے یہ سلسلہ (ہاہاہا)۔ مگر Keep it up شازیہ آپ نے سلسلے وار ناول لکھا۔ مصروفیات کے باوجود بھی۔ ہماری صالحہ آپی کی محبتیں اور خلوص ہے جو انہوں نے ہماری مجبوریوں کو سمجھا اور ہماری ردا میں شمولیت نہ ہو سکنے کے باوجود بھی ہمیں یاد رکھا ہے۔ ردا کی ڈائری، خوشبو، سندیسے کے ذریعے رابطہ رہا ہے میرا اگر ناول اور افسانے لکھنے سے قاصر رہی سو اس کے لیے معذرت۔ نورین ملک نے بہت خوش اسلوبی کے ساتھ ردا کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ نیو رائٹرز کی آمد بھی بہت خوش آئند ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے ردا کی مقبولیت میں روز بہ روز اضافہ ہو رہا ہے۔ ایس امتیاز حکیم خان حکیم ذرا پھر سے کہنا میں اپنی شاعری کا جادو جگاتے ہیں۔ نور بانو، ریما نور، امبر ہاشمی، عائشہ، ایمان، کیتی آراء ردا کی فیملی ممبر ہیں جو ردا کے مختلف سلسلوں میں حصہ لیتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی ردا کے دل کے مکین ہیں اور گھر کو کوئی کیسے بھول سکتا ہے۔ بہت دل سے شکر گزار ہوں آپی آپ کی کہ آپ نے شروع سے ہی ہمارا ہاتھ تھاما اور آج تک آپ نے ہمیں فراموش نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ یوں ہی ہنستا مسکراتا اور خوش رکھے اور ردا کی ترقی میں مزید اضافہ کرے، آمین۔

رابعہ افضال خان..............کراچی

محبت سے بھرپور خلوص سے گندھا رابعہ افضال خان کا سلام۔ ردا کی محفل میں حاضر خدمت ہے اب چلتے ہیں فروری کے شمارے کی طرف۔ سب سے پہلے ''گوشۂ آگہی'' پڑھا اور آپ کی باتیں سیدھی دل کو لگیں پھر ''ردائے جنت'' کی طرف بڑھے اور دینی معلومات سے مستفید ہوئے۔ اب بات کرتے ہیں سلسلے وار ناولز کی ''تجھ سے مانگوں میں تجھ کو'' پڑھ کر ہمیشہ کی طرح لبوں پر مسکراہٹ نے قبضہ جما لیا۔ شازیہ جی زبردست ''جو عشق میں بجتی وہ عشق ہی جانے'' ہر دفعہ کی طرح اس دفعہ کی قسط بھی زبردست تھی نائلہ طارق جی ویلڈن ''تیرے پیار کی خوشبو'' اپنے نام کی طرح ناول بھی بہت زبردست ہے۔ دل کرتا ہے بس پڑھتے رہو۔ قمروش شہک جی کیا بات ہے آپ کی ''مشرق کی شہزادی'' اپنے اختتام کو پہنچا۔ روشانے عبدالقیوم جی اتنا اچھا ناول لکھنے پر آپ کو ڈھیروں مبارک باد۔ اب باری آتی ہے افسانوں کی۔ ریمل آرزو، شاہ کنول اللہ دتہ، حنا اصغر، فرح ناز رفیق، حافظہ موّن شاہ، ملالہ اسلم، ریما نور رضوان، مبشرہ ناز، نائلہ طارق، ثمینہ فیاض سب ہی نے اپنی اپنی جگہ بہت اچھا لکھا۔ صوبیہ ردا کا ناولٹ ''محبت کی منزل'' اچھا لگا۔ R.J یوسف پنجابی کا انٹرویو دلچسپ لگا۔ ''اس ماہ میں'' ایس امتیاز احمد کی غزل نے بے ساختہ چہرے پر مسکراہٹ سجادی۔ ''ذرا پھر سے کہنا''

یم ماہ منیر اور حمیرا افضا، ملالہ اسلم نے اچھا لکھا۔
یسے'' میں ہمیشہ کی طرح افشاں علی کا تبصرہ
ت رہا۔ پیاری عانیہ نیازی، ملالہ اسلم
ی کے لیے بنڈل آف تھینکس۔ حنا کنول
ہت بہت مبارک ہو۔ خدا آپ کے دامن کو
شیوں سے بھرا رکھے۔ دوستوں کے نام پیغام
نام دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ ملالہ اسلم بہت
آپ نے بچی کا دل خوش کر دیا (ہاہاہا) صبا
آپ کی کمی بالکل اچھی نہیں لگی۔ ''سندیسے''
میں شامل رہا کریں۔ اچھا لگتا ہے ثناء کنول
ت بہت مبارک ہو۔ خدا آپ کو ہمیشہ خوش و
کھے، آمین۔ صالحہ آپی میری آپ سے فون پر
ی آپ سے بات کر کے مجھے بہت بہت اچھا
پ کا اتنا پیارا، پرشفقت سا لہجہ دل میں اتر
پ سے بات کر کے بہت سکون ملا۔ آپ
یے واقعی میں گھنی چھاؤں کی مانند ہیں۔ خدا
سلامت رکھے، آمین۔ اور آپ مجھے ہمیشہ اپنی
میں شامل رکھیں۔ بچی کا دل خوش ہو جائے گا
س کے ساتھ ہی میں سندیسے کی اس پر رونق
سے اجازت چاہوں گی۔ انشاء اللہ زندگی نے
ا تو پھر حاضر محفل ہوں گی۔''

علی .... کراچی

ی سی صالحہ اپیا، نورین آپی و دیگر تمام رائٹرز
بہنوں کو میرا یعنی افشاں علی کا پرخلوص سلام
ں و۔ امید واثق ہے آپ سب بخیر و عافیت
ں گے۔ اب بات ہو جائے فروری کے
ں۔ روشانے عبدالقیوم کا ناول ''مشرق کی
بہت اچھے موڑ پر اختتام پذیر ہوا، اتنا اچھا
ل لکھنے پر آپ کو مبارک باد۔ وہیں تمہیں
بت ہے'' ''ایک اور خوب صورت ناول کی
جب کہ اکلوتا ناولٹ بھی اچھا رہا۔ ''محبت
ؤ'' ''یہ موسم یہ بارش یہ دھنک'' ہو ساتھ

''کوئی ایسا اہل محبت ہو'' جس سے ''ہمیں ایسی محبت ہو'' کہ سب ''بدگمانی'' دور ہو جائے چلو آؤ ''ویلنٹائن ڈے'' منانے کے بجائے ''قسمتیں بدلتے ہیں''، ''پاکستان کا کک'' ایک ''روشن رستے'' ریمل آرزو نے اپنے افسانے سے بہت اچھا سبق دیا جب کہ پیاری دوست ثناء کنول اللہ دتہ نے بھی اپنے افسانے کے ذریعے یہ پیغام ظاہر کیا کہ محبت کے لیے صرف ایک دن مخصوص نہیں (ثناء ڈیئر اپنے افسانے میں افشاں نام استعمال کیا شکریہ جی)۔ ''قسمتیں بدلتے ہیں'' حافظ مون شاہ کے قلم سے لکھی ماشاءاللہ بہت عمدہ تحریر تھی۔ ثمینہ فیاض کا گو ردا میں یہ پہلا افسانہ تھا مگر انہوں نے بہت اچھا لکھا۔ واقعی بدگمانی کے بیج سے نفرت کا پودا ہی پھوٹتا ہے۔ باقی تمام افسانے بہت اچھے رہے مگر ''پاکستان کا کک'' فرح ناز رفیق کا افسانہ بازی لے گیا۔ بہت ہی عمدہ لکھا آپ نے۔ سلسلے وار ناول چاہے چاہت کے ہوں یا عشق پرمبنی یا خوشبو بکھیرتے ہوں سب ہی بہت اچھے جا رہے ہیں۔ مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح بہت زبردست تھے۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں اتنے سارے جانے پہچانے نام اور اتنی عمدہ شاعری سب ہی پسند آئی۔ ''سندیسے'' میں نور بانو آپ کو پھر سے ویلکم، روشانے عبدالقیوم کا طویل اپنے تعارف پر مبنی سندیسہ پسند آیا۔ فرزانہ شوکت آپ میرا نام بھول گئیں (ہاہاہا) سندیسے میں عانیہ نیازی، نیکی آرا اور ملالہ اسلم کے تبصرے اچھے لگے۔ زاہدہ زاہی، نور بانو، نیکی آرا اور عانیہ نیازی سمیت ان تمام کا شکریہ جو میرے سندیسے کو پسند کرتے ہیں۔ اب بات ہو جائے اس بار ردا کے نئے اور بہت اچھے اضافے کی تو پیاری سی حنا کنول کی شادی کا احوال، ثناء کنول کی زبانی جان کر بہت خوشی ہوئی اور بہت اچھا لگا۔ ڈیئر آپ نے ہمارے ساتھ اپنی خوشی شیئر کی دعا ہے اللہ نئے سال کے ہمراہ نئی خوشیوں سے نوازے اور ہمسفر

کے سنگ یہ نیا سفر خوشیوں بھرا ہو، آمین۔ ''دوستوں کے نام پیغام'' میں ثناء کنول آپ کی منگنی کا صالحہ آپی کے ذریعے پتہ چلا تو مائی ڈیئر اینڈ سویٹ فرینڈ آپ کو اپنی زندگی کی یہ نئی خوشی بہت بہت مبارک ہو۔ بہت ساری دعائیں آپ کے لیے۔ ساتھ ہی دانیہ آہم آہم آپ کی منگنی کی مبارک باد تو میں آپ کو باقاعدہ مل کر دے چکی ہوں۔ جب کہ حنا کنول نے بھی مجھے اور میری سسٹر کو اپنے پیغام کے ذریعے یاد رکھا پڑھ کر بہت خوشی ہوئی بہت اچھا لگا ہمیشہ خوش رہو، ڈیئر۔ پلیز پلیز بہت ساری دعاؤں کے ہمراہ اب اپنی جانی پہچانی افشاں علی کو اجازت۔

ثناء کنول اللہ دتہ........لودھراں

السلام علیکم، قارئین، میری دوستوں اور بہنوں۔ ردا ڈائجسٹ مجھے پانچ تاریخ کو ملا۔ ٹائٹل اچھا تھا۔ سب سے پہلے فہرست پر نظر دوڑائی جہاں پر ''مشرق کی شہزادی'' کی آخری قسط تھی۔ اے وان شاباش میری جان بہت ہی اچھا اینڈ کیا آپ نے۔ ہمیں مجھ سے محبت ہے، محبت کی منزل، ہمیں ایسی محبت ہے، روشن راستے، زندگی سنور گئی، کوئی ایسا اہل محبت ہو ماشاء اللہ کیا طرز تحریر تھا۔ سب نے ہی زبردست لکھا۔ پاکستان کا ک، قسمتیں بدلتے ہیں، محبتوں کے اعتراف، یہ موسم یہ بارش یہ دھنک اور بدگمانی۔ آپ نے بہت ہی اچھا لکھا۔ لکھنے کا حق ادا کردیا۔ اب بات کروں گی سندیسے کی۔ زاہدہ ہاشمی مجھے آپ کی دوستی قبول ہے آپ کے خط میں لکھا وہ آخری جملہ مجھے بڑا ہی معصومیت لیے ہوئے لگا۔ کریں گی ناں آپ سب مجھ سے فرینڈ شپ۔ بھلا یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے ہم سب دوست ہی تو ہیں۔ افشاں علی، کہکشاں آراء، فرزانہ حبیب فرزین، فرزانہ شوکت، ملالہ اسلم، نوربانو میری تحریر ''وفا کیسی کہاں کا عشق'' پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ سچ آپ سب کی رائے پڑھ کر میرا دل خوش ہوگیا۔ تھینک یو سو مچ اور میری جنوری والی تحریر پر افشاں علی میری دوست، رابعہ افضال خان، افسانہ آفتاب، مہرین کنول، دانیہ آفرین، ملالہ اسلم، زاہی، فریدہ فرید۔ آپ سب کا بے حد شکریہ آگے بھی میری حوصلہ افزائی کرتی رہیں، اوکے۔

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین.کراچی

صالحہ آپی اور نورین ملک السلام علیکم! امید ہے آپ کے مزاج بخیر ہوں گے جی جناب ردا کے بزم میں فرزین جلوہ افروز ہے۔ مجھے خوشی ہورہی ہے کہ ردا میں نئی لکھاری دوستوں کا اضافہ ہورہا ہے۔ جن میں عائشہ خان اور ریمل آرزو کی پہلی تحریر ہی متاثر کن لگی۔ دعا ہے آپ لوگ مزید کامیابیاں حاصل کریں اور آپ دونوں کا بہت شکریہ۔ میری حوصلہ افزائی اور تعریف کا۔ افشاں علی بھی ماشاء اللہ اپنی تحاریر میں پختگی حاصل کررہی ہیں اور ان تمام کامیابیوں کا کریڈٹ صرف اور صرف صالحہ آپی کو جاتا ہے۔ جس طرح آپی نئی رائٹرز کی بھی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ ان کی تحاریر اور سوچ کو ردا کے سائے میں جگہ دے کر نکھارتی ہیں باقی رسالوں اور میگزین میں یہ شاذ ونادر ہی پایا جاتا ہے۔ اللہ آپ کو کامل صحت اور درازی عمر عطا کرے، آمین۔ اور نورین ملک بہت بہت شکریہ! فروری میں میری شاعری کی قابل اشاعت کا۔ سلسلہ وار ناول میں میرا فیورٹ نائیلہ طارق کا ناول ہے۔ ہر قسط میں بے ساختگی اور خوب صورت جملوں کی ادائیگی واقعی نائیلہ جی کا ہی کمال ہے۔ آخر میں ردا کے تمام اسٹاف اور قاری بہنوں کے لیے دعائیں اور پیار۔

شیریں تبسم........کراچی

السلام علیکم! آپ کی بزم میں پہلی بار شرکت فرما رہی ہوں۔ ردا نے ہمیشہ نئے لکھنے والوں کو خوش آمدید کہا ہے اور مجھے پوری امید ہے کہ مجھے مایوس نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا اس امید پر میں ردا میں انٹری دے رہی ہوں۔ ارے ارے آپ یہ مت سمجھیے گا کہ

ں نے ردا پہلی بار پڑھا ہے دراصل میں اپنے لکھنے ے حوالے سے بات کررہی ہوں۔ ردا کے تمام سلسلے ے پسند ہیں۔ امتحان کے بعد کی مصروفیت وھڑ لی ہیں میں نے (ڈائجسٹ پر تبصرہ کرنا)۔ گوشہ چشم" میں آپ نے کہا تھا نئی رائٹرز پہلے سانہ لکھیں پھر ناولٹ اور ناول...... مگر میں پہلے لٹ بھیج رہی ہوں۔ کیوں کہ مجھے لگ رہا ہے اگر ے افسانے آپ کو پسند نہ آئے تو...... شاید یہ ٹ ڈائجسٹ کے معیار پر اتر سکے۔ اگر یہ ناولٹ ں پسند نہ آیا تو "آنکھیں سلامت تو خواب بہت" (ہی ہی) اور لکھوں گی اور اچھا لکھوں گی کم از کم ب بار ضرور ردا میں اپنی تحریر ضرور چھپی ہوئی ھوں"۔ آپی اپنا ڈھیر سارا خیال رکھیے گا اور ہاں یسے کے رجسٹر پر میرا نام لکھ لیجیے۔ اب تو میری ظری لگتی رہے گی۔ پھر اگلے مہینے آپ سے ات ہوگی۔ اسی محفل سندیسے میں۔

مینہ بانو......ٹوبہ ٹیک سنگھ

السلام علیکم! قابل احترام، عزیز از جان صالحہ ں! ردا اسٹاف وقارئین اینڈ سویٹس سی رائٹرز کو نیا ں مبارک ہو۔ دعا گو ہوں کہ یہ نیا سال ہمارے خوشیوں کی نوید لے کر آئے۔ نیا سال ہم سب کی لی میں روشنی بکھیر دے، آمین۔ اس دفعہ کا شمارہ ہمیشہ کی طرح بہترین اور ٹائیٹل زبردست تھا۔ ریکوسٹ صالحہ آپی سے پلیز سلسلہ وار اسٹوریز یجز بڑھائیں اور پلیز رائٹرز آپ بھی اپنے ناول ین کچھ زیادہ لکھا کریں۔ جب اسٹوری پڑھنے کا نے لگتا ہے تو آگے "جاری ہے" والا لفظ ہمارا ڈارہا ہوتا ہے۔ ابھی کہانی شروع بھی نہیں ہوتی م ہو جاتی ہے۔ سلسلہ وار ناولز سب کے بیسٹ نائیلہ طارق کے کردار عثمان اور خرمن میرے ے ہیں۔ ان کی کھٹی میٹھی باتیں دل کو چھو لیتی نمروش آپی! معصوم اور روانیہ کو کہاں چھپا دیا ہے۔

اب تو اسٹوری عجیب سی لگنے لگی ہے آئی مین بیگانی سی پھر بھی نیا موڑ اچھا ہے۔ شازیہ جی بھی بیسٹ جا رہی ہیں۔ میں سمجھتی ہوں خوشنما حق بجانب ہے ایسا کرنے میں۔ ہاشم کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے جیسا وہ کر رہی ہے۔ بلکہ اسے تو فیس ٹو فیس سب کرنا چاہیے۔ افسانے ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ ایک فرمائش صالحہ آپی سے کہ آپ کے قلم سے ایک اور شاہکار طویل ناول ردا کی رونق بڑھانے آجائے۔ کیا خیال ہے......! ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں اپنا اور دوسروں کا بہت خیال رکھیں۔

عانیہ نیازی......ربوہ

مائی لولی اینڈ سویٹ اپیا جانی بہت سی دعاؤں کے ساتھ سندیسے کی محفل میں شرکت کی اجازت چاہتی ہوں۔ تمام پڑھنے اور لکھنے والوں کو میرا سلام اور دعائیں اور مجھے بھی آپ سب کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ میری امی جان کی طبیعت ان دنوں ٹھیک نہیں تبھی میں ریگولر سندیسے کی محفل میں شامل نہیں ہو پا رہی مگر یہ آپ سب لوگوں کی محبت ہے جو مجھے بھی یاد رکھتے ہیں۔ سندیسوں اور پیغامات میں۔ پورا ردا تو نہیں پڑھا مگر سلسلے وار پڑھے بنا چین بھی نہیں ناں سو شازیہ آپی سے لے کر نائیلہ طارق سب کے سلسلے وار ناول زبردست جا رہے ہیں۔ وہیں نیو رائٹرز تو چھا گئی ہیں سب بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ ریمل آرزو، عائشہ خان نے مجھے بہت متاثر کیا اور میں جس رائٹر کی سب سے بڑی فین ہوں وہ ہیں نمروش آپی۔ ان کا کوئی بھی سلسلہ وار ہو میرا فیورٹ ہوتا ہے۔ مستقل سلسلوں میں خوشبو، اس ماہ میں اور ذرا پھر سے کہنا زبردست ہوتے ہیں۔ تمام شعراء کا کلام بہت اعلیٰ ہوتا ہے اور دوستوں کے نام میں کوئی پیغام میرے نام بھی تو آئے ہاہاہا۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ اجازت۔

......☆......

دوستوں کے نام پیغام

<u>میری پیاری بھابھیوں کے نام اک شعر</u>

اک دعا مانگتے ہیں اپنے دل کی زبان سے
چاہتے ہیں آپ کی خوشی پورے ایمان سے
سب نیک حسرتیں پوری ہوں آپ کی
اور آپ ہمیشہ مسکراؤ دل و جان سے

<u>میری آپی سیدہ عشرت آصف کے نام</u>

دعا ہے میری مسکراؤ صدا تم
خوشیوں کا موسم ہی پاؤ صدا تم
جیسے چمکتا ہے موتی صدف میں
ہر دل میں یوں جگمگاؤ صدا تم

<u>میری نند صبا کے نام</u>

تمنا کرتے ہو جن خوشیوں کی آپ
دعا ہے وہ آپ کے قدموں میں ہوں
خدا کرے آپ کو وہ سب کچھ ملے
جو کچھ آپ کے سپنوں میں ہو

<u>میری بھتیجی عباب کے نام</u>

ہر قدم پہ فرشتوں کا لشکر ہو آپ کے ساتھ
ہر قدم پہ آپ کی حفاظت خدا کرے
ہو نصیب آپ کو ایسا عروج دنیا میں
کہ آسمان بھی قسمت پہ اپنی ناز کرے

روشنی فیصل۔ کراچی

<u>سوئیٹ اینڈ ڈیئرسٹ صالحہ آپی کے نام</u>

ہر لمحہ میرے دل سے نکلتی یہ دعا ہے
کہ!
ہر پل آپ کا دامن خوشیوں سے بھرا ہو
آپ کے چہرے سے مسکراہٹ کبھی نہ جدا ہو
خدا آپ کے دامن کو ہمیشہ مسرتوں سے ہمکنار کرے
خدا آپ کی عمر دراز کرے

رابعہ افضال خان۔ کراچی

<u>دوستوں بہنوں کے نام</u>

السلام علیکم دوستوں بہنوں۔ ایک وقت تھا 2013ء جب میں بے حد و حساب تنہا تھی میری دونوں دوستوں کائنات اور ثناء خادم نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔ تب میں بہت روتی تھی پھر دوسرا وقت آیا 2015ء جس نے مجھے دو نہیں کئی دوستیں عطا کر دیں۔ میں جب مسکراتی ہوں تو افشاں علی مجھے یاد آتی ہے۔ میں جب تنہا ہوتی ہوں تب صبا عبدالغنی کی دوستی مجھے تنہا نہیں ہونے دیتی۔ جب میں دل سے ہنستی ہوں تو فرزانہ شوکت میرے ساتھ مل کر ہنستی ہے۔ جب میں تھکنے لگتی ہوں تب صالحہ آپی، نورین آپی اور نور رہا تو میرا حوصلہ بڑھاتی ہیں۔ جب میرا دل اداس ہوتا ہے تب کیتی آراء اور زاہدہ ہاشمی کی دعا میں مجھے اپنے حصار میں لینے لگتی ہیں اور جب میں سونے لگتی ہوں تب روشانے عبدالقیوم، عائشہ ذوالفقار، سیدہ فرزانہ حبیب فرزین کی محبت مجھے لوری دینے لگتی ہیں اور پھر جب میں بے زار ہوتی ہوں تب صبا سحر، دھنک ناز، ملالہ اسلم، ریمل آرزو کی محبت میرا دل خوش کرتی ہے۔ عانیہ نیازی، ریما نور، سحرش فاطمہ،

ی، زارا صدف قمر، شازیہ مصطفیٰ عمران، سباس
ں، افسانہ آفتاب، مہرین کنول، دانیہ آفرین،
ثمرہ قریشی، نائلہ طارق، یہ سب نام صرف نام نہیں
ں میری زندگی کا حاصل ہیں میری ہر خوشی ہیں۔ تم
ب میرا سب کچھ ہو۔ میں آج اپنے جذبات لفظوں
ں بیان نہیں کرسکتی۔ زاہدہ ہاشمی، نور بانو، فرزانہ
ت، ملالہ اسلم، ریمل آرزو، آپ سب میری
ست ہیں۔ مجھے یہ بات کہنے کی یا پھر بتانے کی
ورت نہیں ہے کہ آپ میرے لیے کیا اہمیت رکھتی
ں۔ بس اتنا کہوں گی

میرا مان میرا عشق اور میری زندگی تم سب ہو
سنو میرا مان میرا عشق اور میری زندگی تم ہوا یسے
بھی تو کہو کہ اس دل بے قرار کو کچھ تو چین ملے

میری تحریریں پسند کرنے کا بہت ہی شکریہ۔
پ سب کی دوست اور بہن۔

ثناء کنول اللہ دتہ۔ لودھراں

پیارے امی، ابو کے نام پیار ابھرا پیغام

یہ بات ازل سے ابد تک طے ہے کہ ہر وہ
ان چاہے وہ کسی بھی رشتے میں منسلک ہو۔ رب
سامنے قیامت کے دن اپنے ہر اعمال سمیت
نے فرائض و ذمہ داریوں کے حساب کتاب کا بھی
ب دہ ہوں گے۔ ابو جی! مجھے آپ پر فخر ہے کہ
ہ نے محنت اور ایمانداری کو اولین درجہ دیا۔ مجھے
دنیا اور آخرت میں رب کے بعد اپنی ماں پیاری
۔ جن کے بغیر میں نہیں رہ سکتی۔ میری سادہ ماں
ں دیکھ کر ہی میرے دل و روح اور آنکھوں کو
ن پہنچ جاتا ہے۔ ہمیشہ میری رب سے یہ دعا ہے
ر میں نے زندگی میں کوئی نیکی کی ہو، کوئی اچھا
یا ہو تو وہ بھی میری ماں کے نام لکھ دینا۔ امی میں
بہت زیادہ آپ سے پیار کرتی ہوں۔ اتنا زیادہ
ہ تمام الفاظ اور شاعری بھی اظہار کے لیے کم

ہیں۔ ماریہ آپی ابراہیم بھائی، نسیم عدنان بھائی، ماہ گل علی عمران آپ تینوں جوڑیوں کے لیے میری نیک دعائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ تینوں جوڑیوں کو سلامت رکھیں۔ آپ کی زندگی غم کے بادلوں سے دور اور خوشیوں کے قریب کردیں، آمین۔ پیارے امی، ابو ہم سب بہن، بھائی آپ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ ہمیں فخر ہیں کہ آپ ہمارے ماں باپ ہیں۔

مدیحہ اعجاز۔ کراچی

بہت پیاری بہن نور آپی کے نام

کچھ اپنی فکر نہ خیال کرتی ہوں
تو کیا ہے کم ہے کہ تیری دیکھ بھال کرتی ہوں
میری جگہ پہ کوئی اور ہو تو چیخ اٹھے
میں اپنے آپ سے اتنے سوال کرتی ہوں
اگر ملال کسی کو نہیں میرا نہ سہی
میں خود بھی کون سا اپنا ملال کرتی ہوں
یہ چاند اور رات رفیق ہیں میرے
میں روزن سے بیاں اپنا حال کرتی ہوں
تمہاری یاد بھی آتی ہے اب مجھے کم کم
تمہارا ذکر بھی اب خال خال کرتی ہوں

کائنات ارشد۔ شورکوٹ کینٹ

ثمینہ خالہ کے نام

سویٹ اینڈ لولی ثمینہ خالہ جانی آپ کو عمرے کی سعادت بہت بہت مبارک ہو اور دعا ہے کہ جلد ہی خدا آپ کی حج کی خواہش بھی پوری کریں، آمین۔ ہم سب بہت خوش ہیں آپ کے لیے اور زریاب کے لیے۔

شمائلہ ملک۔ کراچی

☆

باتیں صحت کی

مونگ پھلی

مونگ پھلی عوام وخواص، نوجوانوں، بوڑھوں عورتوں اور بچوں سب کا دل پسند میوہ ہے۔ اسے غریب کا بادام بھی کہا جاتا ہے۔ مونگ پھلی پاکستان میں بہ کثرت پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک بیل کا پھل ہے اس کا تیل بہت استعمال ہوتا ہے۔ اس کی پھلیاں زمین کے اندر پیدا ہوتی ہیں۔ پھر بھی اس کا شمار مغز اور بیج کے زمرے میں ہوتا ہے۔ اپنے مزاج کے اعتبار سے مونگ پھلی گرم خشک ہے۔ 100 گرام مونگ پھلی میں غذائی اجزا کا تناسب کچھ یوں ہے: فاسفورس 350 ملی گرام، چکنائی 1.40 فیصد، فولاد 8.4 ملی گرام، کیلشیم 90 ملی گرام، وٹامن ای 4.416 ملی گرام، لحمیات 3.45 فیصد، ریشے 1.3 فیصد، رطوبت 0.4 فیصد، کاربوہائیڈریٹس 46.1 فیصد اور معدنی اجزا 14.2 فیصد۔ کچھ مقدار میں وٹامن بی کمپلیکس بھی پایا جاتا ہے۔ 100 گرام مونگ پھلی میں حراروں کی تعداد 567 ہوتی ہے۔

مونگ پھلی میں دیگر پھلوں اور میوہ جات کی طرح بے شمار طبی اور غذائی فوائد مضمر ہیں۔ اس میں اعلیٰ درجے کی پروٹین وافر مقدار میں ہوتی ہے۔ اسی پروٹین کے سبب اسے خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ ایک کلوگرام مونگ پھلی میں ایک کلو گرام گوشت کی نسبت زیادہ لحمیاتی اجزاء پائے جاتے ہیں۔ جب کہ اتنی ہی مقدار میں انڈوں کے مقابلے میں تقریباً اڑھائی گنا زیادہ پروٹین ملتی ہے۔ اسی طرح پنیر اور سویا بین کے سوا دیگر کوئی بھی نباتات پروٹین کی مقدار کے سلسلے میں مونگ پھلی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس میں پائی جانے والی پروٹین متوازن ہوتی ہے۔ مونگ پھلی میں ایسے اینٹی آکسیڈینٹ ہیں جو فوائد کے اعتبار سے سیب، گاجر اور چقندر سے بھی بڑھ کر ہیں۔ اس میں موجود غذائی اجزا کم وزن افراد سمیت باڈی بلڈنگ کرنے والوں کے لیے بھی نہایت مفید ثابت ہوئے ہیں۔ اس میں پایا جانے والا وٹامن ای کینسر کے خلاف لڑنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے جب کہ اس میں موجود قدرتی آئرن خون میں نئے خلیات پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

مونگ پھلی کو اگر بغیر بھونے کھایا جائے تو اسے خوب چبا کر کھانا چاہیے کیوں کہ اس کو جس قدر چبایا جائے یہ اتنی ہی زیادہ زود ہضم ہو جاتی ہے۔ دوسری صورت میں یہ دیر سے ہضم ہوتی ہے۔ تاہم بھون کر استعمال کرنے سے اس کی یہ خامی دور ہو جاتی ہے۔ اسے پکا لینے سے نشاستہ مزید قابل ہضم ہو جاتا ہے۔ اگر زیادہ پکانے کی زحمت سے بچنا ہو تو اسے پیس کر آٹا بنا لیجیے۔ مونگ پھلی میں روغن وافر ہوتا ہے۔ اسے کسی مقصد کے لیے استعمال کرنے سے پیشتر تھوڑا سا خوردنی

نمک ضرور شامل کر لیجیے۔ اگر اس مکھن کا قوام زیادہ گاڑھا ہو تو اس میں پانی وغیرہ نہ ملائیے۔ بلکہ پتلا کرنے کے لیے مونگ پھلی کا تیل ملالیں۔

مونگ پھلی محض لذیذ غذا ہی نہیں، شفا بخش اثرات بھی رکھتی ہے۔ مونگ پھلی کے استعمال سے موٹاپے میں کمی واقع ہوتی ہے۔ دوپہر کھانے سے کچھ دیر قبل مٹھی بھر مونگ پھلی (بھنی ہوئی) کھائیے ساتھ ہی بغیر چینی کے چائے یا کافی استعمال کیجیے۔ وزن میں رفتہ رفتہ کمی آجائے گی۔ یہ نسخہ برتنے سے بھوک بھی کم لگتی ہے۔ نتیجتاً دیگر اغذیہ کے کم استعمال سے وزن بھی کم ہو جاتا ہے۔ ذیابیطس کے عارضے میں مبتلا مریض اگر مونگ پھلی مناسب مقدار میں استعمال کریں تو انہیں افاقہ ہوگا۔ مریض اگر روزانہ پچاس ساٹھ گرام مونگ پھلی کھالیں تو وہ غذائیت کی کمی سے محفوظ رہیں گے۔ کینیڈا میں کی جانے والی ایک جدید تحقیق کے مطابق ذیابطیس کے مریضوں کے لیے مونگ پھلی کا استعمال نہایت مفید ہے۔

ماہرین کے مطابق ذیابطیس میں مبتلا افراد کے لیے روزانہ ایک چمچہ مونگ پھلی کا استعمال مثبت نتائج مرتب کرسکتا ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ مونگ پھلی کا استعمال انسولین استعمال کرنے والے افراد کے خون میں انسولین کی سطح برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

دانتوں اور مسوڑوں کی بیماریوں اور دانتوں کی مضبوطی میں مونگ پھلی اکسیر ہے۔ اسے نمک کے ساتھ ملا کر اچھی طرح چبا کر کھایا جائے تو مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں۔ یوں مضر رساں جراثیم کا انسداد ہوتا ہے اور دانتوں کا قدرتی رنگ بھی برقرار رہتا ہے۔

مونگ پھلی جریان، خون اور نکسیر میں بھی فائدہ مند ہے۔ بعض اوقات چوٹ لگنے سے زخم کی صورت میں خون مسلسل بہتا اور اسے روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مونگ پھلی کا متوازن استعمال جریان خون (ہیموفیلیا) کا کامیاب علاج ہے۔

مونگ پھلی چہرے کی تروتازگی کی بھی ضامن ہے۔ اس کا روغن حسن و جمال میں اضافے کے لیے مستعمل ہے۔ یہ بیرونی جلد کی نشوونما کرتا اور خوب صورتی میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

چہرے پر ظاہر ہونے والے کیل مہاسوں اور چھائیوں کو روکتا ہے۔ مونگ پھلی کے روغن میں مساوی وزن لیموں کا رس شامل کر لینے سے نتائج زیادہ بہتر اور حوصلہ افزا نکلتے ہیں۔ رات کو سوتے وقت یہ آمیزہ چہرے پر ملیے، تروتازگی، نکھار اور شادابی آجائے گی۔ جلد کے تمام امراض میں مونگ پھلی کے تیل کی مالش مفید ہے۔

مونگ پھلی میں اور بھی بے شمار فوائد پوشیدہ ہیں۔ مثلاً اس میں بہ آسانی ہضم ہو جانے والا تیل کثیر مقدار میں پایا جاتا ہے۔ یہ تیل جلد میں نرمی اور ملائمت پیدا کرتا ہے۔ معتدل طور پر مسہل بھی ہے۔ ایسی خواتین، جو بچوں کو دودھ پلا رہی ہوں ان کے لیے شکر اور دودھ کے ساتھ مونگ پھلی کھانا عمدہ اور طاقت بخش غذا ہے۔ اس غذا میں ہر طرح کی چھوت روکنے کی صلاحیت ہے۔ ٹی بی اور یرقان کے مریضوں کے لیے یہ شفا بخش دوا ہے۔ طبی ماہرین ماں بننے والی خواتین کو حمل کے دوران بہت زیادہ مونگ پھلیاں کھانے سے منع کرتے ہیں کیوں کہ دوران حمل بہت زیادہ مونگ پھلیاں کھانے والی ماؤں کے بچوں کے اندر ان بچوں کے مقابلے میں مونگ پھلی کی الرجی کے امکانات 3 گنا ہوتے ہیں جن کی مائیں دوران حمل کے دوران مونگ پھلی نہیں کھاتیں۔

......☆......

گوشہ چشم

''گوشہ چشم'' کے سلسلے میں میری مخاطب وہ تمام رائٹرز ہیں جو ردا کا حصہ ہیں اور وہ قاری بہنیں بھی جو رائٹر بننا چاہتی ہیں آپ سے گزارش یہ ہے کہ کوئی بھی تحریر لکھتے ہوئے طوالت سے بچیں اس سے ایک تو آپ کو طویل انتظار کی زحمت اٹھانا پڑھتی ہے وہیں اکثر طویل تحریر کی وجہ سے دوسری تحاریر کو جگہ نہیں مل پاتی اس لیے آپ مکمل ناول کے صفحات 50 سے 70 کے درمیان تک لکھا کریں۔ اکثر رائٹرز ایک ایک ناول 200 سے 300 صفحات پر مشتمل بھیج دیتی ہیں۔ اس لیے آئندہ آپ لوگ کوشش کریں کہ اگر ناول لکھیں تو اس کے صفحات 50 یا 70 سے زیادہ نہ ہوں اور نئی رائٹرز پہلے افسانہ لکھیں اور ہر ناول، ناولٹ وغیرہ امید ہے ردا سے جڑی تمام رائٹرز آئندہ اس بات کا خیال رکھیں گی اور تحریر کو بے جا طوالت سے بچائیں گی۔

تہمینہ صدیقی............ ٹوبہ ٹیک سنگھ

تہمینہ ڈیئر! خوش رہو آپ کے دونوں ناولٹ مل گئے ہیں اور یقیناً آنے والے دنوں میں یہ شاملِ اشاعت بھی ہوں گے مگر اس سے پہلے جن دونوں ناولٹ کا آپ نے ذکر کیا وہ ہمیں نہیں موصول ہوئے ورنہ آپ کو اتنا طویل انتظار نہ کرنا پڑتا۔ گڑیا بہرحال ردا آپ کا اپنا ردا ہے۔

شیریں تبسم............ کراچی

پیاری شیریں! خوش رہیے آپ کا افسانہ اور غزل مل گئے ہیں اور انتخاب آپ کا اس ماہ شامل ہے جلد ہی آپ کا افسانہ بھی شاملِ اشاعت ہوگا۔

عاصمہ عزیز............ راولپنڈی

سویٹ عاصمہ! سدا مسکراؤ آپ کی تحریر ردا کو مل گئی ہے۔ انشاء اللہ جلد شامل اشاعت ہوگی۔

فرزانہ حبیب............ کراچی

پیاری فرزانہ! کیسی ہیں آپ؟ آپ کے پیار اور دعاؤں کا بہت شکریہ خوش رہیے اور ردا میں لکھتی رہیے۔ آپ کا ایک ناول تو اس ماہ شامل اشاعت ہے۔ آپ کی دوسری تحریر تھوڑی طویل ہے تو اس کے لیے انتظار تو کرنا ہوگا ناں۔ ردا سب کو یکساں موقع دیتا ہے تاکہ ہر ایک اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو نکھار کر سب تک پہنچا سکے۔ اپنا خیال رکھیے گا اور ردا سے جڑی رہیں۔ ردا آپ کا اپنا ردا ہے۔

امبرین ناز............ کراچی

سویٹ امبرین! پھولوں کی طرح مسکراتی سو اس کے ساتھ جڑی رہیے اور خوش رہیے۔

رہو۔ آپ کا افسانہ ہمیں مل گیا ہے خوب صورت عنوان کے ساتھ جلد شاملِ اشاعت ہوگا۔

علشبہ احمد....................بہاولنگر

ڈیئر علشبہ! ہمیشہ خوش رہو آپ کی نگارشات ہمیں مل گئی ہیں۔ ردا کی خوب صورت محفل میں ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ ردا سے اپنے تعلق کو دیر پا رکھیں گی آپ کے افسانے قریبی اشاعت میں شامل ہوں گے۔

افشاں علی.................... کراچی

لولی ڈول افشاں علی! سدا ہنستی مسکراتی رہو اور ردا میں چار چاند لگاتی رہو۔ تمہارا سندیسہ پڑھنے کا لطف قارئین کو ہی نہیں ہمیں بھی بہت آتا ہے۔ یوں لگتا ہے سامنے بیٹھی مسکراتے ہوئے تم سب یہ کہہ رہی ہو۔ سندیسے کے لیے جو آپ نے کہا کہ پچھلے ماہ کچھ کمی تھی تو صفحات کی کمی کی وجہ سے ایسا ہوا کہ ہمیں سب کو موقع دینا ہوتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ہماری بات سمجھ گئی ہوں گی خوش رہیے اور ردا سے جڑی رہیے۔

رابعہ افضال خان.................... کراچی

سویٹ رابعہ! آپ سے بات کر کے ہمیں بھی بے حد خوشی ہوئی۔ ہمارے لیے ہماری ہر رائٹر قابلِ احترام اور ہر دلعزیز ہے اور ہمیں سب سے محبت ہے۔ ہماری دلی خواہش ہوتی ہے کہ ہم تمام لکھاری بہنوں کی صلاحیتوں کو ردا میں بھرپور موقع دیں تا کہ وہ اپنی تصانیف کو قارئین تک پہنچا سکیں۔ آپ جانتی ہیں کہ ردا نیو رائٹرز کو بھرپور موقع دیتا ہے۔ آپ تو اب سینئر رائٹر ہیں۔ ردا کی آپ کی ایک پہچان ہے۔ سو کبھی اگر ناولٹ، افسانے کی اشاعت میں دیر سویر ہو جایا کرے تو سمجھ لیا کریں وجہ کیا ہو گی۔ اس ماہ آپ کا افسانہ شاملِ اشاعت ہے امید ہے اب کوئی گلہ نہیں رہا ہوگا۔ خوش رہیں اور ردا سے جڑی رہیں۔

مون شاہ....................سرگودھا

پیاری مون! سدا خوش رہو، آپ کا اور ردا کا ساتھ انشاء اللہ ہمیشہ رہے گا۔ آپ کی دعاؤں کا بے حد شکریہ آپ کا افسانہ اور انٹرویو مل گئے ہیں قریبی اشاعت میں شامل ہوں گے دونوں اور سلسلے وار کے لیے ابھی ویٹ کریں۔ پہلے ہی ایک لمبی لائن لگی ہوئی ہے۔ مکمل ناول کے زیادہ سے زیادہ صفحات 50 سے 70 کے درمیان ہونے چاہئیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اپنا خیال رکھیں اور خوش رہیں۔

عانیہ نیازی....................ربوہ

مائی لولی ڈول عانیہ! آپ سے بات ہوئی اور آپ کی والدہ کی بیماری کا سن کر افسوس ہوا۔ ہماری دعا ہے کہ خدا انہیں صحت کاملہ عطا کرے اور آپ پر ان کا سایہ تادیر سلامت رکھے، آپ پریشان نہ ہوں ہم سب کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

نوشین مدثر....................لاہور

سویٹ نوشین! آپ کی دعاؤں اور پیار کا بے حد شکریہ، آپ کی نگارشات وقتاً فوقتاً ردا میں شامل ہوتی رہتی ہیں۔ ردا سے جڑی رہیں اور خوش رہیں۔

......☆......



مٹن ایگ بریانی

اجزاء

مٹن	:	آدھا کلو
چاول	:	آدھا کلو (دو کنی رکھ کر ابال لیں)
لیموں	:	ایک عدد (رس نکال لیں)
تیز پات	:	ایک عدد
بڑی الائچی	:	دو عدد
پیاز	:	دو عدد (سلائس کاٹ لیں)
لونگ	:	دو تین عدد
ہری مرچ	:	دو تین عدد (کاٹ لیں)
انڈے	:	چار عدد (ابال لیں)
فرائیڈ پیاز	:	پون کپ
دہی	:	آدھا کپ
لہسن پیسٹ	:	ایک کھانے کا چمچ
ادرک پیسٹ	:	ایک کھانے کا چمچ
زیرہ	:	آدھا چائے کا چمچ
دار چینی	:	ڈیڑھ انچ کا ٹکڑا
زردہ اور سرخ رنگ	:	ایک ایک چٹکی (تھوڑے سے پانی میں الگ الگ حل کر لیں)
ہرا دھنیا	:	آدھی گٹھی (چوپڈ)
کٹی سرخ مرچ	:	حسب ذائقہ
نمک	:	حسب ذائقہ
آئل	:	حسب ضرورت

ترکیب: دار چینی، لونگ، بڑی الائچی، زیرہ اور تیز پات ڈرائی روسٹ کر کے گرائنڈ کر لیں۔ آئل گرم کر کے پیاز، لہسن اور ادرک پیسٹ ہلکا فرائی کریں۔ اب مٹن، نمک، کٹی سرخ مرچ، ہری مرچ اور آدھا ہرا دھنیا ڈال کر بھونیں۔ دہی اور گرائنڈ کیا گیا مصالحہ شامل کر کے بھونیں پھر پانی ڈال کر گوشت گلا لیں۔ پین میں چاولوں کی تہ لگا کر اوپر مٹن پھیلائیں پھر چاول کی مزید ایک تہ لگا دیں۔ آخر میں بقیہ ہرا دھنیا، فرائیڈ پیاز، لیمن جوس، زردہ اور سرخ رنگ ڈال کر دم لگا دیں۔ ابلے ہوئے انڈوں سے سجا کر گرم گرم سرو کریں۔

گاجر آلو بھجیا

اجزاء

آلو	:	ایک پاؤ
گاجر	:	ایک پاؤ
زیرہ	:	ایک چائے کا چمچ
رائی دانہ	:	ایک چائے کا چمچ
خشک دھنیا پاؤڈر	:	ایک چائے کا چمچ
ہلدی	:	ایک چائے کا چمچ

سرخ مرچ	:	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ	:	آدھا چائے کا چمچ
امچور	:	آدھا چائے کا چمچ
ہرا دھنیا (چوپڈ)	:	ایک چائے کا چمچ
ادرک	:	ایک انچ کا ٹکڑا (باریک کاٹ لیں)
نمک	:	حسب ذائقہ
آئل	:	حسب ضرورت

ترکیب: گرم آئل میں زیرہ اور رائی دانہ کڑکڑا کر ادرک کو صرف 20 سیکنڈ بھونیں۔ پھر اس میں آلو اور گاجر شامل کر کے بھونیں۔ اب گرم مصالحہ اور امچور ڈالیں اور ڈھک کر پکنے دیں۔ تیار ہونے پر ہرے دھنیے اور ادرک سے گارنش کر کے سرو کریں۔

کیبج کٹلٹس

اجزا

بند گوبھی	:	آدھا عدد (چوپ کر لیں)
انڈا	:	تین عدد (پھینٹ لیں)
پیاز (چھوٹا)	:	دو عدد (چوپڈ)
آلو (چھوٹے)	:	دو تین عدد (ابال کر میش کر لیں)
ہری مرچ	:	چھ عدد (چوپڈ)
کوکونٹ	:	پون کپ (گرینڈ)
بریڈ کرمز	:	ایک کپ
ہینگ	:	ایک چٹکی
دال چنا	:	ایک کھانے کا چمچ
چاول	:	ایک کھانے کا چمچ
ہرا دھنیا (پتے)	:	دو کھانے کے چمچ
ثابت کالی مرچ	:	پانچ چھ عدد
ادرک	:	ایک انچ کا ٹکڑا
نمک	:	حسب ذائقہ
آئل	:	حسب ضرورت

ترکیب: پیاز، ہرا دھنیا، ہری مرچ، ادرک اور گوبھی ایک ساتھ مکس کر لیں۔ کالی مرچ اور کوکونٹ شامل کر کے مزید مکس کریں۔ دال اور چاول گرائنڈ کر کے آٹا بنائیں اور ڈرائی روسٹ کر کے گوبھی کے مکسچر میں مکس کر لیں۔ اب آلو شامل کر کے میش کریں اور کٹلٹس بنا لیں۔ پہلے انڈے اور پھر بریڈ کرمز میں رول کریں۔ دوبارہ انڈے میں ڈپ کر کے گرم آئل میں فرائی کر لیں۔ کیچپ یا ساس کے ساتھ سرو کریں۔

کولی فلاور ود چیز

اجزاء

گوبھی	:	ایک کلو (کاٹ لیں)
مکھن	:	ایک کھانے کا چمچ
ویجی ٹیبل آئل	:	ایک کھانے کا چمچ
میدہ	:	تین کھانے کے چمچ
لہسن (چوپڈ)	:	آدھا چائے کا چمچ
رائی دانہ	:	ایک چائے کا چمچ
سرخ مرچ پاؤڈر	:	پون چائے کا چمچ
پیاز	:	ایک عدد (چوپڈ)
دودھ	:	ڈھائی کپ
چیز	:	ایک کپ
نمک، کالی مرچ پاؤڈر	:	حسب ذائقہ

ترکیب: اوون کو 200C پر گرم کریں۔ مکھن گرم کر کے تقریباً دس منٹ کے لیے پیاز فرائی کریں۔ اب لہسن شامل کر کے فرائی کریں اور ساتھ ہی میدہ بھی ڈال دیں۔ پھر تھوڑا تھوڑا دودھ شامل کرتے ہوئے اتنا پکائیں کہ دودھ ابل کر گاڑھا ہو جائے۔ رائی دانہ، سرخ مرچ، چیز، نمک اور کالی مرچ شامل کر کے مکس ہو جانے تک پکائیں۔۔ گوبھی کو تین چار منٹ کے لیے اسٹیم دے کر بیکنگ پین میں ڈالیں اور اوپر دودھ والا مکسچر ڈال دیں۔ ٹاپنگ کے اجزاء

سے چیز اور کریم مکس کر کے دودھ کے مکسچر پر ڈالیں اور 25 منٹ کے لیے اوون میں گرم کر لیں۔ ہرے دھنیے سے سجا کر پیش کریں۔

اورینٹل چکن

اجزاء

چکن بریسٹ	:	دو عدد (کیوبز بنالیں)
سیب	:	ایک عدد (سلائسز)
لیٹس لیوز	:	چار پانچ عدد (کاٹ لیں)
ریڈ چلی پیسٹ	:	ایک کھانے کا چمچ
خشخاش (روسٹڈ)	:	ایک چائے کا چمچ
سنگترہ (پھانکیں)	:	ایک کپ
پائن ایپل (چنکس)	:	آدھا کپ
بادام (سلائسز)	:	پون کپ
کریم	:	ایک کپ

ترکیب: چکن میں ریڈ چلی پیسٹ مکس کر کے 20 منٹ کے لیے رکھ دیں۔ اب اسے آئل میں فرائی کر لیں۔ سرونگ پلیٹ میں لیٹس لیوز، پائن ایپل چنکس، سنگترہ، بادام اور سیب رکھیں۔ پھر چکن شامل کر دیں۔ کریم میں خشخاش شامل کر کے سیلڈ کے اوپر ڈالیں۔ مزے دار سیلڈ تیار ہے۔

فروٹی پاستا

اجزا

پاستا	:	آدھا پیکٹ (ابال لیں)
پائن ایپل چنکس	:	ایک ٹن
چکن (کیوبز)	:	ایک کپ (ابال لیں)
مایونیز	:	آدھا کپ
سیلری (سلائس)	:	آدھا کپ
ہری پیاز (چوپڈ)	:	پون کپ
کری پاؤڈر	:	ایک چائے کا چمچ
براؤن شوگر	:	دو چائے کے چمچ
مالٹا	:	ایک عدد (پھانکیں)

ترکیب: مایونیز میں براؤن شوگر، کری پاؤڈر اور ہری پیاز مکس کر لیں۔ ایک باؤل میں چکن، سیلری، مالٹا، پائن ایپل، پاستا اور ڈریسنگ شامل کر کے مکس کر لیں۔ روم ٹمپریچر پر یا ریفریجریٹر میں ٹھنڈا سرو کریں۔

چکن تکا سینڈوچ ود گرلڈ پوٹیٹوز

اجزاء

بریڈ سلائس	:	آٹھ عدد (مکھن لگا کر ٹوسٹ کر لیں)
چکن قتلے	:	چار عدد
لیٹس لیف	:	چار عدد
ادرک لہسن پیسٹ	:	ایک کھانے کا چمچ
تندوری مصالحہ	:	دو کھانے کے چمچ
دہی	:	دو کھانے کے چمچ
لیمن جوس	:	دو کھانے کے چمچ
آئل	:	دو تین کھانے کے چمچ
گرین چٹنی	:	چار کھانے کا چمچ
ٹماٹر	:	چار سلائسز
پیاز	:	چار یا چھ رنگز

گرلڈ پوٹیٹوز کے لیے

آلو	:	تین چار عدد (ابال لیں)
آئل	:	ایک کھانے کا چمچ
نمک، کالی مرچ پاؤڈر	:	حسب ذائقہ

ترکیب: چکن پر تندوری مصالحہ، ادرک لہسن پیسٹ، دہی اور لیمن جوس لگا کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ پھر ہر قتلے کو گرل کر کے دو حصوں میں تقسیم کر لیں۔ بریڈ سلائس پر دو قتلے رکھیں پھر لیٹس لیوز، ٹماٹر، پیاز اور گرین چٹنی ڈال کر دوسرا سلائس رکھ دیں۔ آلوؤں کے سلائسز کاٹ لیں۔ پھر نمک، کالی مرچ پاؤڈر اور آئل مکس کر کے گرل کر لیں۔ سینڈوچز کے ساتھ سرو کریں۔☆

سنگھار

ہاتھوں کا خیال رکھنا ضروری ہے

خواتین عموماً چہرے کی خوب صورتی و شادابی برقرار رکھنے پر خاصی توجہ دیتی ہیں لیکن ہاتھوں کو بھول جاتی ہیں۔ ہر موسم میں ہاتھوں کو خصوصاً زیادہ توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیوں کہ گھر کے کام کاج کے دوران آپ کے ہاتھ کبھی ٹھنڈے پانی میں ہوتے ہیں تو کبھی گرم پانی استعمال کرتی ہیں۔ مزید یہ کہ مختلف صابن اور ڈیٹرجنٹس بھی ہاتھوں کی جلد پر برے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی حفاظت انتہائی ضروری ہے۔

چہرے کی جلد کی مانند ہاتھوں کی بھی مختلف اقسام ہیں۔ یہاں ہم خواتین کے حوالے سے بات کریں گے کہ کچھ خواتین کے ہاتھ خشک اور کھردرے ہوتے ہیں اور کچھ کے ٹھنڈے اور نم آلود، جب کہ کچھ خواتین کے ہاتھ انتہائی نرم و ملائم ہوتے ہیں، ایسے ہاتھوں کی جلد عموماً ذرا سی رگڑ سے چھل جاتی ہے۔ لہٰذا اگر آپ کچھ باتیں جان لیں تو اپنے ہاتھوں کی حفاظت باآسانی کرسکتی ہیں۔ اس کے علاوہ گھریلو کام کاج کے دوران ہاتھ جل جائے یا کٹ جائے تو ایسی صورت میں آپ فوری طور پر کیا تدبیر اختیار کریں، اس بارے میں بھی کچھ ٹپس کا علم ہونا ضروری ہے۔ ان تمام مسائل سے نمٹنے کے لیے کچھ تجاویز حاضر ہیں:۔

☆ تین کھانے کے چمچے چینی اور دو کھانے کے چمچے بادام کا تیل یا زیتون کا تیل لے کر باہم ملائیں اور ہاتھوں پر ملیں۔ پانچ سات منٹ تک مساج کرتی رہیں۔ اس کے بعد گرم پانی سے ہاتھ دھولیں۔ اس ترکیب سے تمام مردہ کھال اتر جائے گی اور ہاتھ نرم و ملائم ہوجائیں گے۔

☆ ایک چائے کا چمچہ بادام یا زیتون کا تیل، ایک چائے کا چمچہ لیمن جوس اور ایک کھانے کا چمچہ عرق گلاب لے کر اچھی طرح مکس کریں۔ یہ آمیزہ ہاتھوں پر لگائیں اور پانچ یا سات منٹ تک ملتی رہیں۔ اس کے بعد ہاتھ دھولیں۔ اس سے ہاتھوں کی خشکی دور ہوگی اور یہ نرم و ملائم ہوجائیں گے۔

☆ ایک کھانے کا چمچہ لیمن جوس، ایک کھانے کا چمچہ چینی اور ایک کھانے کا چمچہ پانی لے کر باہم ملائیں اور ہاتھوں پر مل لیں۔ اس وقت تک اس کا مساج کرتی رہیں جب تک کہ ہاتھ خشک نہ ہوجائیں۔ کھردرے ہاتھوں کو نرم کرنے کے لیے یہ بہترین نسخہ ہے۔

☆ دو آلو لے کر چھیلیں اور چھل لیں پھر دبا کر ان کا عرق نکال لیں۔ اس عرق کو ہاتھوں پر اچھی طرح ملیں۔ اس سے انگلیوں کے کالے پڑ جانے والے جوڑ صاف ہو جائیں گے۔ مسلسل استعمال سے ہاتھوں پر رہ جانے والے زخموں اور جلنے کے نشانات بھی بالکل صاف ہوجاتے ہیں۔

☆ کچن میں کام کرتے ہوئے ہاتھ جل جائیں تو پیاز کا عرق نکال کر لگائیں یا پیاز کے دو ٹکڑے کرکے اس کا آدھا حصہ فوری طور پر جلے ہوئے حصے پر رگڑ لیں۔ اس سے جلن میں کمی واقع ہوگی اور جلے کا نشان گہرا نہیں پڑے گا۔

☆ اگر ہاتھ پر آبلے پڑ جائیں تو ٹھنڈے دودھ میں روئی بھگو کر ان پر رکھیں۔ کئی مرتبہ یہ عمل دہرانے سے خاصا افاقہ ہوگا اور آبلے جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔

☆ ہاتھوں کی خشک اور پھٹی ہوئی جلد کو بحال کرنے کے لیے جیلاٹن یا لیمن جیلی کا ایک پیکٹ گرم پانی میں گھول لیں اور اسے سیٹ ہونے کے لیے ذرا وقت دیں۔ پھر اس میں دونوں ہاتھ ڈبو دیں اور اس دوران ہاتھوں، ناخنوں اور ناخنوں کے اردگرد کی جلد کی مالش کرتی رہیں۔ پندرہ منٹ تک اسی طرح ہاتھوں کو ڈبو کر رکھیں۔ اس ترکیب کے مسلسل استعمال سے پھٹی ہوئی جلد ٹھیک ہو جاتی ہے اور ناخنوں کے ٹوٹنے میں کمی واقع ہوتی ہے۔ جیلی کھانے سے بھی ناخن صحت مند رہتے ہیں۔

☆ ایک کھانے کا چمچہ بادام کا تیل اور ایک کپ بٹر ملک لے کر اچھی طرح مکس کر لیں اور ہاتھوں پر لگا کر اچھی طرح مساج کریں پھر خشک ہونے دیں۔ اس عمل کو اس وقت تک دہرائیں جب تک کہ تمام مکسچر ختم نہ ہو جائے۔ رات کو سوتے وقت یہ ترکیب آزمائیں اور کاٹن کے دستانے پہن کر سو جائیں۔

جلد کے لیے

(1)۔ مسور کی دال پیس کر دہی میں ملا لیں، اچھی طرح پھینٹ کر چہرے پر لگا لیں، سوکھنے پر اتار دیں، جلد چمکدار ہو جائے گی۔

(2)۔ زیتون کا تیل، شہد، ہلدی اور صندل میں ملا کر چہرے پر لگائیں پندرہ منٹ بعد دھو لیں یہ عمل خشک اور مرجھائی ہوئی جلد کو تازہ کرتا ہے۔

موٹاپے ختم کرنے کے لیے

(1)۔ موٹاپہ ختم کرنے کے لیے ایک کپ نیم گرم پانی میں ایک عدد لیموں نچوڑ کر پی لیں جس سے جسم کی چربی پگھلتی ہے۔

(2)۔ نہار منہ قہوہ میں لیموں نچوڑ کر اور یہی دوپہر کو بھی استعمال کرنے سے فائدہ ہوگا۔

(3)۔ سلاد کا استعمال کثرت سے کریں۔

(4)۔ ایک چمچہ مولی کے دانہ لیموں کے پانی میں استعمال بھی مفید ہے۔

(5)۔ ادرک کی چائے پئیں۔

(6)۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد کلونجی ملا پانی پیا جائے۔

(7)۔ گرم پانی میں شہد ملا کر پینے سے فائدہ ہوگا۔

ٹون

جس طرح ہم اپنے جسم کو شیپ میں رکھنے کے لیے جتن کرتے ہیں اسی طرح ہماری جلد بھی شیپ میں رہنا چاہتی ہے ضرورت سے زیادہ کام اور عمر کی بڑھوتری کے ساتھ ساتھ جلد کی قدرتی لچک متاثر ہونے لگتی ہے۔ یہ پھولنے لگتی ہے اور ان پر شکنیں بھی نمودار ہونے لگتی ہیں۔ جلد کی ٹوننگ کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ مسام کے منہ کو بڑھنے نہیں دیتا ہے۔ مسام کے منہ جس قدر بڑے ہوں گے اسی قدر گرد و غبار کے جلد کے اندر داخل ہونے کے مواقع زیادہ ہوں گے۔ میک اپ بھی ان کے اندر گھس جائے گا اور مسام بند ہو جائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جلد پر دانے نکلنے لگتے ہیں۔ نرمی کے ساتھ ٹوننگ کا عمل کریں اس سے آپ کی جلد کی لچک برقرار رہے گی، جلد تروتازہ نظر آئے گی، مسام کے منہ چھوٹے رہیں گے اور شکنوں کے نمودار ہونے کے عمل میں کمی آ جائے گی۔

اکثر خواتین اس (ٹون) مرحلے کو نظر انداز کر جاتی ہیں مگر یہی وہ مرحلہ ہے جو خوبصورت جلد کے لیے راستہ بناتا ہے۔ یہ کسی سادہ کینوس کی طرح ہوتا ہے جس پر آپ جس کی بھی تصویر بنانا چاہتی ہوں، بنا لیں۔ یہ بھی میک اپ کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔

......☆......